یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

جلد نمبر ۸
8

فہرست

سُورَۂ یُوسُفؑ

یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کی آیات ایک سو گیارہ ہیں۔ آیت بسم اللہ کو ملا کر تعداد ۱۱۲ ہو گی۔

بروایت ابی بن کعب جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے اور اپنے گھر والوں اور غلاموں کو اس کی تعلیم دے۔ خداوند کریم اس پر سکرات الموت آسان کرے گا اور اس کو توفیق دے گا کہ کسی مسلمان سے حسد نہ کرے (مجمع)

بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص ہر دن یا ہر رات سورۂ یوسف کی تلاوت کرے تو بروز محشر خدا اس کو جمال یوسف کے ساتھ محشور کرے گا اور قیامت کی گھبراہٹ سے وہ محفوظ رہے گا۔ نیز اس کا شمار خدا کے برگزیدہ بندوں سے ہو گا (مجمع) بروایت عیاشی زانی اور بدکار ہونے سے محفوظ رہے گا (برہان)

بروایت اسماعیل بن ابی زیاد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بسلسلۂ آبائے طاہرین علیہم السلام بیان فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا عورتوں کو بالاخانوں پر جگہ نہ دو اور لکھنا نہ سکھاؤ نیز سورہ یوسف کی تعلیم بھی ان کو نہ دو بلکہ انہیں چرخہ کاتنا سکھاؤ۔ اور سورۂ نور کی تعلیم دو۔ (مجمع البیان)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اس کو لکھ کر تین دن گھر میں رکھے پھر گھر کے باہر کی دیوار کے نیچے اس کو دفن کر دے تو اچانک سلطانِ وقت کی جانب سے اس کو دعوت پہنچے گی اور وہ اپنے حوائج کی برآوری کے لئے اس کو معین کرے گا۔ باذنِ پروردگار

اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس مبارکہ کو لکھ کر اگر پی لے تو خدا اس کا رزق آسان کر دیگا۔ اور باذنِ خدا وہ صاحبِ بخت ہو گا۔ (برہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓرٰ قف تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ○ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا

الرا یہ کتاب مبین کی آیتیں ہیں تحقیق ہم نے اس کو اتارا قرآن عربی

لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ○ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ

تاکہ تم سوچو ہم تم کو ایک بہترین قصہ سناتے ہیں ساتھ اس وحی

اِلَیۡکَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ٭ۖ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ○

قرآن کے جو تم پر ہوئی اگرچہ تم قبل ازیں اس سے غافل تھے

رکوع نمبر ۱

الرا ۔ حروف مقطعات قرآنیہ میں سے ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے آیت شمار نہ ہونے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ رؤس آیات کے ساتھ اس کی مشاکلت نہیں ہے۔ بخلاف اس کے طٰہٰ کو آیت شمار کیا گیا ہے کیونکہ اس میں مشاکلت موجود ہے

تِلۡکَ ۔ صرف سورہ یوسف کی آیات کی طرف اشارہ ہے یا پورے قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے یعنی ھٰذِہٖ الۡاٰیَاتُ تِلۡکَ الۡاٰیَاتُ الَّتِیۡ وُعِدۡ تُمۡ بِھَا (ترجمہ) یہ وہی آیتیں ہیں جن کا تورات میں تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔

شانِ نزول

تفسیر مجمع البیان میں ہے علمائے یہود نے سرداران قریش سے کہا تم محمدؐ سے پوچھو کہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد شام سے مصر کی طرف منتقل کیوں ہوئی اور حضرت یوسفؑ کا قصہ کیا ہے؟ چنانچہ یہ سورہ مبارکہ نازل ہوا۔

قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا ۔ ضمیر مفعول سے بدل ہے۔ بروایت ابن عباس حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے۔ میں عربوں سے ساتھ تین وجوہ سے محبت کرتا ہوں (۱) میں خود عربی ہوں (۲) قرآن مجید عربی ہے (۳) اہل جنت کی زبان عربی ہوگی۔

تفسیر صافی میں بروایت خصال امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عربی زبان سیکھو کیونکہ یہ وہ زبان ہے جس کے ذریعے سے اللہ نے اپنے بندوں سے خطاب فرمایا۔

لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۔ یعنی جب یہ کلام عربی ہے اور تم بھی عرب ہو پھر اسلوب بیان، سلاست فصاحت اور بلاغت میں اس کے مقابلہ سے تمہارا عاجز آجانا تمہارے لئے دعوتِ فکر ہے جس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ یہ واقعاً اللہ ہی کا کلام ہے۔

اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ ۔ یہ مصدر ہے اور احسن کی نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔ معنی میں دو احتمال ہیں۔

(۱) پورا قرآن احسن القصص ہے کیونکہ فصاحت حسنِ معنی خوبیٔ مطلب، سلاستِ لفظ، تسلسلِ بیان اور تشاکل و تناسب

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ

جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا بابا جان! میں نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ○ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ

سورج اور چاند میرے لئے سجدہ کر رہے ہیں فرمایا اے فرزند تو اپنے بھائیوں کے سامنے اپنا خواب

ظاہری کے لحاظ سے یہ اپنی مثال خود آپ ہے۔

(۲) صرف سورہ یوسف اس سے مراد ہے کیونکہ اس میں جو عجائب و غرائب اور فوائد موجود ہیں وہ اور کہیں نہیں۔ نیز اس قصہ میں جو تفصیل ہے وہ کسی دوسرے قرآنی قصہ میں موجود نہیں ہے۔

اسرار و رموز (۱) خداوند کریم کے اسمائے طاہرہ توقیفیہ ہیں۔ یعنی اس پر صرف ان ناموں کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ جو زبانِ وحی سے صادر ہو چکے ہیں (۲) اگرچہ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ میں عَلَّمَ کا فاعل اللہ ہے لیکن توقیف کے لحاظ سے اس کو معلّم یا مدرس کے نام سے نہیں پکارا جا سکتا۔ اسی طرح يُفْتِيْكُمْ فِي النِّسَآءِ میں يُفْتِيْ کا فاعل اللہ ہے لیکن اسے مفتی کے نام سے یاد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اس کا نام کریم ہے۔ سخی نہیں وعلیٰ ہذا القیاس۔ بنا بریں آیت مجیدہ میں نَحْنُ نَقُصُّ (ہم قصہ سناتے ہیں) لیکن خدا کو قصہ خوان کا نام نہیں دیا جا سکتا (۳) توقیف کا مقصد یہ ہے کہ اس کے نام صرف وہی ہیں جو صاحبِ شرع کی لسانِ وحی ترجمان سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اور وہی اس کے اسمائے حسنہ ہیں جن سے اس کو پکارا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے ناموں کا اس پر اطلاق ہی ناجائز ہے۔ پس اگرچہ دعا و ندا میں نہ ہی عام استعمال میں اس پر دوسرے نام بولے جا سکتے ہیں جن کے معانی اس کی ذات میں موجود ہوں۔ مثلاً کہا جا سکتا ہے کہ حضرت یوسف کا قصہ خوان خدا ہے۔ یا خدا نیک لوگوں کا مدّاح ہے یا فلاں مسئلہ میں مفتی خود خدا ہے یا یہ کہ نبیوں کا معلّم و مدرس وہی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ہاں دعا و ندا کے مقام پر صرف انہی ناموں سے اس کو پکارا جائے گا جو اس کے اسماء حسنہ ہیں اور توقیف کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں۔ (۴) خداوند کریم کے وہ نام جو غیر عربی ہیں ان سے پکارنا یقیناً جائز اور صحیح ہے اور یہ منافیِ توقیف نہیں ہیں۔ مثلاً خدا کا لفظ فارسی زبان کا ہے۔ اسی طرح پروردگار۔ پالنہار وغیرہ ناموں سے پکارنا درست ہے۔

اِذْ قَالَ :۔ اس کا فاعل اُذْكُرْ محذوف ہے اور نَقُصُّ کا معمول اس کو نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ یوسف و یعقوب کے باہمی مکالمہ کے وقت یہ قصہ نہیں بیان کیا گیا۔

رَاَيْتُ۔ رؤیا سے ہے یعنی میں نے خواب میں دیکھا ہے اس کے بعد دوبارہ رَاَيْتُهُمْ کا تکرار تاکید کے لئے ہے۔

اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا :۔ تفسیر صافی میں بروایت خصال جابر بن عبداللہ سے مروی ہے ایک دفعہ ایک یہودی جس کا نام بستان تھا خدمت میں حاضر تھا۔ اور اس نے یوسف کے سامنے خواب میں سجدہ کرنے والے ستاروں کے نام پوچھے آپ خاموش ہوئے تو

رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ

بیان نہ کرنا شاید وہ تیرے درپے ایذا ہو جائیں کیونکہ شیطان انسان کا کھلا ہوا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ

دشمن ہے اور اسی طرح خدا تجھے برگزیدہ کرے گا اور تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا

الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا

کرے گا اور تجھ پر اپنی نعمت تمام کرے گا اور اولادِ یعقوب پر جس طرح اس نے نعمتیں تمام کیں

عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

اس سے پہلے تیرے باپ دادا ابراہیم و اسحٰق پر تحقیق تیرا رب علیم و حکیم ہے

جبریل وہ نام لے کر نازل ہوا۔ آپ نے بستان کو بلا کر نام بتا دئے پس وہ یہودی مسلمان ہوگیا۔ وہ نام یہ تھے۔

(۱) حربان (۲) طارق (۳) ذوالکتفین۔ (۴) قابس (۵) وثاب (۶) عمودان (۷) فیلق (۸) مصبح (۹) صدرح (۱۰) زبال (۱۱) ذوالفروغ (۱۲) ضیاء (سورج) (۱۳) نور (چاند)

بروایت قمی حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السّلام نے فرمایا۔ اس کی تاویل یہی تھی کہ آپ مصر کے بادشاہ ہوں گے۔ گیارہ ستاروں کی تاویل ان کے گیارہ بھائی، سورج کی تاویل ماں اور چاند کی تاویل ان کا باپ ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے یعقوب کو اسرائیل اللہ کہا جاتا تھا۔ یعنی اللہ کا خالص بندہ، بعض کہتے ہیں حضرت یوسف نے سات برس کی عمر میں خواب میں دیکھا تھا کہ زمین میں گڑی ہوئی گیارہ لمبی لکڑیوں کو ایک چھوٹی لکڑی نے اکھاڑ پھینکا۔ جب یہ خواب انہوں نے اپنے باپ یعقوب کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ پھر بارہ برس کی عمر میں گیارہ ستاروں اور سورج و چاند کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ بروایت قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے آپ کی عمر نو برس منقول ہے۔ (صافی) اور بروایت ابن عباس جس رات کو خواب دیکھا تھا وہ شب جمعہ اور لیلۃ القدر تھی۔

عَلٰٓى اِخْوَتِكَ۔ علّامہ فیض کاشانی قدہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف کے بھائیوں کے نام ہم نے کسی معصوم کی روایت میں نہیں دیکھے البتہ جو بیان کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) یہودا (۲) روبیل (۳) شمعون (۴) لاوی (۵) زبالون (۶) یشجر۔ ان چھ کی ماں کا نام لیّا تھا جو حضرت یوسفؑ کی خالہ تھی۔ اس کے بعد حضرت یعقوب نے اس کی بہن راحیل سے شادی کی تھی اور اس سے (۷) بنیامین اور (۸) حضرت یوسف پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت یعقوب کی دو کنیزیں تھیں زلفہ اور بلھہ اور ان سے چار بیٹے پیدا ہوئے تھے

(۹) وان (۱۰) نفشائی (۱۱) حاد (۱۲) آشر

فَیَکِیْدُوْا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ نبی کا خواب وحی خداوندی ہوا کرتا ہے اور حضرت یوسف کا خواب چونکہ ان کی علوِ مرتبت کا غماز تھا۔ لہذا بھائیوں کا حسد غیر متوقع نہ تھا۔ بنا بریں فرمایا کہ بھائیوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا مبادا وہ اس کی تاویل کو ملحوظ رکھ کر حسد کی آگ میں جلیں اور در پے ایذا ہو جائیں۔

مقامِ نبوّت

یَجْتَبِیْكَ۔ اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ آیت مجیدہ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ نبی پہلے سے بن کر نہیں آتے بلکہ یہاں آنے کے بعد ان کو خدا کی جانب سے عہدۂ نبوّت عطا ہوتا ہے جیسا کہ حضرت یعقوب نے اپنے بیٹے حضرت یوسف کو فرمایا کہ خدا تجھے چُنے گا۔ جیسا کہ مضارع کے صیغے سے صاف ظاہر ہے۔ اگر نبی پیدائشی ہوتے تو صیغہ ماضی کا ہوتا مثلاً اِجْتَبَاكَ یعنی خدا نے تجھے چن لیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف میں ابتدا سے ہی وہ خواص و آثار موجود تھے جو نبی کے لئے ہونے چاہئیں اور اسی معیارِ نبوّت کے ماتحت ہی حضرت یعقوب نے پیشین گوئی فرمائی۔ اور یہ بات قرینِ انصاف و عدل نہیں کہ کوئی شخص کسی عہدے کا معیار اپنے اندر رکھتا ہو پھر اسے طویل عرصہ تک بلاوجہ اُس عہدہ سے محروم رکھا جائے جب کسی کو یہ کہا جاتا ہے کہ میں تجھے انتخاب کروں گا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوا کہ تاکہ معیارِ انتخاب بھی تجھ میں بعد میں پیدا ہوگا بلکہ حتمی انتخاب کی پیش کش وجودِ معیار کی خود غماز ہے۔ پس اس جملہ کا مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ اپنے مقام پر تو میری نظروں میں تو منتخب ہو چکا ہے لیکن چونکہ ابھی اعلان و اظہار کا موقعہ نہیں لہذا وقت آنے پر تیرا ہی اعلان کیا جائے گا پس اس مقام پر بھی یہی مقصد ہے کہ اے یوسف تو برگزیدہ خدا ہے لیکن تیری برتری و برگزیدگی کے اظہار کے لئے ایک وقت معیّن ہے جب وہ وقت آئے گا تو خدا تیرے بھائیوں پر اور تمام لوگوں پر تیری برتری کو ظاہر کر دے گا۔ اسی طرح علم تعبیر کا ملکہ و ملاک تجھ میں موجود ہے لیکن وقت اظہار بعد میں ہوگا۔ اور اسی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعلانِ نبوّت آتَانِیَ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا (مجھے اللہ نے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے) حالانکہ عہدِ طفولیت اور گہوارہ کی زندگی کا مقامِ تبلیغ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ پس مقصد یہ ہے کہ وہ معیار و ملاک جس کے ماتحت نبوت عطا ہوتی ہے وہ مجھ میں موجود ہے۔ جس کی بنا پر میں کتاب و نبوت کا دعوےٰ کر رہا ہوں اگرچہ تبلیغ کا مقام بعد میں ہوگا۔

خواب کی حقیقت

انسان کے دماغ میں ایک قوت ہے جس کا نام حِس مشترک ہے۔ اور یہ ایک ایسا خزانہ ہے۔ جس میں جمع کرنے کے مختلف راستے ہیں یا ایسا تالاب ہیں جس میں مختلف اطراف سے نالیاں پہنچتی ہیں یا ایک ایسا دربار ہے جس میں داخلہ مختلف طرق سے ہوا کرتا ہے۔ گویا مملکت انسانیہ میں حس مشترک وزارتِ داخلہ کی نوعیت رکھتی ہے کہ ملک کے داخلی حالات کی رپورٹ مختلف ذرائع سے وہاں پہنچتی ہے اور بیرون از ملک کی خبریں بھی وہاں جمع ہوتی ہیں۔ پھر نیک و بد میں امتیاز اور مفید و مضر میں فرق اور آخری فیصلہ صادر کرنے کے لئے قوائے عاقلہ کو

میدانِ عمل میں آنا پڑتا ہے۔

حس مشترک میں بیرونی رپورٹر پانچ ہیں جنہیں حواسِ خمسہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قوتِ باصرہ قوتِ شامہ قوتِ سامعہ قوتِ ذائقہ اور قوتِ لامسہ اور اندرونی حالات قوتِ خیالیہ وواہمہ کے ذریعے سے اس تک پہنچتے ہیں۔ علاوہ ازیں قوتِ خیالیہ ہر آنے والے تصوّر کا خیر مقدم کرتی ہے خواہ اس تصوّر کا تعلّق حواس خمسہ میں سے کسی کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ پس وہ دیکھنے کے قابل چیزوں کا تصوّر کرتی ہے، خوشبو و بدبو کا تصوّر کرتی ہے۔ اسی طرح آوازوں اور ذائقوں کا تصوّر بھی وہ کرلیتی ہے اور ملموسات میں سرد گرم یا نرم و سخت کا تصوّر بھی اس میں آسکتا ہے۔

حس مشترک کی توجّہ جس طرح حواسِ ظاہرہ کی طرف رہتی ہے اسی طرح وہ خیال کی طرف بھی متوجّہ رہتی ہے۔ پس بعض اوقات جب کسی حسِ ظاہری میں جذب و دل کشی موجود ہو تو جس طرح حس مشترک اس کے علاوہ باقی حواس ظاہرہ سے عنانِ توجّہ پھیر لیتی ہے اسی طرح وہ خیال سے بھی غضِ بصر کرلیا کرتی ہے۔ پس کوئی خیالی تصوّر اس کے اندر راہ نہیں پاسکتا مثلاً آنکھوں کا منظر اگر دل کش اور رُوح پرور ہو تو حسِ مشترک ہمہ تن اسی منظر کی تصویر کشی میں منہمک رہتی ہے۔ نہ اُس کی توجہ کسی آواز کی طرف نہ کسی بُو و ذائقہ کی طرف اور نہ کسی ملائم و منافر کی جانب ہوتی ہے۔ اور نہ کوئی دوسرا خیال اُس کو اپنی طرف منعطف کرسکتا ہے۔ اسی طرح آوازوں و نغموں کی پُرکشش گونج اُسے دوسرے تمام مدرکات سے غافل بنا دیتی ہے خواہ وہ حواسِ ظاہریہ کی وساطت سے ہوں یا قوائے باطنہ خیال و وہم وغیرہ کے ذریعے سے ہوں۔ وعلیٰ ہذا القیاس تمام قوائے ظاہریہ کا یہی حال ہے۔ اسی طرح یہی حس مشترک اگر قوتِ خیالیہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو تو حواسِ ظاہریہ کے مدرکات کے جذب سے وہ یکسر غافل ہوا کرتی ہے۔ مثلاً کسی محبوب کے تصوّر میں ڈوبے ہوئے انسان کے سامنے سے کوئی گذر جائے بلکہ اُس کے سامنے کھڑا رہے۔ اُس کی آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود اس کا ادراک نہ کرسکیں گی۔ اُس کے کان صحیح و سالم ہونے کے باوجود قریب کی آواز بھی اُس تک نہ پہنچاسکیں گے۔ اسی طرح وہ اس حالت میں کسی بو و مزہ کا ادراک نہ کرسکے گا۔ پس اس کی نظر صرف ایک ہی جانب مرکوز ہوتی ہے اس کے علاوہ اس کی آنکھیں ہر جانب سے بند ہوا کرتی ہیں۔

خیال میں باطنی طور پر حواس ظاہرہ کی سی سب قوتیں موجود ہیں۔ پس خیال باطنی طور پر جب محبوب کی آواز پیش کر رہا ہو، تو حس مشترک قوتِ سامعہ ظاہریہ سے توجّہ پھیر کر اسی طرف ہی متوجّہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ کان ظاہری آوازوں کو نہیں سُن سکتے جبتک خیالی سماعت، خیالی آواز کی دل کشی کی طرف حس مشترک کو محو رکھے۔ یہ آنکھیں ظاہری شکلوں سے غضِ بصر کرلیتی ہیں۔ جب تک خیالی بصارت خیالی نقوش کی گرویدہ رہے وعلیٰ ہذا القیاس سب حواس ظاہرہ کی یہی کیفیت ہے۔

پس جب تک انسان بیدار رہتا ہے تو حسِ مشترک حواسِ ظاہرہ کی طرف اچھی خاصی توجہ دیا کرتی ہے بلکہ بالعموم انہی کو اپنے ادراکات کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ اور اس سے ثابت ہوا کہ دیکھنا آنکھ کا فعل نہیں بلکہ حس مشترک کا فعل ہے اور آنکھ اس کا راستہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ آنکھ کھلی ہونے کے باوجود پاس اور سامنے کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتی جب کہ حسِ مشترک صورتِ خیالیہ

لَقَدۡ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخۡوَتِهِۦٓ ءَايَٰتٞ لِّلسَّآئِلِينَ ۝٧ إِذۡ قَالُواْ لَيُوسُفُ

البتہ یوسف اور اس کے بھائیوں (کے قصہ) میں ڈھونڈنے والوں کے لئے کئی سبق ہیں جب انہوں نے تجویز کی کہ

وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰٓ أَبِينَا مِنَّا وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَٰلٖ

یوسف اور اس کا بھائی ہماری بہ نسبت باپ کو زیادہ عزیز ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں تحقیق ہمارا باپ صاف غلطی

کے تعاقب میں ہو۔ اسی طرح سُننا کان کا فعل نہیں بلکہ راستہ ہے۔ نیز ناک زبان اور ہاتھ بو ذائقہ وغیرہ کا ادراک نہیں کرتیں بلکہ یہ راستے ہیں اور مدرک حِس مشترک ہوا کرتی ہے جب وہ ان کی طرف متوجّہ ہو۔

جب انسان سوجاتا ہے تو حِس مشترک کے ادراک کے خارجی راستے مسدود ہوجاتے ہیں۔ پس اس کی توجہ صرف خیال ہی کی طرف ہوتی ہے۔ جاگتے ہوئے بھی بعض اوقات خیالی صورتیں اس قدر قوت پکڑ لیتی ہیں کہ انسان انکو سچ مچ محسوس مبصر سمجھنے لگتا ہے تو سوتے ہوئے جب کہ ادراکات کے ظاہری راستے سب بند ہوتے ہیں۔ خیالی صورتوں کا وہم کے نزدیک حقیقت کے رنگ میں ڈھل جانا بالکل قرین قیاس اور واقع امر ہے۔ پس صورتِ خیالیہ کا نیند میں محسوس ہو کر سامنے آنے کا نام خواب ہے۔ پس باتیں بھی ہوتی ہیں شنوائی بھی ہوتی ہے۔ دید و بازدید کے مناظر آوازوں کی فریب کاری اور سوز و گداز وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے غرضیکہ جو خیال پیدا ہوا وہ حقیقت کا جامہ پہنتے ہوئے سامنے آتا جاتا ہے۔

بعض اوقات یہ خیالات شکم پری کے بعد بالکل لغو و بیہودہ ہوا کرتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ان میں مستقبل کی طرف اشارہ بھی ہوتا ہے۔ گویا وہ آنے والے واقعات اور رُونما ہونے والے حادثات کی قبل از وقت غمازی کرتے ہیں لیکن ان سے واقعات کا صحیح اندازہ کرنا بہت مشکل امر ہے کیونکہ وہ آنے والے واقعات کا بہت دھندلا سا خاکہ پیش کرتے ہیں۔ اور سوائے علم مخصوص کے جس کو اللہ نے عطا فرمایا ہو۔ کوئی دُوسرا صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی علم کا نام علمِ تعبیر خواب ہے جس کے متعلق حضرت یعقوب نے اپنے فرزند حضرت یوسف سے فرمایا کہ خداوند کریم تجھے تاویلِ احادیث پر مطلع فرمائے گا۔ اس کو تاویل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مآل اور بازگشت کا غماز ہوتا ہے۔ اور روایاتِ عامہ میں ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا ایک حصہ ہے جیسا کہ ہم نے تفسیر کی دوسری جلد یا علی مدد کے عنوان میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔ بُرے خواب جو بالکل بے حقیقت ہوتے ہیں ان کو اضغاث احلام بھی کہا جاتا ہے اور رُویائے صادقہ کو الہام یا وحی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السّلام پر وحی کی ایک قسم رُویائے صادقہ بھی تھی۔

رکوع ۱۲

ایٰت۔ آیت کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے نشانیاں اور ہم نے مرادی ترجمہ کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت یوسف اور اس کے بھائیوں کے عجیب و غریب واقعات کا مطالعہ کرنے سے انسان کو جہاں عبرت حاصل ہوتی ہے وہاں کئی سبق بھی ملتے ہیں (۱) بھائیوں کی ایذا رسانی (۲) ان کے قتل کی تجویز (۳) از راہِ حسد اس کو کنوئیں میں ڈالنا (۴)

مُّبِيْنٌ ﴿٨﴾ اِقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ

پر ہے　یوسف کو قتل کر دیا اس کو کہیں دور چھوڑ آؤ تاکہ خالص ہو جائے تمہارے لئے باپ کی محبت　اور

وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴿٩﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا

اس کے بعد (توبہ کر کے) نیک لوگ بن جاؤ　ان میں سے ایک نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ

متمکن ہونے کے بعد حضرت یوسف کا اُن کو معاف کر دینا، احسان کرنا اور نہ جتلانا (۵) بحیثیت غلام کے فروخت ہونا۔ (۶) زلیخا کی گرفت سے نجات پانا (۷) قید و بند کی صعوبتیں دیکھنا (۸) دکھ کے بعد سکھ اور غلامی کے بعد تخت حکومت پر متمکن ہونا (۹) خواب کی عملی تصدیق (۱۰) حضرت رسالتمآبؐ کا تفصیل سے اس قصہ کو پیش کرنا حالانکہ ظاہری طور پر کسی سے پڑھا نہ تھا وغیرہ زیرک طبائع کے لئے عبرتیں اور نصیحتیں ہیں۔ نیز دنیا و دین کی فلاح و بہبود کے لئے اس میں ناقابل فراموش قیمتی سبق بھی ہیں۔

حضرت یوسف کے قصہ کی ابتدا

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت یوسف حسن میں یکتائے روزگار تھے۔ اور حضرت یعقوب کی ان سے بہت محبت تھی۔ نیز یوسف اور اس کا بھائی چونکہ دوسرے بھائیوں سے سن میں چھوٹے تھے بایں لئے بھی حضرت یعقوب ان دونوں کی نازبرداری زیادہ کرتے تھے۔ پس باقی بھائیوں کے دل میں ان کے متعلق حسد پیدا ہوا۔ اور جب حضرت یوسف نے اپنا خواب بیان کیا۔ اور بھائیوں تک وہ کسی ذریعہ سے پہنچا تو ان کے حسد کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑک اُٹھی۔ پس اُنہوں نے باپ کی محبوبیت حاصل کرنے کے لئے یوسف کو راستے سے ہٹانے کی تجویز پر غور کرنا شروع کر دیا۔

اِدھر زوالِ نعمت کا ظاہری سبب یہ ہوا۔ جیسا کہ ابو حمزہ ثمالی نے امام زین العابدین علیہ السّلام سے نقل کیا ہے کہ حضرت یعقوب کا دستور تھا ہر روز ایک دُنبہ ذبح کر کے اس کے گوشت میں سے صدقہ کرتے تھے۔ اور خود مع عیال بھی اس سے تناول فرمالیا کرتے تھے۔ اتفاق سے شبِ جمعہ ان کے دروازہ پر ایک مومن سائل پہنچا جو رہگذر مسافر اور روزہ دار بھی تھا۔ اُس نے دستک دے کر افطاری کے لئے سوال کیا۔ حضرت یعقوب اور اُن کے افراد کنبہ نے سنا تو اس کی بات پر باور نہ کیا۔ چنانچہ اسے کچھ بھی نہ دیا اور وہ مایوس ہو کر روتا ہوا خالی پلٹا اور خالی شکم اُس نے دوسرے دن پھر روزہ رکھ لیا۔ اُدھر حضرت یعقوبؑ اور اس کے خاندان نے شکم پری سے رات بسر کی۔ جب کہ ان کے ہاں کھانا بچا ہوا بھی موجود تھا۔ خدا کی جانب سے وحی ہوئی کہ امتحان کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور میری قضا پر راضی ہو کر مصائب کا مقابلہ صبر سے کرو۔ اور اسی رات حضرت یوسف نے خواب دیکھا جو بیان ہو چکا ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اس کے بعد ہر صبح کو آواز دیا کرتے تھے کہ روزہ دار ہر سویرے کی روٹی یعقوب کے ہاں کھائیں اور شام کو اعلان کرتے تھے کہ جس نے دن بھر روزہ رکھا ہو وہ یعقوب کے دستر خوان پر آکر کھانا کھائے۔

يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ

کرو اور اس کو کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو کوئی قافلہ اس کو اٹھا کر لے جائے گا اگر تم نے یہ کام

وضاحت: (۱) یوسف کے ساتھ یوسف کا سگا بھائی بن یامین بھی باقی بھائیوں کے حسد کا شکار تھا۔ چنانچہ لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ کی صراحت بتاتی ہے (۲) آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت یوسف کے بھائی خود اپنے باپ یعقوب کا محبوب بننا چاہتے تھے جس سے باپ کی نبوت پر ان کے ایمان اور عقیدت کا پتہ چلتا ہے (۳) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے حنان بن سدیر نے سوال کیا کہ اولاد حضرت یعقوب انبیاء تھے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ اسباط تھے اور دنیا سے توبہ کے بعد سعید ہو کر گئے (۴) محبت اور شہوت میں عام خاص من وجہ کا فرق ہے مثلاً بیٹے سے محبت ہوتی ہے شہوت نہیں ہوتی اور بیوی کی محبت میں شہوت بھی شریک ہوتی ہے اور بعض مقامات پر صرف شہوت ہی شہوت ہوتی ہے۔ اور محبت موجود نہیں ہوتی اور محبوب و مرغوب میں بھی یہی فرق ہے۔ (۵) عصبہ اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو ایک دوسرے سے خصوصی ارتباط رکھتے ہوں اور اس کا واحد کوئی نہیں۔ جیسے قوم قبیلہ وغیرہ کی لفظیں ہیں۔ اور اس کا اطلاق دس سے پندرہ تک ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک چالیس تک بھی جائز ہے (۶) حضرت یعقوب کے بیٹوں کا باپ کو ضلال کی طرف نسبت دینے کا مقصد دینی گمراہی نہیں ورنہ وہ اسلام سے خارج ہو جاتے حالانکہ ان کے مومن ہونے پر اتفاق ہے بلکہ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ فرطِ محبت کو انہوں نے ضلال سے تعبیر کیا ہے جس کا ترجمہ ان کی حاسدانہ روش کے ماتحت بے راہ روی یا غلطی سے کیا جا سکتا ہے (۷) پہلا مشورہ (کہ یوسف کو قتل کر دیا جائے یا کہیں دور کنوئیں میں ڈال دیا جائے جہاں سے باپ کی طرف واپس نہ آسکے) پیش کرنے والا شمعون اور بعض کے نزدیک روبیل تھا۔ اور دوسرا مشورہ (کہ قتل نہ کرو بلکہ کسی گہرے کنوئیں میں ڈال دو۔ کوئی قافلہ آئے گا تو اس کو وہاں سے نکال کر اپنے ہمراہ لے جائے گا جس سے اس کا واپس پلٹنا مشکل ہو جائے گا) پیش کرنے والا روبیل یا یہودا یا لاوی تھا۔ باختلافِ اقوالِ مفسرین (۸) اس کنوئیں کے محلِ وقوع کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں بیت المقدس کا کنواں مراد ہے۔ بعض کے نزدیک وہ اُردن کے علاقہ میں تھا۔ بعض کا قول ہے کہ مدین و مصر کے درمیان تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی جائے رہائش سے اس کا فاصلہ تین فرسخ تھا۔

لَا تَأْمَنَّا ۔ دراصل لَا تَأْمَنُنَا ہے۔ چونکہ دو حرف ایک جنس کے جمع ہو گئے ہیں۔ لہٰذا صرفی قاعدہ کے مطابق پہلے کو ساکن کر کے دوسرے میں ادغام کر دیا گیا۔ اور بعض قاریوں نے اس کو بغیر ادغام کے اپنے اصلی تلفظ کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا آپ کو یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد و وثوق نہیں ہے؟ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب پہلی مرتبہ حضرت یوسف کو ان کے ہمراہ بھیجنے پر رضامند نہیں ہوئے تھے۔

یَرْتَعْ ۔ مجمع البیان میں اس کی دو وجوہ لکھی ہیں۔ (۱) باب افتعال ارتعاء سے ہے اور اس کا فاعل ابل محذوف ہے۔ اس بنا پر اس کی جزم حذفِ آخر کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ امر کے جواب میں واقع ہے۔ لیکن عین کا سکون شاید یلعب کی مشاکلت

فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ

کرتا ہے کہنے لگے بابا جان! کیا بات ہے یوسف کے بارے میں آپ ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے

لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

خیر خواہ ہیں اس کو بھیجئے کل ہمارے ساتھ تاکہ سیر و تفریح کر لے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ

فرمایا میں غمزدہ ہوتا ہوں کہ تم اس کو ساتھ لے جاؤ اور ڈرتا ہوں مبادا اس کو بھیڑیا کھا جائے اور

کی وجہ سے ہے (۲) يَرْتَعْ يَرْتَعُ سے ہے اور رَتْعٌ کا معنی ہے فائدہ حاصل کرنا اور پالینا۔ اور تفسیر صافی میں رَتْعَۃٌ کا معنی سرسبزی و شادابی لکھا ہے۔ اور مُرادی ترجمہ یہ کیا ہے کہ اس کو ہمارے ساتھ بھیجئے۔ تاکہ پھل و میوہ جات کھائے اور يَلْعَبْ کا معنی ہے تفریح طبع جو چلنے پھرنے سے یا تیر اندازی سے حاصل ہو۔ چونکہ حضرت یوسف نبی تھے۔ لہٰذا لہو و لعب جو عامیانہ طریق کار ہے ان کی شان سے بعید ہے۔ اور حضرت یوسف کے بھائی اگرچہ ہمارے اعتقاد کی رُو سے نبی نہ تھے (اگرچہ بعض لوگ ان کو بھی نبی مانتے ہیں) تاہم وہ مومن تھے اور حضرت یعقوبؑ کے فرمانبردار تھے۔ لہٰذا بعید ہے کہ حضرت یوسف کو ساتھ لیجانے کے لئے یعقوب کے سامنے درخواست میں ایسا کلمہ پیش کریں جو منافی شانِ نبوت ہو۔ لہٰذا لعب سے مُراد ایسی تفریح ہے جو حدود شریعت کے اندر ہو۔ حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے ہر لعب حرام ہے۔ سوائے تین چیزوں کے (۱) تیر اندازی (۲) گھوڑ دوڑ (۳) اپنی منکوحہ کے ساتھ۔ بعض قاریوں نے غائب کی بجائے نون متکلّم کے ساتھ پڑھا ہے۔ نَرْتَعْ وَ نَلْعَبْ۔

بعض کہتے ہیں کہ اُس وقت حضرت یوسف کی عمر سترہ برس تھی۔ اور اسی برس کے بعد والد سے ملاقات ہوئی پھر تئیس برس کے بعد کل ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ نیز ۷ یا ۹ یا ۱۰ یا ۱۲ برس کی عمر میں باپ سے جدائی اور ۴۰ برس کے بعد ملاقات کی روایات بھی موجود ہیں۔

وَاَخَافُ: تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس علاقہ میں بھیڑیئے بکثرت تھے اور کہتے ہیں حضرت یعقوبؑ نے خواب میں دیکھا تھا کہ دس بھیڑیوں نے یوسف پر حملہ کیا اور دیکھا کہ ایک بھیڑیا ان میں سے حضرت یوسف کی طرفداری کرتا تھا۔ پس اچانک زمین پھٹی اور حضرت یوسف اس میں داخل ہو گئے۔ اور تین روز کے بعد وہاں سے نکلے۔ حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ کسی کو جھوٹا بہانہ نہ سکھاؤ۔ کیونکہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے اس سے پہلے یہ نہیں جانتے تھے کہ بھیڑیا انسان کو کھایا کرتا ہے پس باپ نے ان کو اس نکتے کی طرف متوجہ کیا (اور وقتِ ضرورت انہوں نے وہی بہانہ پیش کر دیا)

الذِّئْبُ۔ اس کا معنی ہے بھیڑیا۔ اس کی جمع اَذْؤُب۔ ذِئَاب اور ذُؤْبَان ہوتی ہے۔ اور اس کے بیشہ کو مَذْأَبَہ کہا

أَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿١٣﴾ قَالُوْا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ

تم اس سے غافل ہو کہنے لگے اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں تو

إِنَّا إِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿١٤﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَأَجْمَعُوْا أَنْ يَجْعَلُوْهُ فِيْ

تحقیق ایسی صورت میں ہم زیاں کار ہوں گے پس جب اس کو لے گئے اور ارادہ کر لیا کہ اس کو کنوئیں کی گہرائی میں

غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا

پھینک دیں اور ہم نے اس کو وحی کی کہ تو (وقت آنے پر) ان کو ان کے اس کرتوت سے ضرور آگاہ کریگا جب کہ

يَشْعُرُوْنَ ﴿١٥﴾ وَجَآءُوْا أَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾ قَالُوْا

وہ نہ جانتے ہونگے اور آئے باپ کے پاس رات کو روتے ہوئے کہنے لگے

جاتا ہے۔

اَجْمَعُوْا:۔ یعنی اتفاق آراء کے بعد پختہ ارادہ کر لیا۔ اجماع سے ہے۔

اَلْجُبّ:۔ الف ولام عہدِ خارجی کا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ کنواں ان کے نزدیک مشہور و معروف تھا۔ جہاں قافلے وارد ہوا کرتے تھے۔ اور بعض نے یہ الف ولام عہدِ ذہنی کا بتایا ہے کہ وہ کسی کنوئیں کی تلاش میں تھے جس کا پانی یوسف کو غرق نہ کر دے۔

قصہ:۔ بیٹوں کے اصرار سے مجبور ہو کر آخر کار حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسف کو اُن کے ہمراہ روانہ کر دیا اور بھائی اس کو نہایت اکرام کے ساتھ اپنے ہمراہ لے چلے۔ جب جنگل میں جا پہنچے تو ان کے حسد کی قلعی کھل گئی۔ اور پوشیدہ عداوت ہاتھ اور زبان سے ظاہر ہونے لگ گئی پس وہ مارتے جاتے تھے اور یوسف ہر ایک کو دُہائی دیتا اور فریاد کرتا تھا لیکن کوئی شنوائی نہ ہوتی تھی۔ پس وہ بابا بابا کر کے روتا تھا چنانچہ انہوں نے جب قتل کا ارادہ کیا تو لاوی نے روک دیا۔ جیسا کہ بروایت مجمع البیان آئمہ طاہرین علیہم السّلام سے منقول ہے۔

مروی ہے کہ بھائی آخر کار اس کو ایک کنوئیں کے کنارے پر لے آئے اور جب وہ اس کو اس میں لٹکاتے تھے تو وہ کنوئیں کے کنارے سے چمٹ جاتے تھے۔ بھائیوں نے یوسف کی قمیص اتار لی۔ اور وہ بار بار التجا کرتا تھا کہ مجھے برہنہ نہ چھوڑو اور مجھے اپنی قمیص واپس کر دو۔ اس کے جواب میں وہ کہتے تھے کہ چاند، سورج اور گیارہ ستاروں کو بلاؤ تاکہ تیرے ساتھ ہمدردی کریں پس انہوں نے کنوئیں میں لٹکا دیا جب نصف تک پہنچا تو انہوں نے چھوڑ دیا تاکہ چوٹ لگنے سے اس کا کام تمام ہو جائے لیکن چونکہ کنوئیں میں پانی تھا اس لئے چوٹ نہ لگی۔ پس وہ اُٹھ کر ایک بلند پتھر پر آ بیٹھے جو اس میں تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہودا اس کو وہیں کھانا پہنچا جایا

کرتا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت یُوسف کی برکت سے کنوئیں میں روشنی پیدا ہو گئی اور اس کا پانی میٹھا ہو گیا اور اس میں غذائیت پیدا ہو گئی۔ جس کی بدولت وہ دنیاوی اشیائے خوردنی و نوشیدنی سے بے نیاز ہو گئے۔ اس سے قبل وہ پانی گندہ اور ناقابل استعمال تھا۔ اب صاف و شفاف اور شیریں و خوش ذائقہ بن گیا۔ خداوند کریم نے ان کی حفاظت کے لئے ایک فرشتہ موکل کر دیا۔ بعض کہتے ہیں وہ جبریل تھا۔ اور پتھر بھی اسی وقت پانی کی تہ سے اُوپر اُبھر آیا جس پر حضرت یُوسف آ بیٹھے۔ جب کہ بدن پر قمیص نہ تھی۔

مجمع البیان میں بروایت مفضل بن عمر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جب خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا۔ تو ان کے بدن سے لباس اُتار لیا گیا تھا تو فوراً جبریل نے حریر جنّت سے ایک قمیص لا کر ان کو پہنا دی تھی اور بعد میں یہی قمیص آپ کے پاس موجود رہی۔ اور آپ کے بعد حضرت اسحٰق اس کے وارث ہوئے اور پھر حضرت یعقوب کے ورثہ میں پہنچی۔ جب حضرت یُوسف بڑے ہوئے تو حضرت یعقوب نے وہی قمیص ایک تعویذ میں بند کر کے یوسف کے گلے میں لٹکا دی جو ہر وقت موجود رہتی تھی۔ اب جو بھائیوں نے برہنہ کر کے کنوئیں میں ڈال دیا تو جبریل نے آ کر گلے کا تعویذ کھولا۔ اور وہی قمیص حضرت یُوسف کو پہنا دی۔ اور یہی قمیص ہے جس کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السّلام نے محسوس کی تھی جب کہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تھا اور آپ فلسطین میں تھے۔ فرمایا اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ ۔ الآیۃ۔ اسی کتاب میں بروایت سمع بن سیار حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جب بھائیوں نے یوسف کو کنوئیں میں ڈالا تو جبریل نے آ کر پوچھا تجھے کس نے یہاں پھینکا ہے؟ تو جواب دیا کہ باپ کی محبت کی وجہ سے بھائیوں نے حسد کر کے مجھے یہاں پھینکا ہے۔ جبریل نے کہا کیا تو کنوئیں سے نکلنا چاہتا ہے؟ فرمایا یہ بات ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کے پروردگار کی مشیّت کے تابع ہے تو جبریل نے کہا ابراہیم اسحٰق و یعقوب کا پروردگار فرماتا ہے کہ تم دُعا سے مجھے پکارو۔

جبریل کی تیز رفتاری

تفسیر برہان میں حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے آپ نے جبریل سے دریافت کیا کہ کبھی تجھے تھکان بھی ہوئی ہے تو عرض کی حضورؐ! تین مرتبہ ایسا ہوا ہے (۱) جب حضرت ابراہیم کو آتش نمرود میں پھینکا گیا تو خدا نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور میرے خلیل کی جلد خبر لو۔ مجھے اپنی عزّت و جلال کی قسم اگر وہ تیرے پہنچنے سے پہلے آگ میں چلا گیا تو فرشتوں کے دفتر سے تیرا نام کاٹ دوں گا۔ پس میں نے تعمیل کی اور ابھی تک آگ میں نہ پہنچنے پائے تھے کہ میں نے حاضر ہو کر عرض کی اے ابراہیم! کیا تیری کوئی حاجت ہے؟ تو کہنے لگے۔ اِلَی اللہِ فَنَعَمْ وَ اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا ۔ یعنی بے شک اللہ کی طرف تو مجھے حاجت ہے لیکن تجھ سے نہیں (۲) جب ابراہیمؑ کو اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل کے ذبح کا حکم ہوا اور انہوں نے چھری اُٹھائی تو مجھے حکم خداوندی ہوا کہ فوراً پہنچو۔ اور مجھے اپنی عزّت و جلال کی قسم اگر تیرے پہنچنے سے پہلے چھری اسمٰعیل کے حلق تک پہنچ گئی تو تیرا نام فرشتوں کے دفتر سے کاٹ دوں گا۔ پس میں فوراً پہنچا اور چھری کو الٹا کر دیا اور فدیہ لا کر چھری کے نیچے لٹا دیا (۳) جب یُوسف کو کنوئیں میں پھینکا گیا تو خدا نے مجھے وحی فرمائی کہ اے جبریل یوسف کی خبر لو۔ اور مجھے اپنی

عزت و جلال کی قسم اگر وہ تجھ سے پہلے کنوئیں کی تہ میں پہنچا تو تیرا نام فرشتوں کے دفتر سے کاٹ دوں گا۔ چنانچہ ابھی تک وہ تہ تک نہ پہنچنے پائے تھے کہ میں پہنچ گیا۔ اور صحیح وسالم اس کو کنوئیں میں پڑے ہوئے ایک پتھر پر بٹھا دیا۔ پس مجھے تھکان محسوس ہوئی۔ اس کنوئیں میں سانپ واژدہا رہتے تھے۔ جب اُنہوں نے دیکھا تو ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرو۔ کیونکہ آج ایک نبی کریم ہمارا مہمان ہے۔ پس وہ اپنی جگہ پر پابند رہے لیکن اژدہا ایذاء رسانی کے لئے آگے بڑھے۔ پس ایک ایسا دھماکہ آیا کہ اُن کے کان بند ہو گئے اور قیامت تک وہ ایسے رہیں گے۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے جب حضرت یُوسف کنوئیں میں موذی جانوروں سے مطمئن ہو کر آرام فرما ہوئے تو اپنے بھائیوں کو آواز دے کر کہا کہ ہر مرنے والے کو وصیّت کرنے کا حق ہوتا ہے پس میری چند وصیّتیں سن لو (۱) جب گھر پہنچنا تو میری تنہائی کو یاد کرنا (۲) جب اُن کی زندگی گذارنا تو میری وحشت کو نہ بھولنا (۳) جب طعام کھانا تو میری بھوک کو یاد میں لانا۔ (۴) جب پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کرنا (۵) جب کوئی جوان دیکھنا تو میری جوانی کو یاد کرنا۔ پس جبریل نے آکر کہا ان وصیّتوں کو چھوڑیئے اور پروردگار سے مناجات کیجئے۔ الخ۔ نیز مروی ہے کہ حضرت یعقوب نے یوسف کو بھائیوں کے ہمراہ روانہ کرنے سے قبل ان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ کے کلمہ طاہرہ کی دُہائی دے کر یُوسف کی سلامتی کا عہد لیا تھا۔ حضرت یُوسف کو جو امر پروردگار سے دُعا تعلیم کی گئی وہ یہ ہے۔

یُوسف کی کنوئیں کے اندر دُعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یَا ذَ الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اَنْ تَجْعَلَ لِیْ فِیْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا وَّ تَرْزُقَنِیْ مِنْ حَیْثُ اَحْتَسِبُ وَمِنْ حَیْثُ لَآ اَحْتَسِبُ۔	اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تو ہی حمد کا سزاوار ہے اور تیرے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں تو ہی آسمانوں و زمین کا خالق ہے اے جلال واکرام کے مالک محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما اور میرے لئے تنگی سے کشادگی اور اس قید و بند سے آزادی کی راہ پیدا کر اور مجھے رزق عطا کر جہاں سے مجھے توقع ہو اور جہاں سے توقع نہ ہو۔

مسمع بن سیار کی روایت میں ہے کہ:۔

آپ نے فرمایا پس حضرت یُوسف کی دُعا مقبول ہوئی خدا نے اس کو کنوئیں کی تنگی اور قید سے فوراً نجات بخشی اور اِسی دُعا کے صدقہ میں وہ عورت کی فریب کاری سے بچے اور اسی کی بدولت خدا نے ان کو مصر کی حکومت عطا فرمائی۔ جو ان کی توقعات سے بعید تھی۔ اور بروایت علی بن ابراہیم حضرت یُوسف قید چاہ میں عرض کرتے تھے۔ اے ابراہیم اسحٰق ویعقوب کے پروردگار! میری کمزوری، بے چارگی اور کم سنی پر رحم فرما۔

تفسیر صافی میں بروایت علل و عیاشی حضرت سجاد علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بھائی جب حضرت یوسف کو لے چلے ابھی کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ حضرت یعقوب تیزی سے پیچھے سے آملے اور یوسف کو ان سے لے کر ایک بار پھر سینے سے لگا لیا اور فرط محبت سے بہت روئے پھر اُن کے حوالہ کر دیا۔ چنانچہ اس دفعہ انہوں نے تیز رفتاری سے منزل کو طے کرنا شروع کر دیا مبادا پھر حضرت یعقوب پیچھے سے پہنچ کر ہم سے یوسف کو لے لیں۔ پس وہ درختوں کے ایک گھنے جنگل میں پہنچے اور وہاں اس کے ذبح کی تجویز کی تاکہ بھیڑیئے اس کے گوشت کو کھا جائیں۔ ان میں سے جو بزرگ تر تھا۔ اُس نے کہا۔ نہیں اس کو قتل نہ کرو۔ بلکہ اگر تم نے کرنا ہے تو اس کو کنوئیں میں پھینک دو۔ کوئی قافلہ اس کو وہاں سے نکال کر کہیں دُور لے جائے گا۔ پس اُنہوں نے ایسا ہی کیا اور روانہ ہونے لگے تو حضرت یوسف نے کنوئیں کے اندر سے آواز دی میرے بابا کو میرا سلام کہہ دینا۔ جب انہوں نے آواز سُنی تو آپس میں کہنے لگے کہ ہمیں یہاں سے نہیں جانا چاہیئے جب تک کہ اس کی موت کا یقین نہ ہو جائے۔ چنانچہ کافی دیر تک بیٹھے رہے اور آخر کار مایوس ہو کر واپس پلٹے۔ اور بروایت قمی جب اُنہوں نے کنوئیں میں پھینکنے کا ارادہ کیا تھا تو یوسف سے کہا تھا کہ قمیص اُتار دو۔ حضرت یوسف نے معذرت چاہی تو ایک بھائی نے چھُرا نکال کر قتل کی دھمکی دی اور زبردستی قمیص اُتار لی۔ پھر کنوئیں میں پھینک دیا۔ واپسی پر اُنہوں نے یہ طے کر لیا کہ یوسف کی قمیص کو کسی خون سے آلودہ کر لیا جائے تاکہ باپ کے سامنے ہمارے اس عُذر کی شنوائی ہو سکے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ لاوی نے کہا بھائیو! ابراہیم خلیل اللہ کے فرزند اسحٰق نبی اللہ تھے اور اس کے فرزند یعقوب اسرائیل اللہ ہیں۔ اور اس کی ہم اولاد ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ خدا نبیوں سے یہ بات چھپائے گا؟ حیرت میں آکر کہنے لگے پھر کونسا حیلہ تلاش کیا جائے؟ آخر سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اٹھو غسل کر لو۔ اور نماز با جماعت ادا کر کے گڑگڑا کر اللہ سے دعا مانگو وہ جواد و کریم ہے۔ شاید منظور کر لے اور ہمارا راز فاش نہ ہو۔ حضرت ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کی شریعت کا فیصلہ یہ تھا کہ گیارہ آدمیوں سے کم نماز با جماعت نہیں ہو سکتی تھی اور یہ دس تھے۔ جب غسل کر چکے اور صف باندھ کر کھڑے ہو گئے تو گیارہواں آدمی نہیں تھا جو فرائض امامت انجام دے۔ پس حیران تھے کہ لاوی نے کہا چلو اللہ ہی کو اپنا امام قرار دے لو۔ چنانچہ انہوں نے نماز ادا کی۔ اور نہایت گریہ و زاری سے اپنی رازداری کی خدا سے درخواست کی۔

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ ۔ تفسیر صافی میں ہے کہ خدا نے بچپنے میں حضرت یوسف کی طرف وحی کی جس طرح حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی طرف ہوئی تھی۔ اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ نبوت وہبی عہدہ ہے نہ کہ کسبی۔ کیونکہ بچپنے میں کسب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آیت مجیدہ کے لفظ تبلاتے ہیں کہ حضرت یوسف اس وقت نبی تھے۔ اور اَوۡحَیۡنَاۤ کی عہدہ نبوت پر دلالت التزامی ہے۔

لَتُنَبِّئَنَّهُمۡ : مضارع کا صیغہ ہے۔ اور نون تاکید اس پر داخل ہے۔ یعنی تمہارا بھائیوں کو ان افعال کے متعلق جتلانے کا وقت آئے گا جب کہ ان کو پتہ نہ ہوگا کہ تم ہی یوسف ہو۔ اس لفظ میں دو طرح کی پیشین گوئیاں موجود

يَآ أَبَانَآ إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ

بابا جان ہم (تیر اندازی کے) مقابلہ کے لئے گئے اور یوسف کو سامان کے پاس چھوڑا پس اس کو بھیڑئیے نے

الذِّئْبُ ۚ وَمَآ أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

کھا لیا اور آپ ہماری بات پر باور نہ کریں گے اگرچہ ہم سچ کہتے ہوں

ہیں۔ ایک یہ کہ تم گھبراؤ نہیں کہ عنقریب تم کو اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ اور دوسری یہ کہ مصائب کا دور گذرنے کے بعد تمہیں اقتدار حاصل ہوگا۔ اور یہی بھائی تمہارے در پر حاضر ہوں گے۔ اور تم ان کو گذشتہ امور کی خبر دو گے۔ چنانچہ زمانِ اقتدارِ یوسف میں وہ مصر پہنچے تو حضرت یوسف ان کو پہچان گئے لیکن وہ نہ جانتے تھے کہ آپ یوسف ہیں۔ پس حضرت یوسفؑ نے ایک کٹورے پر چٹکی ماری تو اس سے جھنکار کی آواز پیدا ہوئی۔ پس آپ نے فرمایا یہ کٹورا مجھے خبر دے رہا ہے کہ تمہارا ایک پدری بھائی تھا جس کو تم نے کنوئیں میں پھینکا تھا اور کھوٹے پیسوں میں بیچ ڈالا تھا۔

وَجَآءُوْا :۔ رات کے وقت تاریکی میں پلٹنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ آنکھوں کو شرم نہ آئے۔ بہانہ بنانے میں جھجک نہ رہے اور بناوٹی گریہ کی قلعی نہ کھلے۔ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہر رو کر بات کرنے والا ضروری نہیں کہ سچا ہو۔ بلکہ صداقت کا معیار اس سے جدا ہے۔

وَمَآ أَنْتَ :۔ چور کی ڈاڑھی میں تنکا کا مقولہ یہاں خوب منطبق ہو رہا ہے کہ اگرچہ ہم سچ کہیں تب بھی آپ ہماری باتوں پر باور تو کرتے نہیں ہیں۔ یہ الفاظ اپنے مقام پر خود ہی ان کی کذب بیانی کو ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہا کہ پہلے سے حضرت یعقوب حضرت یوسف کو ان کے ہمراہ بھیجنے پر راضی نہ تھے۔ اور یوسف کے بارے میں ان پر اعتماد نہ کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا حاسدانہ رویّہ آپ پر آشکار تھا۔

بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ:۔ کہتے ہیں ایک بکرا ذبح کر کے اس کا خون یوسف کی قمیص پر مل دیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ایک ہرن کے خون سے اس کو رنگین کر لائے۔ اور ان کو یہ خیال تک نہ تھا کہ بھیڑیا انسان کو پھاڑتا ہے تو اس کے لباس کو بھی وہ پھاڑ ڈالتا ہے۔ ورنہ حضرت یوسف کی قمیص کو بھی وہ پھاڑ ڈالتے۔ پس حضرت یعقوب نے ان سے قمیص طلب کی دیکھا کہ وہ تو بالکل صحیح وسالم ہے۔ فرمایا بیٹے! میں نے آج تک ایسا باحوصلہ درندہ نہیں دیکھا کہ اس نے میرے بیٹے کو تو کھا لیا لیکن اس کی قمیص کو ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یوسف کی قمیص کو آنکھوں پر لگا کر کہا۔ اے یوسف تجھے کسی رحم دل بھیڑیے نے کھایا ہے جس نے تیرا گوشت کھا لیا اور تیری قمیص کو گزند نہ پہنچایا۔ جب حضرت یوسف کے بھائیوں نے دیکھا کہ ہمارا یہ بہانا صحیح ثابت نہیں ہوا تو کہنے لگے نہیں بلکہ اس کو ڈاکوؤں نے قتل کر ڈالا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر ایسا ہوتا تو یوسف کی قمیص لے جاتے کیونکہ چور و ڈاکو مال کی خاطر ہی چوری یا ڈاکہ کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا یوسف کے قتل سے ان کے لئے

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ

اور اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لائے فرمایا (یہ بات نہیں) بلکہ زینت دی تمہارے لئے تمہارے نفسوں نے

اَمْرًاؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ

ایک بات پس صبر جمیل خوب ہے اور اللہ سے طلب مدد کرتا ہوں اس بات پر جو تم بیان کرتے ہو اور

جَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗؕ قَالَ يٰبُشْرٰى

ایک قافلہ آیا انہوں نے پانی لانے کے لئے ایک آدمی بھیجا اس نے ڈول لٹکایا تو حیرت سے کہنے لگے اے بشریٰ یہ تو

هٰذَا غُلٰمٌؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةًؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

لڑکا ہے اور انہوں نے اس کو چپکے سے اپنی پونجی بنا لیا اور خدا جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں

یوسف کی قمیص زیادہ بہتر و مناسب تھی۔ پس تمہارے نفسوں نے تمہیں دھوکہ میں ڈال کر ایک بات پر تمہیں آمادہ کر لیا ہے لہذا میرے لئے صبر کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔

سَوَّلَتْ :۔ تسویل سے ہے اس کے دو معنے کئے گئے ہیں (۱) نفس کا ایسی شئی کو مزیّن کر کے پیش کرنا جو درحقیقت اچھی نہ ہو۔ (۲) نفس کا ایک مطلب کو تصوّر کر کے اس کی تکمیل کا طمع کرنا۔

سَيَّارَةٌ :۔ کہتے ہیں یہ قافلہ مدین سے مصر کو جا رہا تھا کہ راستہ بھول کر اس طرف آ گئے۔ اور یہ کنواں آبادیوں سے کافی دُور تھا اور اس کا پانی نمکین تھا۔ چرواہے لوگ اس کو استعمال کیا کرتے تھے۔ اور بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لب سڑک تھا۔ بہر کیف قافلہ والوں نے پانی لانے کے لئے ایک آدمی بھیجا جس کا نام مالک بن زعر لکھا ہے۔

فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ :۔ اِدلا کا معنی ڈول لٹکانا ہے پس جب پانی کے لئے اس نے ڈول لٹکایا تو حضرت یوسف نے وہ رسّی پکڑ لی جب اس نے ڈول کھینچا تو ایک نہایت خوبصورت لڑکا اس میں بیٹھا ہوا پایا۔

يٰبُشْرٰى :۔ ایسے مقامات میں جب کہ منادی غیر ذوی العقول میں سے ہو۔ ندا مخاطبین کی تنبیہ اور قصہ کی عظمت کے لئے لائی جاتی ہے۔ پس یہاں بُشریٰ کو ندا حاضرین کو ملتفت کرنے اور واقعہ کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ کنوئیں سے ایک خوبصورت لڑکے کا نکل آنا ایک خوشخبری بلکہ انتہائی نیک بختی کی علامت ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ ڈول میں بیٹھے اور وہ بھارا معلوم ہوا۔ پس کھینچنے والے نے دیکھا تو لڑکے کو بیٹھا ہوا پایا۔ پس اپنے ایک ساتھی بشریٰ نامی کو پکار کر کہا یہ تو لڑکا بیٹھا ہے۔ لیکن پہلا قول قرین صحت ہے۔

اَسَرُّوْهُ :۔ یہ اسرار سے ہے جس کا معنی ہے پوشیدہ رکھنا۔ اس مقام پر اس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿۲۰﴾

اور بیچ دیا اس کو کھوٹے پیسوں میں جو چند درہم تھے اور اس معاملہ میں وہ پرہیز کرنے والے تھے

حضرت یوسف جن کے ہاتھ لگے تھے انہوں نے اس کو اپنے باقی رفقاء سے پوشیدہ کر لیا۔ پونجی کی حیثیت سے تاکہ وہ اس میں حصہ دار نہ بن سکیں۔ اور یہ ظاہر کیا کہ یہ لڑکا کنوئیں کے مالکوں کی ملکیت ہے اور انہوں نے ہمیں فروخت کرنے کے لئے دیا ہے۔ پس اس کے فروخت کرنے میں ہم ان کی طرف سے وکیل ہیں۔ اور دوسری یہ کہ اَسَرُّوْهُ کی فاعل کی ضمیر کا مرجع حضرت یوسف کے بھائی ہوں کہ انہوں نے دل میں حضرت یوسف کو اپنی پونجی قرار دے دیا۔ پس اس کا بھائی ہونا ظاہر نہ کیا بلکہ کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو ہم سے بھاگ کر یہاں آچھپا ہے اور عبرانی زبان میں یوسف سے کہا خبردار اگر تو نے ہمارا بھائی ہونا ظاہر کیا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے اور یہی دوسری توجیہ درست معلوم ہوتی ہے۔

بِثَمَنٍ بَخْسٍ۔ بخس کا معنی کھوٹا کم قیمت یا حرام کیونکہ آزاد کو بیچنا حرام ہے لہذا اس سے حاصل شدہ قیمت بھی حرام ہے۔

دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ۔ مروی ہے کہ بیس درہم تھے جو انہوں نے آپس میں دو دو کر کے بانٹ لئے۔ بعض روایات میں ۲۲۔ ۴۰ اور ۱۸ بھی منقول ہیں۔

وَشَرَوْهُ۔ بعض کہتے ہیں اس کا فاعل وہی لوگ ہیں جنہوں نے کنوئیں سے نکالا تھا۔ پس انہوں نے ہی بیچ دیا لیکن صحیح یہ ہے کہ جب کنوئیں سے حضرت یوسف کو مالک بن زعر نے نکالا تو یہودا دیکھ رہا تھا۔ پس اس نے بھائیوں کو اطلاع کر دی پس وہ آئے اور انہوں نے یوسف کو مالک بن زعر پر فروخت کر دیا۔ اور ابو حمزہ ثمالی کی تفسیر سے منقول ہے کہ مالک اور اس کے ساتھیوں نے اس سفر میں بہت خیر و برکت دیکھی۔ اور جب حضرت یوسف ان سے جدا ہوئے تو وہ برکات بھی ساتھ ساتھ رخصت ہو گئیں جو ان کے وجود سے معرض وجود میں آئی تھیں۔ پس مالک کے دل میں کشش پیدا ہوئی۔ اور حضرت یوسف کے پاس پہنچ کر نسب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میں یعقوب بن اسحق بن ابراہیم کا فرزند یوسف ہوں۔ پس مالک نے ان کو گلے سے لگا لیا۔ اور بہت رویا چونکہ بے اولاد تھا۔ اس نے حضرت یوسف سے دعا کی خواہش کی۔ اور حضرت یوسف نے اس کے لئے اولادِ نرینہ کی دعا کی۔ پس خدا نے قبول فرمائی۔ اور وہ صاحب اولاد ہوا۔

تفسیر صافی میں بروایت علل و عیاشی حضرت سجاد علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت یوسف کے بھائی یوسف کو کنوئیں میں ڈال کر چلے گئے۔ اور دوسرے دن واپس آئے تاکہ معلوم کریں کہ یوسف مر چکا ہے یا زندہ ہے۔ پس یہاں پہنچے تو قافلہ کو فروکش دیکھا۔ جب یوسف کنوئیں سے نکلے تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو کنوئیں میں کل گر گیا تھا اب ہم اس کو نکالنے کے لئے آئے ہیں۔ پس ان سے لے لیا اور بعد میں بیچ دیا۔

مِنَ الزَّاهِدِيْنَ۔ اس کے معنی میں تین وجوہ ہیں۔ پہلی یہ کہ جن لوگوں نے خریدا تھا وہ دل سے نہ چاہتے تھے کیونکہ وہ حضرت یوسف میں آزادوں، شریفوں اور بلند خصلت لوگوں کی سی عادات و اطوار ملاحظہ کر چکے تھے۔ لہذا ڈرتے تھے کہ کہیں آزاد کو

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ

اور اہل مصر میں سے جس نے اس کو خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کی ضیافت اچھی کرو کہ شاید یہ

اپنا غلام بنا کر سرزنش کے حقدار نہ بن جائیں۔ دُوسری یہ کہ خریدنے والے حضرت یُوسف کے معاملہ میں پرہیزگار تھے کہ نیت بد سے خریدنہ کیا تھا بلکہ نفع خوری کی خواہش ان کے دل میں تھی۔ تیسری یہ کہ بیچنے والے یعنی حضرت یوسف کے بھائی دل سے اس کو بیچنا نہیں چاہتے تھے۔ اور نہ ان کو اس قیمت میں کوئی طمع تھا۔ صرف وہ اس کی باپ سے جدائی کے ہی خواہش مند تھے۔

رکوع ۱۳

قصہ۔ پس مالک بن زعر حضرت یوسف کو خرید کر روانہ ہوا۔ اور طے مسافت کے بعد مصر میں وارد ہوا۔ بروایت علل حضرت سجاد علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت یعقوب کے گھر سے مصر بارہ دن کا راستہ تھا۔ اور بروایت کافی امام صادق علیہ السّلام سے اٹھارہ دن کی مسافت منقول ہے۔ اور مروی ہے کہ حضرت یعقوب نے خوشخبری سُننے کے بعد یہ مسافت نو دن میں طے کی تھی۔

اس زمانہ میں مصر کا بادشاہ ریان بن ولید تھا جو قوم عمالقہ سے تھا۔ یہ شخص حضرت یُوسف پر ایمان لا کر فوت ہُوا۔ اس کے بعد عنانِ حکومت قابوس بن مصعب نے سنبھالی جو کافر تھا اور حضرت یُوسف کی دعوتِ اسلام کو اُس نے قبول نہ کیا۔ اس زمانہ میں مصر کے شہنشاہ کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا اور وزیرِ اعظم خزانچی اور سالارِ فوج کا عہدہ ایک شخص کے سپرد ہوا کرتا تھا جس کو عزیز کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور یہ لقب دوسروں کے لئے ممنوع تھا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی دوسرا آدمی اپنا نام عزیز رکھتا تو اس کی بطور سزا کے زبان کاٹ دی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں عزیز مصر قطفیر یا اطفیر نامی ایک شخص تھا جو نامرد تھا اور اس کی عورت کا نام راعیل تھا جو زلیخا کے لقب سے مشہور تھی۔

مصر میں پہنچتے ہی حضرت یُوسف کے حسن کا چرچا ہو گیا۔ بازار میں خریداری کے لئے لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ لوگ حسنِ یوسف کے دیدار کے لئے جوق در جوق جمع ہُوئے تھے۔ اور ایک دُوسرے سے بڑھ چڑھ کر قیمت میں اضافہ کرتے جاتے تھے۔ اور ہر خریدار اپنی موجودہ پُونجی کو یوسف کی قیمت میں ادا کرنے کے لئے بے قرار تھا۔ پس قیمت بڑھتے بڑھتے عام خریداروں کی استطاعت سے اُوپر چلی گئی۔ اور طے پایا کہ حضرت یوسف کی قیمت اس کے وزن کے برابر سونا اور مسک ہو گا۔ عزیز مصر کے ہاتھ میں چونکہ شاہی خزانہ کی کنجیاں تھیں۔ پس اُس نے مالک بن زُعر سے اسی متعیّنہ قیمت پر خرید لیا۔ اور اپنی عورت سے سفارش کی کہ اس کے طعام و قیام کا خاص خیال رکھے۔ چونکہ حضرت یُوسف کے چہرہ کا جمال اور اس کی عقل و فراست کا جلال عزیز مصر کو مسحور کر چکا تھا۔ اس لئے وہ حضرت یُوسف کی خریداری کو گھاٹے کا سودا نہ سمجھتا تھا بلکہ فروخت کی صورت میں ظاہری نفع کا اُمیدوار تھا۔ اور بصُورتِ دیگر اس کو اپنا متبنّیٰ بنا کر اپنا وارث بنانے کے لئے بھی تیار تھا اس لئے اپنی عورت کو واشگاف الفاظ میں ہدایت کی کہ اس کی خدمت میں کوئی فروگذاشت نہ ہو کیونکہ یا تو ہم اس سے فائدہ اٹھائینگے

اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوۡسُفَ فِى الۡاَرۡضِ

ہمیں نفع دے یا اس کو ہم اپنا بیٹا بنا لیں اور اسی طرح ہم نے اقتدار دیا یوسف کو زمین میں

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمۡرِهٖ وَلٰـكِنَّ

اور تاکہ ہم اس کو خوابوں کی تعبیر کا علم دیں اور خدا غالب ہے اُس (یوسف) کے معاملہ میں لیکن

اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا وَّعِلۡمًا ؕ

اکثر لوگ نہیں جانتے اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے اس کو نبوّت و علم عطا کیا

اور یا اس کو اپنا بیٹا بنا لیں گے۔ لیکن عورت نے عزیزِ مصر کی ساری اُمنگوں پر پانی پھیر دیا۔ جب حضرت یوسف جوان ہوئے تو وہ اس پر عاشق ہوگئی جس کا نتیجہ حضرت یُوسف کی قید کے رنگ میں ظاہر ہُوا۔ اور مروی ہے کہ حضرت یُوسف کے حُسن کا یہ عالم تھا کہ مرد یا عورت جو بھی ایک دفعہ دیکھ لیتا اس کے دل میں ان کی محبّت گھر کر لیتی تھی۔

كَذٰلِكَ :- یعنی جس طرح ہم نے یُوسف پر کنوئیں کی قید سے آزادی کی نعمت بھیجی۔ اسی طرح ہم نے یُوسف کو کرسیٔ اقتدار بھی عطا کی۔

لِنُعَلِّمَهٗ :- عبارت کی تقدیر یہ ہے دَبَّرۡنَا ذٰلِكَ لِنُمَكِّنَهٗ وَلِنُعَلِّمَهٗ ۔ یعنی ہم نے یہ تدبیر کی تاکہ ہم اس کو اقتدار بخشیں اور خوابوں کی تعبیر کا اس کو علم عطا کریں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت یُوسف قبل ازیں علم سے کورے تھے۔ کیونکہ نبی کو کسی زمانہ میں بھی جاہل نہیں کہا جا سکتا بلکہ خداوند کریم استعداد پہلے عطا فرما دیتا ہے۔ اور حسب موقعہ اظہار کی توفیق تدریجاً عطا کرتا رہتا ہے۔ اور اسی بنا پر اپنے حبیب کو فرمایا۔ قُلۡ رَبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا ۔ اے پروردگار میرے علم میں زیادتی عطا کر۔

غَالِبٌ عَلٰٓى اَمۡرِهٖ ۔ ضمیر غائب کا مرجع یُوسف ہے۔ یعنی خدا حضرت یُوسف کے معاملہ میں غالب ہے کہ بھائیوں نے اس کے گرانے اور ذلیل کرنے کی ہر ممکن تجویز کی لیکن خدا نے ان کی تمام تجاویز کو فیل کر دیا۔ اور اس کی ہر طرح سے حفاظت و صیانت کر کے اُس کے لئے اقتدار کی راہیں ہموار کر دیں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ خدا اپنے معاملات پر غالب ہے۔ اس کی تدبیر و تجویز کو کوئی بھی رد نہیں کر سکتا۔

اَشُدَّهٗ :- جمع کا وزن ہے اور اس کا واحد کوئی نہیں۔ اور بعض نے شَدٌّ کو اس کا واحد لکھا ہے۔ معنی یہ ہے کہ جب حضرت یوسف اپنی طاقتوں اور توانائیوں کی حد پر پہنچے۔ اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اس سے مُراد ۱۸ برس کی عمر سے لے کر تیس برس کی عمر تک کا زمانہ ہے۔ اور بعض نے چالیس برس تک اور بعض نے ساٹھ برس تک کہا ہے۔

حُكۡمًا وَّعِلۡمًا ۔ حکم سے مُراد نبوّت اور علم سے مراد شریعت ہے (یعنی ہم نے اس کو اعلانِ نبوت و اظہارِ شریعت پر مامور کیا) بعضوں نے حکم سے مُراد دعوتِ اسلام اور علم سے مُراد اُمورِ شریعت کی وضاحت لی ہے۔ اسی بنا پر اہلِ علم کی مخصوص

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ

اور اسی طرح ہم محسن لوگوں کو بدلہ دیتے ہیں ۔ اور خواہش کا مطالبہ کیا اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا

نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ

اسکے نفس کے متعلق اور دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی آجاؤ اس کام کے لئے جو تیرے لئے ہے فرمایا اللہ کی پناہ تحقیق وہ میرا مالک ہے

اصطلاح میں حقیقتِ دینیہ کا اطلاق اصولِ دین کے مطالب پر ہوتا ہے اور حقیقتِ شرعیہ کا اطلاق علمِ فقہ کے مقاصد پر ہوتا ہے۔

آیت مجیدہ میں بھی حکم سے مُراد دین کی دعوت ہے جس کا تعلق اصول سے ہے اور علم سے مُراد اُمورِ شرعیہ فرعیہ کی وضاحت ہے جس کا تعلق فقہ سے ہے۔ اور کہتے ہیں کہ عزیزِ مصر کے پاس جس قدر مقدمات سماعت کے لئے پیش ہوتے تھے اُن کے فیصلے حضرت یوسف ہی کیا کرتے تھے۔

رَاوَدَتْهُ:۔ اس کا مجرد رَادَ یَرُوْدُ ہے جس کا معنی ہے طلب کرنا اس مقام پر باب مفاعلہ شدّت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے یعنی اس عورت نے حضرت یوسف سے خواہشِ نفسی کا پُر زور مطالبہ کیا۔

هَيْتَ :۔ اسمائے افعال میں سے امر کے معنی میں ہے یعنی آ۔ اور فصیح یہ ہے کہ ھاء کا فتحہ یاء ساکن اور بعد میں تاء مفتوحہ سے پڑھا جائے اور اس کو هِيْتَ هَيْتَ اور هَيْتِ کے تلفظ سے بھی پڑھا گیا ہے اور بعضوں نے هِئْتُ لَكَ اجوف یائی اور مہموز اللام کے باب سے پڑھا ہے بمعنی تَهَيَّأْتُ لَكَ یعنی میں تیرے لئے تیار ہوں۔

اِنَّهٗ رَبِّيْ ۔ ضمیرِ غائب کا مرجع قطفیر یعنی عزیزِ مصر ہے۔ مقصد یہ کہ وہ میرا ظاہری لحاظ سے مالک ہے کیونکہ اُس نے مجھے خریدا ہے۔ نیز اُس نے میری تربیت اور حسنِ سلوک میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ لہٰذا میں اس کے حق میں خیانت ہرگز نہیں کرونگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیرِ غائب کا مرجع اللہ سبحانہ کو قرار دیا جائے۔ مقصد یہ کہ وہ میرا پروردگار ہے جس نے میرے اُوپر احسانات کی بارش کی۔ بھائیوں کے تشدد سے نجات دی۔ اور عہدۂ نبوت پر بھی فائز کیا۔ اور پھر طعام و قیام کے لئے اچھے اسباب مہیا فرمائے۔ لہٰذا اس کی نافرمانی کر کے میں اس ظلم کا ارتکاب ہرگز نہ کروں گا۔ اور یہ آیت صاف طور پر حضرت یوسف کی عصمت کا اعلان کر رہی ہے۔ اور یہ کہ حضرت یوسف کے نزدیک یہ فعل ناقابلِ بخشش ظلم تھا۔ جبھی تو فرمایا کہ ظلم کرنے والوں کو چھٹکارا نہیں ملے گا۔ اور اَفْلَحَ يُفْلِحُ اگرچہ باب افعال ہے لیکن اس کے معنی میں تعدیہ نہیں۔

عصمت یوسفؑ

شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین معصوم ہوا کرتے ہیں۔ اور ابتدائے عمر سے لے کر آخر عمر تک ان سے گناہِ کبیرہ و صغیرہ سرزد نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ عہدہ ہمارے نزدیک کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ اور ناممکن ہے کہ خدا کسی غلط کار و گنہگار کو باقی اُمت کی اصلاح کے لئے عہدہ نبوّت عطا کر کے بھیجے۔ ہم نبوّت کے عہدہ وہبی ہونے

أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُونَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ

جس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا ہے تحقیق ظالم لوگ چھٹکارا نہیں پائیں گے　اور تحقیق اس عورت نے بدارادہ کیا اور وہ بھی

بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ

بدارادہ کرتے اگر اپنے پروردگار کی جانب سے انہوں نے برہان نہ دیکھی ہوتی اور اسی طرح تاکہ دور کریں ہم اس سے خیانت اور بدکاری کو

ہونے پر اور عصمتِ انبیاء پر مدلّل و مبرہن طریقے سے اچھوتے انداز میں اپنی تازہ تصنیف "لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار" میں واضح بیان سپردِ قرطاس کرچکے ہیں جو صرف شیعی عقائد کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ قارئین کرام عقائد کی صحت کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔ نیز اسی تفسیر کے مختلف مقامات پر خصوصاً مقدمہ تفسیر میں ایک خاص عنوان کے ماتحت عصمتِ انبیاء پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔ اور حضرت یوسف چونکہ عہدۂ نبوت پر فائز تھے لہذا عقلی و نقلی دلیلوں سے ان کا معصوم ہونا ثابت ہے۔ اور آیت مجیدہ کے آخر میں اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ کا جملہ اس مطلب پر نصِ صریح ہے پس اگر کسی مقام پر کوئی لفظ ظاہری طور پر اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہو تو عقلاً اس کی تاویل واجب ہے اور ہم چونکہ گناہان کبائر و صغائر سے ان کی پاکدامنی کے قائل ہیں۔ لہذا آیت مجیدہ کے الفاظ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا کی توجیہ دو طریقوں سے کرتے ہیں۔

۱۔ وہی جو تحت اللفظی ترجمہ سے ظاہر ہے کہ زلیخا نے یوسف کے ساتھ بدارادہ کیا۔ اور اگر اللہ کی جانب سے یوسف نبی نہ ہوتے۔ اس کا فضل خاص اور احسان اُن پر نہ ہوتا اور پروردگار کی جانب سے برہان نہ مل چکی ہوتی تو ان کے قدم بھی ڈگمگا جاتے۔ اور وہی ارادہ کر بیٹھتے جو زلیخا چاہتی تھی۔ لیکن چونکہ ان پر اللہ کا احسان عمیم و فضل جسیم تھا۔ کیونکہ عہدۂ نبوت پر فائز المرام تھے پس فعل بد کا ارادہ اُن سے نہ ہوا۔

(۲) پہلے فقرہ کا معنی اپنے ظاہر پر ہے کہ اس عورت نے یوسف کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کیا اور اس کے قرائن بہت سے ہیں۔

۱۔ وہ غیر معصومہ تھی لہذا اس سے بُرائی کا ارادہ غیر متوقع نہیں تھا۔

۲۔ آیت ع ۲۳ کی دلالت واضح ہے کہ اُس نے یوسف سے خواہشِ نفسی کی تکمیل کے لئے پُرزور مطالبہ کیا اور دروازے بند کر ڈالے۔

۳۔ آیت آئندہ ع ۳۰ میں شہر کی عورتوں کی تصریح موجود ہے کہ انہوں نے زلیخا کے بدارادہ پر اسکی ملامت کی۔

۴۔ آیت ع ۵۱ میں زلیخا کا اعتراف اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ الخ کہ حق ظاہر ہوگیا ہے۔ اور میں نے ہی اس کو خواہشِ نفسی کی دعوت دی تھی۔

۵۔ تمام مفسّرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اُس نے بُرا ارادہ کیا تھا۔

۶۔ بچے کی شہادت سے بھی ظاہر ہے کہ وہ خطا کار تھی۔

یہ چھ قرینے اس امر پر ہیں کہ عورت نے خواہش بد کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اب رہا دوسرا فقرہ هَمَّ بِهَا (یوسف نے ارادہ کیا) تو دلائل عصمت نبوت بالعموم اور مقامی قرائن بالخصوص اس امر پر شاہد ہیں کہ یہاں ظاہری معنی مراد نہیں ہے بلکہ مضاف محذوف ہے یعنی هَمَّ بِضَرْبِهَا کہ عورت نے برائی کا ارادہ کیا اور یوسف نے اس کو مارنے اور دفع کرنے کا ارادہ کیا۔ لَوْلَا اَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ یعنی اگر وہ پروردگار کی جانب سے برہان نہ دیکھتے تو اس کو مارنے پیٹنے لگ جاتے جس کا نتیجہ دو میں سے ایک ضرور ہوتا یا تو جذبۂ انتقام میں اٹھ کر زلیخا کے رشتہ دار اس کی ہتک عزت کرتے یا مار ڈالتے اور یا یہ کہ زلیخا کو اپنی پاک دامنی کی سند مل جاتی چنانچہ وہ یہ دعوےٰ دائر کر دیتی کہ مجھے یوسف نے غلط کاری کی دعوت دی ہے اور میں نے چونکہ انکار کیا ہے لہٰذا اس نے مجھے زد و کوب کیا ہے۔ بس ایسی صورت میں یوسف کو اپنی پاکدامنی کا ثابت کرنا مشکل ہو جاتا۔ بس تائید ایزدی کی بدولت ان ہر دو نتائج سے محفوظ رہے۔ یعنی قتل یا ہتک عزت سے بھی بچ گئے اور اتہام و بہتان سے بھی گلو خلاصی ہو گئی اور اس بنا پر لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ میں سوء سے مراد قتل اور فحشا سے مراد تہمت ہو سکتی ہے۔ اور وہ قرائن ظاہر یہ جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت یوسف نے بُرائی کا ارادہ نہیں کیا تھا وہ یہ ہیں۔

(۱) گذشتہ آیت ع۲۳ میں ان کا معاذ اللہ کہنا اور یہ کہ مالک کے حق میں خیانت ظلم ہے۔ اور ظالم کی فلاح نہیں ہے اُن کے ارادۂ صالحہ کی دلیل ہے۔

۲۔ آیت ع۳۲ میں زلیخا کا اپنا اعتراف ہے کہ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ۔ یعنی میں نے اس کو اپنی طرف دعوت دی اور وہ محفوظ رہا۔

۳۔ بچے کا گواہی دے کہ حضرت یوسف کو اپنے دعوٰی میں صادق کہنا۔

۴۔ عزیز مصر کا خود اپنی عورت کو ڈانٹ کر کہنا اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ تحقیق یہ تمہارا مکر ہے۔ آیت نمبر ۲۸ اور پھر آیت نمبر ۲۹ میں یوسف سے معذرت کرنا کہ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ یعنی اس بات کا تذکرہ چھوڑ دیجئے۔ اور عورت کو کہنا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اور اپنی غلطی کی معافی مانگ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ۔ تحقیق تو ہی غلط کار ہے۔

۵۔ آیت نمبر ۵۱ میں عورتوں کا کہنا مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ہم نے اس پر بُرائی کا داغ نہیں دیکھا اور زلیخا کا کہنا کہ اب حق ظاہر ہو گیا ہے۔ میں نے ہی اس کو اپنی طرف بلایا تھا۔ اور وہ یقیناً سچا تھا۔

۶۔ خداوند کریم کا تصدیق کرنا اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ۔ کہ تحقیق وہ ہمارے برگزیدہ بندوں سے تھا۔

یہ سب قرائن وجوب عصمت انبیاء کے علاوہ ہیں جو اس معاملہ میں حضرت یوسف کی پاکدامنی کی شہادت دے رہے ہیں۔ بنا بریں جن لوگوں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ حضرت یوسف نے بھی ارادہ بد کیا تھا انہوں نے نبوت کے وقار پر ضرب کاری

لگائی ہے۔ اور نبی پر اتہام تراشی کر کے عہدۂ نبوّت کو بچوں کا ایک کھیل سمجھا ہے۔ اور یہ سب قرآن کو نہ سمجھنے بلکہ نہ سمجھ سکنے کے نتائج ہیں سے ہے۔ پس ہمارے بیان سے صاف واضح ہوا کہ حضرت یوسف اس اور اس قسم کی جملہ آلائشوں سے پاک و منزّہ تھے۔ ہاں اگر اس مبرہن اور مدلّل فیصلے کے بعد اگر کوئی روایت اس کے خلاف پائی جائے تو اس کی تاویل کر لی جائے گی ورنہ اُسے منافیٔ عقل و نقل قرار دے کر ردّ کیا جائے گا کیونکہ عقائد حقہ اور اُصولِ ضروریہ کے مقابلہ میں روایات احاد کا کوئی مقام نہیں ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت مجالس امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جب کہ آپ نے ایک شخص کو تسلّی و تسکین کے لئے فرمایا کہ لوگوں کی رضا حاصل نہیں کی جاسکتی اور لوگوں کی زبان پر پہرہ بھی نہیں بٹھایا جاسکتا۔ پس ایسے لوگوں کی نیش زنی سے تم کیسے بچو گے جن کی زبان درازیوں اور بہتان تراشیوں سے اللہ کے نبی و رسول نہیں بچ سکے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ لوگوں نے حضرت یوسفؑ کے دامن کو بھی تہمتِ زنا کے کیچڑ سے ملوث کیا؟

بروایت عیون الاخبار حضرت امام رضا علیہ السلام سے مامون نے عصمتِ انبیا کے بارے میں سوال کیا اور اس آیت مجیدہ کی تفسیر پوچھی لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ آپ نے فرمایا کہ وہ معصوم تھے اور معصوم نہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور نہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور مجھے اپنے باپ نے خبر دی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام اس کی تفسیر اس طرح کرتے تھے۔ زلیخا نے فعلِ بد کا ارادہ کیا اور یوسف نے اس کے نہ کرنے کا عزم کیا۔ هَمَّ بِهَا کا معنی ہے هَمَّ بِاَنْ لَا يَفْعَلَهَا اور دوسری روایت میں ہے عورت نے معصیت کا ارادہ کیا اور حضرت یوسف نے اُس کے قتل کا ارادہ کیا اگرچہ وہ باز نہ آئی۔ پس خدا نے حضرت یوسفؑ سے اس کے قتل اور زنا کو پھیر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسف کو بُرائی کی طرف دعوت دی تو گھر میں رکھے ہوئے بتوں پر اُس نے چادر ڈال دی۔ حضرت یوسف نے وجہ پوچھی تو اُس نے بتایا کہ مجھے اس بُت سے حیا آتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ تجھے ایسے بُت سے حیا مانع ہے جو نہ دیکھتا ہے نہ سُنتا ہے اور نہ کسی کے نفع و نقصان کا مالک ہے تو مجھے بھی اس مالک سے حیا آتی ہے جو دیکھتا ہے اور سُنتا ہے اور ہر نفع و نقصان کا مالک ہے۔

علامہ محسن فیض کاشانی اعلی اللہ مقامہ نے تفسیر صافی میں عصمت حضرت یوسف پر جو ایک مختصر نوٹ لکھا ہے نہایت جامع اور متین ہے۔ اُسے افادہ کے لئے نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ○ وہ فرماتے ہیں۔ عامّہ کو خدا رسوا کرے انہوں نے حضرت یوسفؑ کی طرف اس مقام پر ایسی باتیں منسوب کی ہیں اور ایسی روایات بنا کر پیش کی ہیں جن کو نقل کرنا مومن کی شان سے بعید ہے چہ جائیکہ ان کو عقیدہ کی اساس قرار دیا جائے۔ اور اس بارے میں جو بہترین اور فیصلہ کن قول ہے وہ یہ ہے کہ یوسف کے واقعہ کا جن جن افراد سے تعلّق ہے وہ یہ ہیں (۱) خود یوسف (۲) زلیخا (۳) زلیخا کا شوہر عزیز مصر (۴) شہر کی عورتیں جن کو زلیخا نے دعوت دیکر بلایا (۵) گواہ (۶) خود ذات پروردگار (۷) ابلیس۔

اور ان سات افراد میں سے ہر ایک یوسفؑ کی عصمت برأت اور پاکدامنی کا قائل ہے ۔
(۱) حضرت یوسفؑ کا صاف اعلان ہے هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي (اُس عورت نے ہی میری طرف بُرا اقدام کیا ہے) رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ ۔ اے پروردگار مجھے قید محبوب ہے اس سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں (نیز اس سے قبل یوسف کا قول گذر چکا ہے ۔ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ یعنی پناہ بخدا تحقیق وہ میرا رب ہے جس نے مجھے اچھا ٹھکانا عطا فرمایا تحقیق ظالم لوگوں کے لئے فلاح و رستگاری نہیں ہے) یہ اعلانات حضرت یوسف کی برأت کا اپنی طرف سے بانگ دہل اعلان کی حیثیت رکھتے ہیں (۲) آیت نمبر ۳۲ اور ۵۱ میں زلیخا کا اعتراف ہے کہ میں نے ہی یوسف کو فعل بد کی دعوت دی لیکن وہ محفوظ رہے (۳) آیت نمبر ۲۸ میں عزیز مصر کا صاف اعتراف ہے کہ عورتوں سے مخاطب ہو کر اس نے کہا اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ تحقیق یہ تمہارا مکر و فریب ہے اور تمہارا مکر بہت بڑا ہے ۔ اور عورت سے کہا کہ اپنے گناہ کی معافی مانگ تحقیق تو ہی خطا کار ہے (۴) شہر کی مدعوہ عورتوں نے بھی صاف لفظوں میں کہا مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ (ہم نے یوسف کے دامن پر بُرائی کا داغ نہیں دیکھا) اور زلیخا کے متعلق اُن کے الفاظ یہ ہیں اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (ہم اس کو صاف اور واضح گمراہی میں دیکھتے ہیں (۵) گواہ نے صاف طور پر کہا کہ اگر حضرت یوسف کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہے تو عورت سچی اور یوسف جھوٹا ہے لیکن اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت جھوٹی اور حضرت یوسف سچے ہیں اور نام لے کر حضرت یوسف کی پاکدامنی کی گواہی سے اس انداز میں گواہی دینا زیادہ موثر ہے کیونکہ اس میں دعوٰی دلیل کے ساتھ موجود ہے جو نفوس کے لئے زیادہ قابل قبول ہے (۶) اللہ کا صاف اعلان ہے لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (تاکہ ہم اس سے خیانت اور بدکاری کو دُور رکھیں تحقیق وہ ہمارے مخلص بندوں سے تھا (۷) ابلیس کا ایک مقام پر صاف اعلان ہے لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (یعنی میں اولادِ آدم کو ضرور گمراہ کروں گا لیکن تیرے مخلص بندے (میرے دام سے بچ جائیں گے) گویا اس نے اعتراف کیا کہ اللہ کے مخلص بندوں کو میں گمراہ نہیں کر سکتا اور خدا نے اعلان فرمایا ہے اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۔ تحقیق یوسف ہمارا مخلص بندہ ہے تو صغرٰی و کبرٰی کو ملا کر نتیجہ یہی نکلا کہ ابلیس یوسف کی پاکدامنی اور پاکبازی کا معترف ہے ۔ جیسا کہ دلالت التزامی سے صاف واضح ہے ۔ یہاں پہنچ کر یوسف کے دامن عصمت پر بُرائی کا کیچڑ اچھالنے والوں سے ہم دو ٹوک بات کرتے ہیں کہ اوّلاً تو واقعہ سے متعلّق افراد سب کے سب جب یوسف کی عصمت کے موید و معترف و معلن ہیں تو عقل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اسی پر اکتفا کر کے مزید ثبوت طلب کرنے سے گریزاں ہو کر عصمتِ یوسف پر ایمان کو استوار کر لو ۔ اور ثانیاً یہ کہ اگر اللہ کو خوش کرنا ہے تو اللہ کی بات مان لو کہ وہ مخلص تھے ۔ اور اگر شیطان کی اتباع کرنی ہے تو شیطان کی بات مان لو کہ وہ پاکدامن تھے ۔ انتہٰی ۔

تعجب کی بات ہے کہ جس کو اللہ بھی مخلص کہے اور ابلیس بھی پاکدامن سمجھے لیکن باایں ہمہ اسلام کا دعوٰی کرنے والے ایک

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ

تحقیق وہ ہمارے برگزیدہ بندوں سے تھا اور دروازے کی طرف بڑھے اور پھاڑ دی (زلیخا نے) اسکی قمیص پیچھے

دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ

سے اور دونوں نے اُس (زلیخا) کے شوہر کو دروازہ پر موجود پایا کہنے لگی جو شخص تیری اہل کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے اس کی سزا

سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ

سوائے اس کے نہیں کہ قید کر دیا جائے یا اس کو جسمانی دردناک سزا دی جائے (یوسف نے) کہا خود اسی عورت نے مجھے اپنی

نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ

خواہش کے لئے بلانے کی کوشش کی ہے اور اُسی عورت کے خاندان کے بچے نے گواہی دی کہ اگر اس (یوسف) کی قمیص آگے سے پھٹی ہو

فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ

تو یہ سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہو تو یہ

تیسری راہ نکالنے پر مصر ہوں اور عصمت انبیاء کے دامن کو بُرائی کے چھینٹوں سے ملوث دیکھنے پر رضا مند ہوں۔ اعاذنا اللّٰہ

وَاسْتَبَقَا۔ یعنی دونوں یوسف اور زلیخا دروازہ کی طرف بھاگے۔ یوسف گلو خلاصی کے لئے اور زلیخا اس کو پھنسانے اور دروازہ بند کرنے کے لئے۔

قَدَّتْ۔ قد اور قط میں یہ فرق ہے کہ طول میں پھاڑنے اور چیرنے کو قد کہا جاتا ہے اور عرض سے پھاڑنے کو قط سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ شجاعت حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے متعلق مجمع البیان میں مروی ہے كَانَتْ ضَرَبَاتُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَبْكَارًا كَانَ اِذَا اعْتَلٰى قَدَّ وَاِذَا اعْتَرَضَ قَطَّ۔ یعنی علی کی ضربیں نئی نرالی ہوا کرتی تھیں جب اُوپر سے وار کرتے تھے تو سر سے قدموں تک چیر دیتے تھے اور جب ایک جانب سے وار کرتے تھے تو اپنے حریف کو دو حصوں میں کاٹ دیتے تھے۔ اس مقام پر معنی یہ ہے کہ زلیخا نے یوسف کی قمیص کو پیچھے سے پکڑ کر چیر دیا تھا۔ کہتے ہیں سامنے سے دروازے کھلے تھے اور بعض کہتے ہیں بند تھے اور ہر دروازہ پر پہنچ کر انہیں کھولنا پڑتا تھا اسی لئے وہ پیچھے سے آکر پکڑنے اور قمیص پھاڑنے میں کامیاب ہوئی۔

قَالَتْ مَا جَزَآءُ۔ جب دروازہ پر اپنے شوہر کو دیکھا تو اپنے زنانہ مکر و فریب کا جال بچھاتے ہوئے اپنی پاکدامنی پر آنسو بہاتے ہوئے کہنے لگی دیکھو یوسف نے میری ہتک حرمت کی ہے اور سبقت اس لئے کی تاکہ اس کی فریب کاری کا پردہ قائم رہے پس مظلومانہ حیثیت سے پیش آئی اور یوسف کو مدعا علیہ قرار دے دیا۔ اور ہوشیار ظالم اسی طرح اپنے تئیں مظلوم ظاہر کر کے مطلب نکالا کرتے ہیں۔ اسی مقام سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ زلیخا کی محبّت یوسف سے شہوانی و وقتی محبّت

فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ

جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے جب دیکھا کہ اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو (عزیز مصر)

اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا

کہنے لگا یہ تمہارا فریب ہے اور تحقیق تمہارا فریب بڑا ہے اے یوسف اس سے درگذر کر (پھر عورت کو

وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ نِسْوَةٌ

خطاب کرکے کہا) اپنی غلطی کی معافی مانگ تحقیق تو خطاکاروں میں سے ہے اور شہر کی عورتوں نے

تھی سچی محبت نہ تھی ورنہ اپنے محبوب کے لئے قید یا سزا کی تجویز نہ پیش کرتی کیونکہ جو سچے محب ہوتے ہیں وہ اپنے محبوب کو ہر مصیبت سے بچانے کی کوشش میں اپنے نفس کو ڈھال بنا کر مصائب کا نشانہ بنا دیا کرتے ہیں۔ جب عورت نے رپورٹ کر لی تو حضرت یوسف نے اپنے دامن کی پاکیزگی کے لئے یہ بیان دیا کہ جس غلطی کی نسبت یہ عورت میری طرف دے رہی ہے غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ۔ اُس نے خود مجھے چھیڑا ہے اور میں اپنی جان بچا کر بھاگ آیا ہوں۔

شَهِدَ شَاهِدٌ۔ یوسف و زلیخا کے متذکرہ مقدمہ میں ایک بچے نے یوسف کی عصمت کی گواہی دی، اور وہ بچہ کہتے ہیں زلیخا کا بھانجا تھا جس کی عمر تین ماہ تھی۔ تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت یوسف نے عزیز مصر سے کہا کہ جھولے میں جو بچہ ہے وہ خود میری صداقت کی گواہی دے گا۔ چنانچہ جب عزیز مصر اس بچے کی جانب متوجہ ہوا تو وہ بچہ باذنِ پروردگار بول اٹھا اور گواہی کے الفاظ وہی ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں جو صرف شہادت نہیں بلکہ دلیل و برہان ہے کہ اگر یوسف قصوروار ہوتا تو زلیخا سامنے سے اس کا دفاع کرتی پس یوسف کی قمیص سامنے سے پھٹی ہوئی ہوتی لیکن قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہوا ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یوسف جان چھڑانے کے لئے بھاگنا چاہتے تھے۔ اور زلیخا نے پیچھے سے اس کو کھینچنا چاہا جس کی وجہ سے اس کی قمیص پھٹ گئی لہٰذا غلطی زلیخا سے ہے نہ کہ یوسف سے۔

يُوْسُفُ اَعْرِضْ :۔ یا تو یہ عزیز مصر کا مقولہ ہے کہ یوسف کو صبر و ضبط کی تلقین کی کہ اس بات کو آگے نہ بڑھائیے۔ اور اس سے درگذر کیجئے اور یا اُس بچہ کا قول ہے جس نے گواہی دی کہ اے یوسف آپ کی پاکدامنی ظاہر ہو چکی ہے بس اس قصہ کو یہیں رہنے دیجئے اور آگے نہ بڑھائیے۔ اور پھر عورت کی طرف پلٹ کر کہا تو اپنے گناہ کی اپنے شوہر سے یا پروردگار سے معافی مانگ کیونکہ تو ہی خطا کار ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ گواہی دینے والا بچہ نہیں تھا بلکہ زلیخا کا چچا زاد تھا جو دروازہ پر عزیز مصر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا پس اُس نے مذکورہ دلائل سے یوسف کی برأت ثابت کی۔ اور حضرت یوسف سے التجا کی گئی کہ اس بات کو ہوا نہ دیجئے بلکہ ختم کر دیجئے تاہم یہ خبر اسی وقت روئی کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔

فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ج قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ط

کہا کہ عزیز کی عورت اپنے غلام کو اپنے ساتھ بدکاری کی دعوت دیتی ہے تحقیق اس کے دل پہ اس کی محبت چھا گئی ہے

اِنَّا لَنَرٰهَا فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ

ہم اس کو صاف طور پر گمراہ سمجھتی ہیں تو اس نے ان کی یہ چال سنی تو ان کو دعوت دے کر بلا لیا اور ان

اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا

کے لئے کھانے کا انتظام کیا اور دے دی ہر ایک کو ان میں سے ایک ایک چھری

وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ج فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ

اور یوسف سے، کہا نکل آؤ ان کے سامنے پس جب انہوں نے اس کو دیکھا تو اسکی عظمت کو دیکھکر مان گئیں اور

مِنَ الْخَاطِـِٕيْنَ ص - خَطَأَ اور اَخْطَأَ میں یہ فرق ہے کہ عمدی غلطی کے لئے خَطَأَ ثلاثی مجرد استعمال ہوتا ہے اور سہوی غلطی کے لئے اخطأ باب افعال استعمال ہوتا ہے۔ اسی بنا پر مجتہد کو مجتہد خاطی نہیں کہا جاتا بلکہ مجتہد مخطی کہا جاتا ہے جب کہ اس کا فتویٰ خلاف واقع ہو۔ (رکوع ۱۴)

قَدْ شَغَفَهَا۔ شغاف سے ہے جس کا معنی ہے دل کا پردہ اور حُبًّا تمیز واقع ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف کی محبت نے اس کے دل کے پردوں کو چیر کر اس میں پوری طرح تسلّط کر لیا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں اہل بیت علیہم السّلام کی قرأت شَعَفَهَا منقول ہے اور اس کا معنی محبّت میں مبالغہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ یوسف کی محبّت میں دُور تک پہنچ گئی یا یہ کہ اس کی محبّت نے اس کے دل کو جلا دیا۔

بِمَكْرِهِنَّ۔ مکر ایسی بات کو کہتے ہیں جس کا ظاہر کچھ اور ہو اور باطن میں کچھ اور مراد ہو۔ شہر کی عورتوں کے طعنہ کو مکر اس لئے کہا کہ اگرچہ ظاہر کے لحاظ سے زلیخا کو طعنہ دے کر اپنی خودداری کو جتلا رہی تھیں لیکن اندرونی طور پر مقصد یہ تھا کہ زلیخا غصہ میں آ کر کوئی ایسا اقدام کرے جس کی بدولت ہمیں بھی کسی طرح یوسف کا دیدار ہو جائے۔

مُتَّكَاً:۔ لفیف مفروق وکی سے باب افتعال کا ظرف کا صیغہ ہے اور یہاں تکیہ مُراد ہے اور کھانے سے کنایہ کیا گیا ہے کیونکہ جن کو کھانے پر مدعو کیا جاتا ہے آرام سے بیٹھنے کے لئے ان کو تکیہ دیا جاتا ہے۔ اور چونکہ کھانے میں میوہ جات اور پھل شامل تھے جن کو کاٹنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے پس ہر ایک مہمان عورت کے سامنے اُس نے ایک ایک چُھری رکھ دی تھی۔

قَالَتِ اخْرُجْ۔ خلاصہ یہ کہ شہر کی عورتوں نے یُوسف و زلیخا کی داستان سُن کر واویلا کیا اور زلیخا پر زبان طعن کھولی تو زلیخا نے شہر کی تمام امیر زادیوں کو کھانے پر اپنے ہاں مدعو کر لیا۔ جن کی تعداد بروایت مجمع البیان چالیس تھی۔ پس کھانا دسترخوان پر رکھا اور میوہ جات

اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ

اپنے ہاتھ محوِ حیرت ہو کر کاٹ ڈالے اور کہا معاذ اللہ یہ بشر نہیں بلکہ یہ تو کوئی باکرامت فرشتہ

كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ

ہے (زلیخانے) کہا بس یہی تو وہ ہے جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنہ دیا اور واقعی میں نے ہی اس کو اپنی

عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا

طرف دعوت دی جو اس نے ٹھکرادی اور اگر میری خواہش کے لئے میرا حکم نہ مانے گا تو ضرور قید کیا جائے گا اور

بھی لا کر آگے رکھ دیئے پھر ایک ایک چھری بھی ہر ایک کے سامنے رکھ دی۔ ادھر ان کو کھانے کا حکم دیا اور ادھر یوسف کو جو الگ کمرہ میں بیٹھے تھے اُن کے سامنے آنے کے لئے بلایا۔ چونکہ ظاہری صورت میں وہ زرخرید غلام تھے لہٰذا تعمیل حکم میں مجبور تھے۔

اَكْبَرْنَهٗ: جب آپ عورتوں کے سامنے تشریف لائے اور اُن کی نگاہ پڑی تو ان کے چہرۂ نورانی جو مظہر جمالِ خداوندی تھا کے دیدار کی تاب نہ لا کر دریائے حیرت میں ڈوب گئیں حتّٰے کہ اپنے آپ سے غافل ہو گئیں چھری جو اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھیں اس قدر کھو گئیں کہ اس سے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور متوجّہ نہ ہوئیں کہ ہاتھ کٹتا ہے یا پھل۔

اَكْبَرْنَ کا معنی ہے کہ ان کی نظروں میں یوسف کا حسن اس قدر عظیم تھا کہ وہ آپے سے باہر ہو گئیں اور بعض نے کہا ہے اس کا ترجمہ ہے کہ اُن کو اُسی وقت حیض جاری ہو گیا۔

حَاشَا لِلّٰهِ۔ بعضوں نے اس کو استثنا کا کلمہ قرار دیا ہے۔ یعنی حضرت یوسفؑ کی بشریّت کا انکار کر دیا اور انہیں صنفِ بشر سے مستثنےٰ قرار دے کر کہنے لگیں یہ تو کوئی معزّز فرشتہ ہے۔ اور بعضوں نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ لام حرف جر ہے اور حرف حرف پر داخل نہیں ہو سکتا لہٰذا حاش فعل ماضی کا صیغہ ہے حَاشٰى يُحَاشِىْ محاشاةً سے اور اس کا معنی دوری ہے مقصد یہ کہ حضرت یوسفؑ اس اتہام و الزام سے دُور اور بری الذمّہ ہیں۔ جس کی اُن کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ للّٰہ یعنی رضا پروردگار کے لئے ہی یوسف سے ناشائستہ افعال کا صدور غلط اور بے بنیاد الزام ہے۔ کیونکہ ان کا چہرہ جس پر جمالِ الٰہی کا پر تو ہے اور اُن کا وقار جو مظہر جلال ایزدی ہے وہ مانع ہے کہ ان سے عام انسانی و بشری شہوانی و نفسی اور جذباتی و حیوانی افعال کا صدور ہو بلکہ وہ تو سیرت و صورت میں ایک معزّز و مقتدر فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابوسعید خدری حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ میں نے دوسرے آسمان پر ایک شخص کو دیکھا جو حسن و جمال میں چودھویں کے چاند کی مانند تھا۔ میں نے جبریل سے دریافت کیا تو اُس نے بتایا کہ یہ یوسف ہے۔ عورتوں کا حضرت یوسف سے بشریت کی نفی کر کے ملک کریم کہنا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ فرشتے انبیاء سے افضل ہوا کرتے ہیں۔ جیسا کہ بعض نا اہل لوگوں کو اشتباہ ہوا ہے۔ کیونکہ عورتوں نے الزامات و اتہامات سے حضرت یوسف کی

مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ

ذلیل ہو گا کہا (یوسف نے) اے رب مجھے قید محبوب ہے جس کی طرف مجھے یہ بلاتی ہیں اور

وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾

اگر تو نہ پھیرے مجھ سے ان کا مکر تو میں ان کی طرف جھک جاؤں گا اور جاہلوں سے ہو جاؤں گا

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ

پس اس کی دعا قبول کی اس کے رب نے پس پھیر دیا اس سے عورتوں کے مکر کو تحقیق وہ سننے جاننے والا

الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی

ہے پھر ان کو خیال آیا بعد اس کے کہ دیکھ چکے نشانیاں (یوسف کی پاکدامنی کی) کہ اس کو ایک وقت تک ضرور

پاک دامنی بیان کرنے کے لئے یہ الفاظ کہے ہیں کہ وہ ان آلائشات سے منزّہ ہیں جن میں عام انسان و بشر ملوث ہوا کرتے ہیں بلکہ یہ تو فرشتہ سیرت انسان ہیں بلکہ اگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو اس میں انسان کی ملک سے افضلیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ فرشتے آلائشاتِ مادیہ سے الگ ہو کر برائی کا ارتکاب نہیں کرتے اور انسان باوجود جسمانی عوائق اور مادی علائق کے اگر برائی سے دُور رہے تو وہ یقیناً فرشتوں سے افضل ہے اور اسی بنا پر عورتوں کے تعجب کی حد نہ رہی کہ ظاہری صورت میں بشر ہونے کے باوجود سیرت کے لحاظ سے یہ بشر نہیں بلکہ فرشتہ خصلت ہے۔ اور ہم نے لمعۃ الانوار میں اس مطلب کو زیادہ واضح کیا ہے۔

قَالَتْ:۔ جب شہر کی مخدرات یوسف کے حسن و عظمت کی قائل ہوگئیں۔ اور انہوں نے اتہام و بہتان کو بھی بے سر وپا قرار دیدیا تو زلیخا کہنے لگی یہی وہ نوجوان ہے جس کے متعلق تم نے مجھے طعنہ دیا ہے۔ اور واقعی اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے اس کو بدکاری کے لئے دعوت دی تھی لیکن اس نے قبول نہیں کی تم جب ایک دیدار میں اپنا آپ کھو چکی ہو۔ حتیٰ کہ اپنے ہاتھ کاٹنے کے بعد بھی اس کے حسن و جمال نے تمہیں تکلیف و درد سے بے خبر رکھا ہے تو اندازہ کرو میں تو صبح و شام اس کے حسن و جمال کا دیدار کرتی ہوں۔ پھر اس اقدام میں مجھے ملامت کیوں کرتی ہو؟ جب حضرت یوسف نے زلیخا کا یہ ارادہ دیکھا تو دعا مانگی

قَالَ رَبِّ۔ اے پروردگار مجھے اس آزادی سے جس میں مجھے زنا کی دعوت دی جائے قید بہتر ہے۔

یَدْعُوْنَنِیْ:۔ یہ لفظ ظاہر کرتے ہیں کہ زلیخا کے دسترخوان پر حاضر ہونے والی مخدرات بھی یوسف کے عشق میں کھو گئیں اور انہوں نے بھی یوسف سے وہی مطالبہ کیا جو زلیخا نے کیا تھا۔

اَصْبُ صَبَا یَصْبُوْ مائل ہونا اصل میں اصبو تھا۔ شرط کی جزا واقع ہونے سے مجزوم ہے اور اس کی جزم حذفِ لام

حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰنِيْٓ

قید کر دیا جائے اور داخل ہوئے اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان ایک نے کہا میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ شراب

اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا

کشید کر رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں کہ

سے ہے۔

اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۔ یہ لفظ ظاہر کرتے ہیں کہ جو عالم اپنے مقتضائے علم پر عمل نہ کرے اُسے جاہل کہنا درست ہے۔ مروی ہے کہ شام ہوئی تو تمام مدعوہ عورتوں کی جانب سے حضرت یوسف کو پیغامات پہنچے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہر عورت نے زلیخا کی سفارش کی۔ بہرکیف حضرت یوسف نے عصمت کا وقار اسی میں سمجھا۔ اور اپنے لئے قید کی دُعا مانگی جو مقبول ہوئی۔

بَدَا لَهُمْ ۔ اگرچہ ظاہری لحاظ سے حضرت یوسف بری الذمہ ثابت ہوگئے۔ بچہ کی گواہی اور قمیص کا پیچھے سے پھٹنا۔ یہ ایسے قرائن تھے جن کی عقل سلیم کے نزدیک تردید ناممکن تھی لیکن بدنامی کو رفع کرنے کے لئے زلیخا نے یوسف کو قید کرا ہی دیا۔ مدت قید، برس یا ۵ برس ہے۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ۱۸ برس مدت قید منقول ہے۔

رکوع نمبر ۱۵۔ زندانِ مصر میں

وَدَخَلَ مَعَهُ ۔ خلاصۃ الکلام حضرت یوسف کے لئے قید کا فیصلہ ہوا اور قید خانہ میں ان کو بھیج دیا گیا۔ اور ان کے ساتھ قید خانہ میں دو اور جوان بھی بھیجے گئے۔ کہتے ہیں یہ دونوں بادشاہ وقت یعنی فرعون مصر ولید بن ریان کے مخصوص نوکر تھے۔ ایک بیرا تھا اور دوسرا شراب کشید کرنے اور پلانے پر مامور (ساقی تھا) خفیہ نے بادشاہ کو رپورٹ کی کہ بیرا کھانے میں زہر ملا کر تمہیں قتل کرنے کے درپے ہے۔ اور دوسرے کے متعلق اس سازش میں شریک ہونے کا شبہ تھا۔ پس مقدمہ زیر سماعت تھا اور ان کو تاحکم ثانی جیل میں بھیج دیا گیا تھا۔

حضرت یوسف نے زندان میں پہنچتے ہی اعلان کر دیا کہ میں خوابوں کی تعبیروں کا علم رکھتا ہوں۔ ابن سعود کی تفسیر کے مطابق دوسرے دونوں قیدیوں نے باہمی مشورہ کیا کہ یُوسف کے دعوے کو آزمانا چاہیے۔ پس انہوں نے اپنے خواب گھڑے اور حضرت یوسف سے جا کر تعبیر طلب کرنے لگے۔ لیکن تفسیر قمی کی روایت کے مطابق معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ بیرے کا خواب من گھڑت تھا اور دوسرے کا خواب سچا تھا۔

ساقی نے یہ بیان کیا کہ میں نے خواب میں ایک بیل پر تین خوشے انگوروں کے دیکھے ہیں۔ پس میں نے ان کو توڑا۔ اور ان کا شربت کشید کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ پس آیت میں اَعْصِرُ خَمْرًا کا معنی شراب کو نچوڑنا نہیں بلکہ اَعْصِرُ عِنَبَ خَمْرٍ ہے۔ یعنی مضاف محذوف ہے اور معنی ہے کہ میں خواب میں شراب کشید کرنے کے لئے

تَاكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾

اس سے پرندے کھاتے ہیں اس کی تعبیر سے آگاہ کیجئے تحقیق ہم آپ کو احسان شعار سمجھتے ہیں

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ

فرمایا نہیں آئے گا تمہارے پاس کھانا جو تمہیں بھیجا جائے مگر یہ کہ میں اس کی صفت تم کو بتا دوں گا اس کے پہنچنے سے

يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِىْ رَبِّىْ ؕ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا

پہلے یہ چیز اس علم سے ہے جو مجھے اپنے رب نے عطا کی ہے تحقیق میں نے اس قوم کا دین ترک کیا ہے

انگوروں کو نچوڑ رہا ہوں۔ بیرے نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے سر پر تین طبق ہیں جن میں قسم قسم کے کھانے موجود ہیں اور گوشت خور پرندے اس سے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔

مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے۔ محسن کی تین نشانیاں ہیں (۱) اگر ساتھی کی جگہ تنگ ہو تو اس کے لئے جگہ کھلی کر دے (۲) اگر محتاج ہو تو اس کی اعانت کرے (۳) اگر بیمار ہو تو اس کی تیمارداری کرے اور بعضوں نے کہا ہے مظلوم کی مدد کرنا کمزور کی دستگیری کرنا اور بیمار کی عیادت کرنا محسن کی نشانیاں ہیں۔ ہم خواب کی حقیقت پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور انبیاء کی وحی کے اقسام میں سے ایک قسم خواب بھی ہے۔ اس مقام پر ان کا کہنا کہ ہم آپ کو محسنین میں سے سمجھتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ افعال حسنہ و اوصاف حمیدہ کے مالک ہیں۔ اس لئے ہمیں توقع ہے کہ تعبیر خواب میں غلط بیانی نہیں کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ آپ ہمیں خواب کی تعبیر بتا دیں۔ یہ آپ کا ہم پر احسان ہو گا۔

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا: اس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں (۱) تمہیں عالم خواب میں اگر کوئی کھانا کھلایا جائے تو میں تم کو اس کی تعبیر بھی بتا سکتا ہوں۔ قبل اس کے کہ وہ تعبیر ظاہر میں کھلے (۲) تعبیر خواب تو بجائے خود اگر تمہارے پاس کہیں سے کھانا بھیجا جائے تو میں اس کی جملہ اوصاف و کیفیات تم پر واضح کر سکتا ہوں قبل اس کے کہ وہ تم تک پہنچے اور یہ سب کچھ میرے اوپر اللہ کا عطیہ ہے۔

طریق تبلیغ بعضوں نے کہا ہے کہ چونکہ تعبیر دریافت کرنے والے دو شخصوں میں سے ایک کی تعبیر موت کی پیشنگوئی تھی لہٰذا اس کی دل شکنی سے گریز کرتے ہوئے کلام کا رخ حضرت یوسف نے دوسری طرف پھیر دیا اور فوری طور پر اُن کے خواب کی تعبیر کو بیان نہ کیا لیکن ربط آیات و سلاست بیان کا جہاں تک تعلق ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے جب ان دو شخصوں کو اپنی جانب متوجہ پایا تو ان پر اتمام حجت کرنا ضروری سمجھا اور حجت خدا کا یہی کام ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے موقع و محل کی تاڑ رکھیں۔ کیونکہ نامناسب اوقات میں

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور کافر ہیں اور میں نے اتباع کی ہے اس دین

اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ

کی جو میرے باپ دادا ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کا ہے ہمیں روا نہیں کہ اللہ کا شریک کریں کسی

مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

شے کو یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ

تبلیغ بے معنی و بے سود ہونے کے علاوہ بعض دفعہ دردِ سر بلکہ جان لیوا بن جایا کرتی ہے۔ اب چونکہ وہ دونو خواب کی تعبیر سننے کے لئے منتظر تھے۔ لہٰذا اب ان کی ہر بات کو وہ توجہ سے ہی سنتے۔ پس موقع موزوں سمجھ کر پہلے اپنی حیثیت ان پر واضح کی کہ میں کون ہوں اور تعبیر خواب کا علم مجھے کس نے دیا ہے اور یہ عہدہ مجھے کیونکر ملا ہے؟ پس فرمایا یہ عطیۂ پروردگار ہے۔ اس کلمہ سے ان کے اذہان کو ربوبیت و الوہیت کے اعتقاد سے آشنا کیا۔ اور اللہ پر ایمان نہ رکھنے والوں کو کافر کہا۔ اور یہ ساتھ ساتھ واضح ہو گیا کہ خدائی عطیّہ کا سزاوار صرف مومن اور خدا پرست ہی ہو سکتا ہے۔ پھر اپنے سلسلہ آباء کا تذکرہ کر کے شرک سے نفرت دلائی اور اپنے عہدۂ نبوت کو فضلِ پروردگار قرار دیا اور یہ بھی ساتھ ساتھ واضح کیا کہ بعثتِ نبوّت جس طرح انبیاء پر نعمتِ پروردگار ہے۔ اسی طرح لوگوں پر بھی یہ اس کا لطفِ بے پایاں و فضلِ بے کراں ہے۔ اور چونکہ احسان کا بدلہ احسان عقلی فریضہ ہے۔ لہٰذا پروردگار کے اس احسانِ عظیم و فیضِ عمیم کا شکر ادا کرنا ہی اس کے احسان کا صحیح بدلہ ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کے انبیاء پر ایمان لایا جائے اور ان کی ہدایات کو مشعلِ راہ قرار دے کر زندگی کے ہر شعبہ میں پیش قدمی کی جائے اور اس کے بعد فرمایا کہ اکثر لوگ خداوند عظیم کے عظیم احسانات کا شکر ادا نہیں کرتے۔ پس اس مختصر سی تقریر میں حضرت یوسف نے توحید و نبوّت کی باحسن طریق وضاحت فرمائی۔ اور ان کی اتباع کو نہایت خوش اسلوبی سے باعثِ نجات ہونا بلکہ فطری ہونا ثابت کیا اور یہ وہ اندازِ تبلیغ ہے جو صرف حجّتِ خدا ہی اختیار کر سکتا ہے پس اس اتمامِ حجّت کے بعد ان کے خوابوں کی تعبیر کی طرف متوجّہ ہوئے۔

يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ ۔ سابق بیان کو بطور تمہید پیش کرنے اور ان کے اذہان کو اپنی پُر مغز و موثر تقریر سے اپنی جانب پوری طرح متوجہ کرنے کے بعد انہیں اس لب و لہجہ میں سمجھایا کہ دیکھو تم لوگوں نے جو خدا بنا رکھے ہیں کوئی پتھر کا کوئی لکڑی کا، کوئی تانبے کا اور کوئی مٹی کا یہ متفرق بناوٹی خدا نہ نفع و نقصان کے مالک ہیں اور نہ خیر و شر ان کے ہاتھ میں ہے بلکہ وہ خود بنانے والے کے محتاج ہیں۔ ان کے نقائص و عیوب ایسے انداز میں بیان کئے کہ سننے والے پر بوجھ نہ ہو اور لطف یہ کہ بعد میں یہ نہ

النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ

شکر نہیں ادا کرتے اے میرے دونوں زندانی ساتھیو! کیا متفرق خدا بہتر ہیں یا

خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ

وہ اللہ جو ایک ہے اور غالب ہے نہیں تم عبادت کرتے اس کے سوا مگر ان کی جو صرف

اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ

نام ہی نام ہیں جو تجویز کئے تم نے اور تمہارے باپ دادا نے کہ ان کے متعلق خدا حقیقی کی جانب سے کوئی دلیل

سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ

نہیں حکم تو صرف اللہ کے لئے ہی ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو یہ

الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ

صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اے میرے دونو زندانی ساتھیو!

فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو بلکہ احسن طریق سے ان کو عقلی بیان سے متوجہ کیا کہ دیکھو یہ متفرق خدا جو کچھ نہیں کرسکتے بلکہ محتاج ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اس خدا کو دیکھو جو ایک ہے اور تمہارے بس خود ہی موازنہ کرلو کہ ان میں سے کون سا راستہ درست ہے۔ اور کون سا خدا سچا ہے؟ پھر باطل سے مزید نفرت دلانے کے لئے فرمایا یہ متفرق خدا جو تم نے تجویز کئے ہیں وہ تو صرف نام کی حد تک محدود ہیں یعنی ان کا نام خدا ہے۔ ان میں کام کی برکت نہیں بلکہ کھوکھلے اور بے معنی ہیں۔ اور یہ نام بھی صرف تم نے تجویز کئے ہیں جن پر کوئی دلیل ناطق نہیں ہے۔ پس حق اور باطل دونو پہلوؤں کی وضاحت کے بعد حق سے محبت اور باطل سے نفرت کی دعوت دی کہ کسی باطل کی عبادت نہ کرو بلکہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اور یہی لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم ہے اور فرمایا کہ بس یہی صحیح دین اور محکم طریق نجات ہے۔

اَمَّآ اَحَدُكُمَا:۔ امام حجت اور دعوت دین کے بعد ان کے سوالوں کے جواب کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے ساقی کے خواب کی تعبیر بیان کی کہ انگوروں کے تین خوشوں کی تعبیر یہ ہے کہ تو تین دن زندان میں رہے گا۔ چوتھے دن تیرے حق میں فیصلہ ہو جائے گا اور تجھے بری الذمہ قرار دیکر سابقہ عہدہ پر بحال کیا جائے گا۔ ان آیات میں رب سے مراد مالک یعنی بادشاہ ہے۔ اور دوسرے یعنی خانسامے کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے تین طبقوں سے مراد تین دن قید خانے کے ہیں۔ اور چوتھے دن اس کے جرم کے ثبوت کے بعد اس کے لئے سزائے موت پھانسی کا حکم ہوگا پھر اس کی لاش کو پھینک دیا جائے گا۔ اور طیور وحشی اس کے دماغ کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ یہ سن کر وہ سٹپٹایا اور کہنے لگا میں نے

اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ

لیکن تم میں سے ایک تو پلائیگا اپنے مالک کو شراب اور لیکن دوسرا پس سولی دیا جائیگا پس کھائیں گے

الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَقَالَ

پرندے اس کے دماغ کو فیصلہ ہوگیا اس امر کا جس کے متعلق تم دریافت کر رہے ہو اور اس سے

لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ

کہا جس کے متعلق گمان تھا کہ وہ رہائی پانے والا ہے میرا ذکر کرنا اپنے مالک کے نزدیک پس بھلا دیا اس کو شیطان نے اپنے

ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع ۱۵

مالک کے پاس ذکر کرنا تو ٹھہرا (یوسف) زندان میں چند سال

تو جھوٹ بولا تھا اور حقیقت میں کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا تو نے خواب دیکھا ہو یا نہ۔ اور تو نے سچ کہا ہو یا غلط قُضِیَ الْاَمر جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ہو کے رہے گا۔

ظَنَّ:۔ وہ علم جس کی جانب مخالف کا احتمال بھی ہو اُسے ظن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور حضرت یوسف کو علم اور ملکہ جس کی بدولت وہ تعبیر خواب بیان فرماتے تھے اللہ کا عطیہ تھا لیکن خواب سن کر اس کی تعبیر کا معیّن کرنا اگرچہ اسی ملکہ کے ماتحت تھا تاہم اُسے ظنی ہی کہا جا سکتا ہے۔ اسی بنا پر خدا نے یوسف کے فیصلہ کو ظن سے تعبیر فرمایا۔ آپ نے رہائی پانے والے سے فرمایا کہ اپنے مالک سے کہنا کہ یوسف بے گناہ قید ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ چونکہ حضرت یوسف نے اپنی قید سے رہائی پانے کے معاملہ میں بندوں کا سہارا لیا اور مخلوق سے اپیل کی حالانکہ خدا پر توکل کر کے اُس سے دعا مانگنی چاہیئے تھی۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان نے رہائی پانے والے کے دل سے وہ بات بھلا دی اور یوسف کو چند سال مزید قید میں گذارنے پڑے۔

تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت یوسف نے قید میں جا کر عرض کی اے پروردگار! مجھے قید میں کیوں ڈالا گیا ہے؟ تو ارشاد ہوا تو نے خود ہی دعا کی ہے کہ عورتوں کے مکر و فریب سے مجھے زندان محبوب ہے۔ اُس وقت اگر کہتا کہ عورتوں کے پھندے سے مجھے عافیت محبوب ہے تو میں عافیت سے تجھے رکھتا۔ عورتوں کے مکر سے بھی بچ جاتا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی نہ جھیلنی پڑتیں۔

بروایت مجمع البیان زندان کے دونوں ساتھیوں نے (اور بروایت صافی زندان بان نے) یوسف سے کہا ہماری آپ سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ سے محبت نہ کرو کیونکہ جس نے میرے ساتھ محبت کی ہے اُس نے مجھے ایک نہ

ایک مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ میرے ساتھ اپنی سگی پھوپھی نے (بروایت صافی خالا نے) محبت کی تو مجھے چوری کی طرف منسوب کیا۔ اس کے متعلق مفصل روایت بعد میں آجائے گی۔ اور باپ نے محبت کی تو کنوئیں میں ڈالا گیا اور زلیخا نے محبت کی تو زندان کی زندگی نصیب ہوئی۔

بروایت مجمع البیان حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ زندان میں حضرت یوسف کے پاس جبریل نے آکر دریافت کیا کہ تجھے حُسن کس نے دیا ہے؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا تجھے تمام بھائیوں کی بہ نسبت باپ کا محبوب کس نے بنایا؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا کہ رہگذر قافلہ کو تیری طرف کس نے بھیجا؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا تجھ سے پتھروں کا رُخ کس نے پھیرا؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا کہ عورتوں کے مکر و فریب سے کس نے تجھے نجات دی؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا کہ کنوئیں سے کس نے نکالا ہے؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پس کہا اب تجھے وہی پروردگار فرماتا ہے کہ کس بنا پر مجھے فراموش کرکے زندان سے رہائی کی اپیل تو نے میری مخلوق سے کی ہے؟ اب اس کے بدلہ میں کئی سال زندان میں رہنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مروی ہے کہ یہ سُن کر حضرت یوسف زندان میں سخت روئے حتیٰ کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے گریہ سے در و دیوار میں گریہ طاری ہے۔ اور تمام اہل زندان ان کے رونے سے تنگ آگئے اور ترک گریہ کی درخواست دی گئی۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ ایک دن روئے اور ایک دن نہ روئے۔ پس جس دن نہ روتے تھے اس دن ان کی حالت ناگفتہ بہ ہو جایا کرتی تھی۔

تفسیر برہان میں ہے جب حضرت یوسف نے رہا ہونے والے سے کہا کہ اپنے مالک کے پاس میری بے گناہی کا ذکر کرنا تو اُس وقت جبریل کا نزول ہوا۔ اس نے پاؤں کی ٹھوکر ماری تو ساتویں زمین تک پردے کھل گئے۔ اور کہا اے یوسف دیکھو کیا نظر آتا ہے؟ کہا مجھے ایک چھوٹا سا پتھر نظر آرہا ہے۔ پس جبریل نے پتھر کو دو حصے کر دیا اور کہا کہ اب کیا دیکھتے ہو؟ کہنے لگے ایک چھوٹا سا کیڑا دیکھ رہا ہوں۔ جبریل نے پوچھا کہ اس کا رازق کون ہے؟ یوسف نے جواب دیا کہ اللہ سبحانہ ہے تو جبریل نے کہا کہ تجھے اپنا پروردگار فرماتا ہے کہ میں ساتویں زمین کی گہرائیوں میں پتھر کے اندر اس چھوٹے سے کیڑے کو بھی نہیں فراموش کرتا تو تجھے کیسے بھول سکتا ہوں کہ تو نے مجھے چھوڑ کر اپنی رہائی کی درخواست اپنے جیسی ایک مخلوق سے کی ہے۔ پس اس بات کے بدلہ میں چند برس قید میں اور بھی گذارو۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مصائب اور شدائد میں مخلوق سے مدد طلب کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ بنا بر صحت روایات یہ تنبیہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مخصوص امتحان سے متعلق ہے۔ اور اس کی مصلحت کو سمجھنے اور بال کی کھال اُتارنے سے تسلیم بہتر ہے۔ خدا جو کرے اُس سے باز پُرس نہیں ہو سکتی۔

بروایت صافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ پوری کائنات میں سب سے زیادہ رونے والے پانچ ہیں۔ اُن میں سے ایک حضرت یوسف ہیں۔ اور روایات میں پانچ زیادہ رونے والے یہ ہیں (۱) حضرت آدمؑ فراقِ حوّا

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

اور بادشاہ نے کہا میں نے (خواب میں) سات موٹی گائیں دیکھیں جن کو کھا رہی تھیں سات دبلی (گائیں) اور سات خوشے سبز دیکھے

وَسَبْعَ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي

اور دوسرے سات (خشک (جو ان پر غالب آئے) اے سرداران قوم مجھے تعبیر دو میرے خواب کی

میں اس قدر روئے کہ ان کی آنسو کے پانی سے پرندے سیراب ہوتے تھے (۲) حضرت یعقوب فراق یوسف میں اس قدر روئے کہ آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھے (۳) حضرت یوسف زندان مصر میں اس قدر روئے کہ اہل زندان تنگ آگئے (۴) جناب بتول معظّمہ خاتون جنّت جناب رسالت مآب کی وفات کے بعد اُمّت کے مظالم سے تنگ آکر اس قدر روئیں کہ اہل مدینہ ان کے رونے سے تنگ آگئے اور حضرت امیر علیہ السّلام سے درخواست کی کہ مادرِ حسنین کے گریہ سے ہم تنگ ہیں یا دن کو روئیں یا رات کو روئیں۔ پس جنّت البقیع میں حضرت علی نے بیت الحزن بنا دیا۔ وہاں جا کر سارا دن رویا کرتی تھیں اور رات کو واپس آجایا کرتی تھیں (۵) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جو واقعہ ہائلہ کربلا کے بعد ۳۵ برس متواتر روئے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آدم یوسف اور داؤد کے برابر کوئی نہیں رویا حضرت آدم فراقِ جنّت میں روئے کہ اہلِ آسمان کو ان کی کثرت بکا سے شکایت پیدا ہوئی۔ حضرت داؤد اس قدر روئے کہ ان کی آنسو کے پانی سے گھاس اُگ آیا۔ اور ان کی سرد آہ سبزیوں کو جلا دیا کرتی تھی۔ اور حضرت یوسف اس قدر روئے کہ زندان والے تنگ آگئے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جبریل نے حضرت یُوسف کو دُعائے فرج تعلیم کی کہ ہر نماز کے بعد پڑھا کریں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِي فَرَجًا وَمَخْرَجًا وَّارْزُقْنِي مِنْ حَيْثُ أَحْتَسِبُ وَمِنْ حَيْثُ لَا أَحْتَسِبُ

اور زمین پر رخسارہ رکھ کر یہ پڑھتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَتْ ذُنُوبِي قَدْ أَخْلَقَتْ وَجْهِي عِنْدَكَ فَإِنِّي أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِوُجُوهِ آبَائِي الصَّالِحِينَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ (علیھم السلام) اور آپ نے فرمایا اس طرح پڑھا کرو۔ إِنْ كَانَتْ ذُنُوبِي قَدْ أَخْلَقَتْ وَجْهِي عِنْدَكَ فَإِنِّي أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِوَجْهِ نَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَالْأَئِمَّةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

رکوع ۱۶۔ بادشاہ کا خواب اور اُس کی تعبیر

وَقَالَ الْمَلِكُ ۔ خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ جب حضرت یوسف کی رہائی کا وقت آیا تو بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ سخت گھبرایا اور اُس کو کوئی تسلّی بخش تعبیر حاصل نہ ہو سکی کہ سات موٹی گائیوں کو سات دبلی گائیوں نے کھالیا اور سات

رُءْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٤٣﴾ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ج

اگر تم خواب کی تعبیریں بتا سکتے ہو ۔ کہنے لگے جھوٹے خواب ہیں اور ہم (اس قسم کے)

وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِي نَجَا

خوابوں کی تعبیر کے عالم نہیں ہیں ۔ اور کہا اس نے جس نے دو میں سے رہائی

مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿٤٥﴾

پائی تھی اور اس کو یاد ایک عرصہ کے بعد آیا میں اس کی تعبیر بتاتا ہوں پس مجھے (یوسف کی طرف) بھیجو

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ

(وہاں پہنچ کر اس نے کہا) اے یوسف اے صدیق ہمیں تعبیر دیجئے کہ سات موٹی گایوں کو کھاتی ہیں

سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَّعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى

سات دبلی اور سات سبز خوشے اور دوسرے خشک (جو ان پر غالب ہیں) تاکہ میں لوگوں کی طرف جاؤں

النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا ج

تاکہ وہ (تیرے فضل وکمال کو) جان لیں ۔ فرمایا کاشت کرو سات سال عادت کے مطابق

سبز خوشوں کو دیکھا کہ سات سوکھے اور جلے سڑے ہوئے خوشے ان کی طرف بڑھے اور آخر کار غالب آگئے۔ سِمَانٍ جمع ہے سمین کی یعنی موٹی تازی عِجَافٍ اعجف کی جمع ہے۔ اور افعل کی جمع فعال صرف اسی صیغہ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی۔ مذکر کو اعجف اور مونث کو عَجْفَاءُ کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی ہے دُبلا پتلا۔

قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خدا کی جانب سے ہو۔ اس کی تاویل وتعبیر ہوا کرتی ہے۔ دوسرا وہ جو شیطان کی جانب سے ہو۔ اس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔ اور تیسرا وہ جو خواب دیکھنے والے کے اپنے عقائد ورجحانات کے ماتحت ہو۔ پس جب بادشاہِ مصر نے خواب بیان کیا تو اس کے درباری تعبیر کے عالم کہنے لگے یہ اضغاثِ احلام ہیں اس کی کوئی تعبیر نہیں ہے۔ یعنی انہوں نے اس کو خواب کی دوسری قسم سے قرار دیا۔ اضغاث جمع ہے ضغث کی اور اس کا معنی ہوتا ہے متفرق اشیاء کی گٹھڑی اور بعض نے کہا ہے کہ گھاس کی مٹھی بھر مقدار کا نام ضغث ہے۔ جیسے کہ ایک مقام پر ارشاد ہے۔ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا اور اس مقام پر مراد ہے کہ یہ ملے جلے خواب ہیں ان کی کوئی تعبیر نہیں ہے۔ اَحْلَام جمع ہے حُلم کی اور اس کا معنی خواب میں کوئی چیز دیکھنا ہے۔

فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

پس جو کٹائی کرو اسے اپنے خوشوں میں رکھ دو سوائے تھوڑی مقدار کے جو کھانے کے لئے ضرورت ہو

ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ

پھر آئیں گے اس کے بعد سات سال (قحط کے)، سخت کہ کھائیں گے وہ جو تم نے ان کے لئے بچا رکھا ہو گا

وَادَّكَرَ ۔ باب افتعال ہے اصل میں اِذْتَكَرَ تھا قاعدہ کے مطابق تا کو دال سے تبدیل کیا گیا اور ذال کو دال بنا کر ادغام کر دیا گیا۔ اِدَّكَرَ بن گیا۔ اور ہمزہ وصلیہ کے گرنے سے وَادَّكَرَ ہو گیا۔ بادشاہ کا خواب دیکھنا۔ اور درباری لوگوں کا اس کی تعبیر سے عاجز آنا سبب بن گیا کہ حضرت یوسف کے قید کے ساتھی کو حضرت یوسف کا بھولا ہوا پیغام یاد آ گیا۔ پس موقعہ پا کر بادشاہ سے عرض کی کہ جب ہم دونو کو جیل میں بھیجا گیا تھا تو ہم نے اپنے اپنے خواب حضرت یوسف کے سامنے بیان کئے تھے۔ اور انہوں نے جو تعبیریں دیں وہ من و عن صحیح ثابت ہوئیں۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں۔ تو میں ان کے پاس حاضر ہو کر آپ کے خواب کی تعبیر لاتا ہوں۔ چنانچہ اس کو بھیجا گیا اور اس نے حضرت یوسف سے بادشاہ کا خواب نقل کیا اور ان سے تعبیر حاصل کر کے واپس آیا۔

تعبیر اس طرح تھی کہ سات موٹی گایوں اور سات سبز خوشوں سے مراد خوش حالی و سرسبزی کے سات سال ہیں۔ اور سات دبلی گایوں اور سات خشک خوشوں سے مراد بعد والے سات سال قحط کے ہیں جو پہلے سالوں کی حاصل شدہ پیداوار کو کھا جائیں گے۔ یعنی لوگ ان سالوں میں سابقہ سالوں کی بچت پر اپنا پیٹ پالیں گے۔ پس اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے سات سال اپنی حسب عادت خوب فصل کاشت کرو۔ (دأبًا کا مطلب عادت ہوا کرتا ہے) اور ہر سال کی پیداوار کو اپنے خوشوں میں محفوظ رکھ لو۔ صرف اسی قدر صاف کر کے رکھو جو اس سال کی ضرورت ہو کیونکہ صاف شدہ گندم کو کیڑا یا دوسری بیماری کا خطرہ ہوتا ہے اور اس کے خراب ہونے کا امکان رہتا ہے۔ لیکن خوشے کے اندر دانہ بالکل محفوظ رہتا ہے۔ خواہ کتنا عرصہ ہی اس پر گذر جائے۔ پھر آٹھواں سال بارش کا ہو گا اور اس میں لوگ خوشحال ہو جائیں گے۔

یُغَاثُ غیث سے ہے یعنی لوگوں پر بارش کا سال ہو گا اور یَعْصِرُوْنَ عصر سے ہے جس کا معنی ہے نچوڑنا۔ لیکن وہ حسب سابق انگور وغیرہ نچوڑیں گے۔ اور یہ خوش حالی سے کنایہ ہے۔

ذَرُوْهُ ۔ ذر اور ودع کا ایک معنی ہے۔ یعنی چھوڑ اور یہ کہ امر کے صیغے ہیں ان کی ماضی اس مادہ سے نہیں ہوتی۔

شِدَادٌ ۔ شدید کی جمع ہے شدت، صلابت اور صعوبت مترادف الفاظ ہیں۔

رکوع ۷

قَالَ الْمَلِكُ ۔ جب حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر بیان کی اور ساقی نے بادشاہ کو سنائی تو بادشاہ کے دل میں حضرت یوسفؑ کے علم کا سکہ بیٹھ گیا۔ اور یوسف کی محبت دل میں گھر کر گئی۔ فوراً

إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تُحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ

سوائے اس کے جو تم بچاؤ گے پھر آئے گا اس کے بعد ایک سال جس میں لوگوں پر بارانِ رحمت

يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ

ہوگی اور وہ قحط سے نجات پائیں گے اور حکم دیا بادشاہ نے کہ اُسے میرے پاس لاؤ تو جب

فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ

آپ کے پاس قاصد آیا آپ نے فرمایا جاؤ اپنے مالک کے پاس اور اس سے پوچھو کہ کیا معاملہ تھا عورتوں کا جنہوں نے

اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا

اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے ؟ تحقیق میرا رب ان کے مکر کو جاننے والا ہے (بادشاہ نے، پوچھا تمہارا کیا

خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا

واقعہ ہے جب کہ تم نے بلایا یوسف کو اپنی طرف ؟ کہنے لگیں معاذ اللہ ہم نے نہیں دیکھی اس پر

عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ

کوئی بُرائی عزیز کی عورت کہنے لگی اب ظاہر ہو گیا ہے حق

حکم دیا کہ یوسف کو میرے دربار میں حاضر کیا جائے۔ چنانچہ غلام نے آکر آپ کو یہ مژدہ سنایا تو حضرت یوسف نے نہایت متانت اور حوصلہ سے جواب دیا کہ میں اُس وقت تک قید خانہ سے باہر آنے کو تیار نہیں ہوں جب تک کہ میرے مقدمہ کے متعلق میری پوزیشن صاف نہ ہو جائے۔ اور میرا بری الذمہ ہونا بادشاہ و رعایا پر واضح نہ ہو جائے۔ یعنی میں صرف شاہی رحم و کرم کی بنا پر آزادی کا متمنّی نہیں ہوں بلکہ اپنی بے گناہی کے پیش نظر میں آزادی کا حق رکھتا ہوں لہٰذا جاکر اپنے ہاتھوں کو کاٹنے والی جملہ عورتوں سے دریافت کیا جائے کہ واقعہ کی حقیقت کیا ہے۔ اس مقام پر حضرت یوسف کا کس قدر محتاط رویہ ہے یہ نہیں فرمایا کہ زلیخا سے پوچھا جائے کیونکہ وہ عزیز مصر کی زوجہ تھی۔ اور سوءِ ادب کا احتمال تھا لیکن کنایہ کے لحاظ سے ضمنی طور پر وہ بھی اس گروہ میں شامل تھیں۔ پس بادشاہ نے عورتوں کو بلا کر دریافت کیا تو سب نے حضرت یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دی اور خود زلیخا نے صریح طور پر اعتراف کیا کہ یہ سراسر میری غلطی تھی اور وہ بالکل حق بجانب ہیں۔ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ: یہ حضرت یوسف کے کلام کا جملہ ہے کہ میں نے رہائی سے قبل اپنے مقدمہ کی تفتیش کا مطالبہ اس لئے کیا تھا تاکہ بادشاہ کو پتہ چل جائے کہ میں نے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی تھی کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو رہائی کے بعد بھی

اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٥١﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ

میں نے ہی اس کو اپنی طرف بلایا تھا اور تحقیق وہ سچا تھا یہ اس لئے کہ اسے پتہ

اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿٥٢﴾

چل جائے کہ میں نے پس پشت بھی اسکی خیانت نہیں کی اور تحقیق اللہ نہیں انجام بخیر کرتا خیانت کرنیوالوں کے مکر و فریب کا

اس کے دل میں یہ احساس رہتا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے میری خیانت کی ہے بے شک حضرت یوسف علیہ السلام کا حلم و حوصلہ اور عزم و استقلال قابل داد و ستائش ہے کہ باوجودیکہ بے جرم قید تھے اور مظلوم تھے لیکن جب بھی تعبیر خواب کے لئے بادشاہ سائل بن کر پیش ہوا تو انہوں نے بخل سے کام نہیں لیا۔ اور نہ اس مشکل کشائی کے بدلہ میں اپنی رہائی کا مطالبہ کیا ورنہ اگر کوئی جلد باز اور جذباتی قسم کا انسان ہوتا تو مسئلہ بیان کرنے میں بخل کرتا اور جواب مسئلہ کو اپنی رہائی سے مشروط کر دیتا۔ نہ انہوں نے پہلے شرط لگائی کہ قید سے آزاد کرو تب بتاؤں گا اور نہ مسئلہ بتانے کے بعد جب کہ وہ ممنونِ احسان ہو چکے تھے۔ اپنی آزادی کا مطالبہ کیا اور لطف یہ کہ جب انہوں نے اپنی جانب سے پیش کش کی تو نہایت فراخدلی اور بلند حوصلگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن کے رحم و کرم کی پیش کش کو پائے تحقیر سے ٹھکرا دیا اور مقدمہ کی تفتیش اور فیصلہ پر نظر ثانی کا مطالبہ کیا تاکہ رہائی کا حکم رحم و کرم کی بنا پر نہ سمجھا جائے بلکہ استحقاق کے پیش نظر ہو۔ اور سابق کی قید استحقاق کی بنا پر نہ سمجھی جائے بلکہ ظلم قرار دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ورنہ اگر کوئی جذباتی قسم کا بندہ ہوتا تو اپنی قید سے رہائی کی پیش کش کو نعمتِ غیر مترقبہ بلکہ سلطانِ وقت کا احسانِ عظیم سمجھتا اور اپنے دامن کی آلودگیوں کو نظر انداز کر کے مخدوش زندگی کو ہی غنیمت سمجھتا۔ جیسا کہ کم ہمت لوگوں کا شیوہ ہے۔ اور اسی مطلب کی ایک حدیث بھی جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے جس میں حضورؐ نے حضرت یوسف کے اس بلند کردار کو سراہتے ہوئے اپنی جانب منسوب کیا کہ اگر میں ہوتا تو جواب مسئلہ کو رہائی پر مشروط کرتا یا رہائی کی پیش کش کو فوراً قبول کر لیتا۔ حالانکہ حضورؐ اخلاق و کردار میں یوسف بلکہ جملہ انبیاء کے لئے پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں تو اس مقام پر آپ کا یہ فرمانا کہ میں ہوتا تو ایسا کرتا تمثال کے لئے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی عام جلد باز و جذباتی و ناعاقبت اندیش آدمی ہوتا تو ایسا کرتا اور حضورؐ کی یہ عادت تھی کہ اپنے اخلاق کریمانہ کے پیش نظر ایسی باتوں کو بجائے مخاطبین کے اپنی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔

اور بعض مفسرین نے ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ کو زلیخا کے کلام کا تتمہ قرار دیا ہے۔ یعنی میں یوسف کی عدم موجودگی میں حق و صداقت کی گواہی پیش کر رہی ہوں تاکہ اُسے پتہ چل جائے کہ میں نے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی اور میں اپنے نفس کو بالکل بری بھی نہیں قرار دیتی کیونکہ میں نے ہی اس پر الزام لگا کر قید و بند کی صعوبتوں میں اس کو مبتلا کیا ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت کا مضمون ہے۔

۱۳
پارہ

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ج اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ

اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا تحقیق نفس برائی کا حکم کرتا ہے مگر وہ جس پر میرا رب رحم کرے

اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِیۡ بِهٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡهُ

تحقیق میرا رب غفور رحیم ہے اور بادشاہ نے کہا اس کو لے آؤ کہ میں اس کو اپنا مخصوص

رکوع ۱

وَمَآ اُبَرِّئُ - اکثر مفسّرین کے نزدیک یہ یوسف کا قول ہے۔ اور بعضوں نے اسے زلیخا کا قول قرار دیا ہے لیکن پہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور حضرت یوسف نے کسر نفسی اور تواضع کے طور پر فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا کیونکہ فطرتاً نفس شہوانیات کی طرف مائل ہوتا ہے۔ سوائے ان کے جن کو خدا محفوظ رکھے۔ پس اپنی عصمت کو احسانِ پروردگار بتایا۔

وَقَالَ الۡمَلِكُ :۔ جب بادشاہ پر حضرت یوسف کی پاکدامنی کا راز کھل گیا تو چونکہ وہ آپ کے فضل و کمال کا دلدادہ بھی ہو گیا تھا۔ پس اس نے حضرت یوسف کو تدبیر مملکت میں شریک کرنے کا اپنے دل میں فیصلہ کر لیا۔ اور آپ کو زندان سے رہا کر کے اپنے ہاں مہمان بنا لیا۔ پس خلوت میں کافی دیر تک باہمی گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ بادشاہ کا دل ہر حیثیت سے حضرت یوسف نے موہ لیا۔ اور ان کا بالکل گرویدہ بن گیا۔

بعض مفسّرین نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یوسف کو حکومت کی طرف سے مقدمہ سے برات کا مژدہ پہنچا۔ تو آپ نے غسل کیا قید خانہ کی میل جسم سے دور کی۔ اور فاخرہ لباس زیب تن فرما کر دربار شاہی میں تشریف لائے۔ اس وقت آپ کی عمر تیس برس تھی۔ اور مروی ہے کہ قید سے نکلتے ہوئے آپ نے قیدیوں کے لئے یہ دعا کی۔ اے پروردگار اس قوم کی طرف نیک لوگوں کے دلوں کو مائل کر۔ اور ان لوگوں کو دنیاوی حالات سے بے خبر نہ رکھ۔ اور کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ملک میں ظاہری حالات اور سیاسی واقعات کا علم آزاد لوگوں کی بہ نسبت قیدیوں کو زیادہ ہوا کرتا ہے۔ آپ نے بوقت وداع دروازۂ زندان پر چند کلمات لکھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) یہ زندہ لوگوں کا قبرستان ہے (۲) یہ غم کا گھر ہے (۳) یہ دوستوں کے پرکھنے کا مقام ہے (۴) یہ دشمنوں کی شماتت کی جگہ ہے۔ جب بادشاہ کے دروازہ پر پہنچے تو یہ کلمات زبان سے جاری فرمائے۔ حَسۡبِیۡ رَبِّیۡ مِنۡ دُنۡیَایَ وَحَسۡبِیۡ رَبِّیۡ مِنۡ خَلۡقِهٖ عَزَّ جَارُهٗ وَجَلَّ ثَنَاؤُهٗ وَلَاۤ اِلٰهَ غَیۡرُهٗ اور جب بادشاہ پر نظر پڑی تو یہ کلمات پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ بِخَیۡرِكَ مِنۡ خَیۡرِهٖ وَاَعُوۡذُبِكَ مِنۡ شَرِّهٖ وَمِنۡ شَرِّ غَیۡرِهٖ۔ جب بادشاہ نے اس کی جانب نظر اٹھائی تو یوسف نے زبان عربی میں اس پر سلام کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کونسی زبان ہے تو آپ نے فرمایا یہ میرے چچا حضرت اسمٰعیل کی بولی ہے۔ پھر عبرانی زبان میں بادشاہ کو دعا کی۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کونسی

لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ ﴿۵۴﴾

رازدار بنالوں جب اس سے بات کی تو (یوسف سے) کہا کہ تو اب ہمارے نزدیک ذی وقار امین ہے

قَالَ اجۡعَلۡنِىۡ عَلٰى خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ‌ ۚ اِنِّىۡ حَفِيۡظٌ عَلِيۡمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ

(یوسف نے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مامور کر دیجئے کہ میں اس کا باخبر محافظ ہوں اور اسی طرح

زبان ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہ میرے باپ دادا کی بولی ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ بادشاہ ستر زبانوں کا ماہر تھا اور وہ جس زبان میں کلام کرتا تھا حضرت اسمٰعیل اس کو اسی زبان میں جواب دیتے تھے۔ بادشاہ کو آپ کی زبان دانی اور حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا۔ پس بادشاہ نے کہا کہ میں اپنا خواب آپ سے سننا چاہتا ہوں۔ حضرت یوسف نے بادشاہ کا خواب بیان کرنا شروع کیا۔ اے بادشاہ تو نے سات رنگ برنگی سفید پیشانی والی خوبصورت اور موٹی تازی گائیں دیکھیں جو دریائے نیل سے نکل کر اس کے کنارہ پر آئیں۔ ان کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا تھا تو ان کے حسن میں محو حیرت تھا کہ اچانک دریائے نیل خشک ہو گیا۔ اور اس کے بقیہ گرم پانی اور کیچڑ میں سے سات دبلی پتلی بدشکل گائیں برآمد ہوئیں جن کے پیٹ پشت سے ملے ہوئے تھے نہ ان کے تھن تھے نہ دودھ۔ البتہ ان کے دانت بڑے تھے۔ ان کے اگلے پیر کتوں کی طرح اور سونڈ درندوں کی طرح تھی ان کو پھاڑ ڈالا۔ ان کے چمڑوں کو ٹکڑے کیا۔ ان کی ہڈیوں کو توڑ دیا۔ ان کا گوشت نوچ نوچ کر کھا لیا اور ان کی چربی کو چاٹ اور چوس لیا ابھی تو یہ ماجرا دیکھ کر دریائے تعجب وحیرت میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک سات سرسبز خوشے ظاہر ہوئے اور ان کے ساتھ سات خشک وسیاہ خوشے بھی نمودار ہوئے جو ایک ہی جگہ کی پیداوار تھے۔ ابھی تو یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سبز کیوں ہیں اور وہ خشک وسیاہ کیوں ہیں؟ حالانکہ دونوں کی جڑیں پانی میں ہیں اور ایک جگہ کی پیداوار ہیں کہ اچانک ہوا چلی اور اس نے سیاہ خوشوں میں سے ایک مادہ کو اڑایا جو سرسبز خوشوں پر پڑا۔ پس ان میں آگ بھڑک اٹھی۔ اور اُن کو جلا کر کوئلہ کر دیا۔ اور یہ تیرے خواب کا آخری حصہ ہے جس کے بعد تو گھبرا کر بیدار ہو گیا۔ بادشاہ نے سُن کر کہا کہ میرا خواب اس قدر تعجب ناک نہیں جتنا کہ آپ کا اس کی تفصیل سے باخبر ہونا تعجب خیز ہے۔ پس اب اس کا حل بتائیے تو آپ نے فرمایا کہ انبار تعمیر کرا دیجئے اور آباد سالوں کی پیداوار جو وقتی ضرورت سے زائد ہو خوشوں سمیت ان میں جمع کراتے جائیے تاکہ خراب نہ ہوں۔ پس ہر قحط کے سال میں حسب ضرورت گندم کا دانہ انسانوں کے کام آتا رہے گا۔ اور بھوسہ حیوانوں کے کام آئے گا اور گرد و نواح کے لوگ آپ سے جنس خرید لیں گے۔ پس تمام اطراف کا سونا کھچ کر تمہارے خزانہ میں آجمع ہوگا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کام بہت لمبا اور بڑا اہم ہے۔ اس کو انجام دینے کے لئے کوئی مدبّر نیک نیّت اور امین آدمی چاہیئے۔ تو اس کے جواب میں حضرت یوسف نے فرمایا اِجۡعَلۡنِىۡ عَلٰى خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ یعنی زمین کے خزانوں کا امین اور مدبر مجھے بنا دیجئے میں اس عہدہ کو اچھی طرح سنبھال سکتا ہوں۔ کیونکہ مختلف ضرورتمند

لوگ جب اطراف و نواح سے آئیں گے تو ان کی زبانیں جُدا جُدا ہوں گی۔ لہٰذا یہاں وہ شخص کام کر سکتا ہے جو مختلف زبانوں کا عالم و ماہر ہو۔ پس حضرت یوسف ہی اس عہدہ کے لئے موزوں تر تھے۔ اور انہی کو نامزد کر لیا گیا۔ اس مقام سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ جہاں لوگ نہ پہچانتے ہوں۔ انسان اپنا فضل و کمال بیان کر کے اپنا تعارف کرا سکتا ہے تاکہ لوگوں کو فائدہ پہنچ سکے۔ اور یہ چیز خود ستائی کے عیب بد سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو (یعنی خود ستائی نہ کرو۔ اور حضرت یوسف نے لوگوں کے افادہ کے لئے اپنی تعریف کی کہ میں حفیظ اور علیم ہوں۔ اور منقول ہے کہ بادشاہ نے سابق عزیز مصر قطفیر (شوہر زلیخا) کو معزول کر کے اس کی جگہ حضرت یوسف کو مقرر کیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قطفیر اس سال فوت ہوا اور اس کی جگہ حضرت یوسف نے لی۔ اور اس کے بعد حضرت یوسف کو عزیز مصر کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

بروایت عیاشی امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت یوسف نے ولایت و حکومت اس لئے طلب کی تھی کہ اللہ کے احکام کی ترویج کرے اور حق کی توسیع کرے۔ اور مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے خدا میرے بھائی یوسف پر رحم کرے کہ اگر وہ یہ نہ کہتے کہ مجھے اس کے خزانوں پر مقرر کیا جائے تو اس کو اُسی وقت سے حکومت سپرد کر دی جاتی لیکن اس وجہ سے دو سال کی تعویق میں پڑ گئے۔ اور دوسرے سال ان کو عنانِ حکومت سپرد ہوئی

شباب زلیخا

تفسیر مجمع البیان میں تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ جب عزیز مصر مر گیا اور یہ زمانہ قحط کا تھا لیس زلیخا کی کفالت کرنے والا کوئی نہ رہا۔ اور وہ فقر و فاقہ کا شکار ہو گئی۔ حتیٰ کہ دست سوال دراز کرنے تک اس کی نوبت پہنچی۔ لوگوں نے اس کو مشورہ دیا کہ اپنی حالت زار عزیز مصر (یوسف) سے بیان کرو۔ تو اُس نے جواب دیا کہ مجھے شرم آتی ہے۔ لیکن جب لوگوں نے اصرار کیا تو وہ بھی آمادہ ہو گئی اور ایک دن حضرت یوسف کے راستہ میں بیٹھ گئی جب حضرت یوسف اپنی شاہانہ شکوہ کے ساتھ وہاں سے گذرے تو زلیخا نے کھڑے ہو کر نیاز مندانہ طریق سے یہ کلمات کہے سُبْحَانَ مَنْ جَعَلَ الْمُلُوْكَ بِالْمَعْصِيَةِ عَبِيْدًا وَجَعَلَ الْعَبِيْدَ بِالطَّاعَةِ مُلُوْكًا (پاک ہے وہ اللہ جس نے بادشاہوں کو گناہوں کی سزا میں غلام بنا دیا اور غلاموں کو اطاعت کی جزا میں بادشاہ بنا دیا) حضرت یوسف رُک گئے اور فرمایا تو وہی (زلیخا) ہے؟ کہنے لگی۔ ہاں! تو آپ نے فرمایا کیا تجھے میری ضرورت ہے؟ کہنے لگی اس بات کو رہنے دیجئے۔ اب میں بوڑھی یائسہ ہو چکی ہوں کیا آپ میرے ساتھ مسخری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تو سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ مسخری نہیں ہے تو کہنے لگی کہ ہاں (یعنی مجھے اب بھی آپ کی ضرورت ہے، پس حضرت یوسف نے اس کو اپنی دولتسرا میں بھجوا دیا۔ اس وقت وہ بوڑھی ہو چکی تھی۔ حضرت یوسف نے فرمایا تو نے میرے ساتھ فلاں فلاں برتاؤ کیا تھا کہنے لگی۔ اے خدا کے نبی! مجھے سرزنش نہ کیجئے میں ایک ایسی مصیبت زدہ ہوں کہ میری طرح شاید کوئی بھی مصیبت میں گرفتار نہ ہو گا۔ آپ نے پوچھا کہ کیسے؟ تو اُس نے عرض کی اوّلاً تو میں آپ کی محبّت میں گرفتار ہوں کہ خدا نے سب تجھے

بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ

کوئی غلہ نہ ہوگا تمہارے لئے میرے پاس اور نہ تم میرے پاس آنا کہنے لگے پر زور مطالبہ کریں گے ہم اس کا

اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ

اپنے باپ سے اور ہم ضرور ایسا کریں گے اور اپنے غلاموں سے فرمایا کہ رکھ دو ان کا مال بھی ان کی بوریوں میں تاکہ

رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ

گھر جا کر اسے پہچان سکیں تاکہ وہ واپس

يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا

لوٹیں تو جب باپ کے پاس پلٹے کہنے لگے بابا جان! (آیندہ کے لئے) ہم سے

ہیں۔ فرمایا کیا بات ہے کہ باپ نے تم سب کو بھیج دیا اور ایک کو اپنے پاس مانوسیت کے لئے روک لیا۔ کہنے لگے وہ اس لئے کہ اوّلاً تو ہم سے کم سن ہے۔ اور ثانیاً وہ اس کا بھائی ہے جس کو بھیڑیے کھا گئے تھے۔ پس ہمارے باپ کو اس سے تسلی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے اس بیان کی صداقت پر کیا دلیل ہے۔ کہنے لگے۔ اے بادشاہ ہم لوگ یہاں مسافر ہیں۔ لہٰذا نہ کوئی ہمیں پہچانتا ہے۔ اور نہ ہم اپنی صداقت کا یہاں کوئی گواہ پیش کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم اپنے بیان کی صداقت کے لئے اپنے اس پدری بھائی کو لے آؤ جس کو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو کہنے لگے کہ اگرچہ ہمارے باپ کو اس کا فراق گوارا نہیں ہے تاہم کسی بہانہ سے اس کو اپنے ہمراہ لانے کی کوشش کریں گے۔ آپ نے فرمایا ایک ضامن مجھے دے دو جو تمہارے بھائی کے لانے تک میرے ہاں رہے گا۔ پس انہوں نے قرعہ اندازی کی تو شمعون کا نام نکلا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت یوسف نے خود اس کو انتخاب کر لیا۔ کیونکہ وہ باقی برادری سے دانا تھا۔ چنانچہ وہ اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ :حضرت یوسف نے سخت تاکید کے طور پر فرمایا کہ اگر تم اپنے پدری بھائی یعنی بن یامین کو اپنے ہمراہ نہ لاؤ گے تو تمہارا میرے پاس کوئی مقام نہ ہوگا اور نہ تمہیں دوبارہ غلہ دیا جائے گا۔

فَلَا كَيْلَ : یہاں مراد غلہ ہے جو کیل سے دیا جاتا ہے گویا کیل سے مکیل مراد ہے۔ پہلی آیت میں اپنے بھائی کے لئے آنے پر ان کو انعام و اکرام کا لالچ دیا۔ اور احسان کی پیش کش کی۔ جیسا کہ کنایہ کی زبان سمجھنے والوں پر واضح ہے۔ اور دوسری آیت میں بھائی کے نہ لانے کی صورت میں ان کو سخت تنبیہ کی اور اپنے ملک میں داخلہ سے بھی روک دیا کہ نہ تمہارے لئے کیل ہوگا اور نہ تمہیں میرے پاس آنے کی اجازت ہوگی۔ اور حضرت یوسف بذریعہ ترجمان کے عبرانی زبان میں ان سے باتیں کرتے تھے۔ خود عبرانی زبان میں اس لئے نہ بولتے تھے کہ وہ پہچان نہ لیں کیونکہ اگر ان کو علم ہو جاتا کہ یہ یوسف ہے تو وہ شرم کے مارے باپ کو منہ دکھانے کے

الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ

کیل روک دیا گیا ہے پس بھیجئے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو کہ کیل حاصل کریں اور ہم اس کی حفاظت کریں گے فرمایا نہیں

هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِن قَبْلُ ۖ

میرا تم کو امین سمجھنا اس پر مگر اسی طرح جیسے کہ تم کو امین سمجھا اس کے بھائی پر

نہ رہتے پس ترک وطن کر کے جنگلوں میں بسر اوقات کرتے اور باپ کی خدمت سے محروم ہو جاتے۔ پس اسی مصلحت کی بنا پر حضرت یوسف نے ان کو بھجوانا مناسب نہ سمجھا۔

قَالَ لِفِتْيَانِهِ۔ حضرت یوسف نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ ان کے غلّہ کی بوریوں میں اُن کا اپنا لایا ہوا سامان بھی رکھ دو۔ جو بطور قیمت کے انہوں نے ادا کیا ہے۔ اور مروی ہے کہ وہ اپنے ملک سے چمڑے کا سامان لائے تھے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ:۔ ان کا سامان ان کی بوریوں میں بند کرنے میں یہ مصلحت تھی کہ وہ اس بہانہ سے ضرور واپس آئیں گے (۱) وہ سمجھیں گے کہ غلّہ دے کر ہمارا سامان واپس کرنے والا محسن ہے۔ اور اس کے احسان و اکرام کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بطور ایفائے عہد و جزائے احسان واپس جائیں (۲) یا وہ سمجھیں گے کہ غلہ کے ساتھ ہمارے سامان کا واپس آنا ممکن ہے ملازمین کی بے احتیاطی سے ہو۔ لہٰذا وہ اپنی دیانت و امانت کے پیش نظر اُسے واپس کرنے کے لئے پلٹیں گے۔

بروایت ابو بصیر حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت یعقوب کو سال میں دو دفعہ مصر سے غلہ منگوانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ پس جب پہلی دفعہ قافلہ کے ساتھ اپنے بیٹوں کو بھیجا تو حضرت یوسف نے ان کو فوراً پہچان لیا۔ اور باقی تمام قافلوں سے پہلے ان کو غلّہ دے کر فارغ کیا اور نہایت خوش اخلاقی سے پیش آئے حتیٰ کہ ان کا اپنا سامان بھی واپس کر دیا

فَلَمَّا رَجَعُوا۔ پس حضرت یوسف کے بھائی غلّہ لے کر مصر سے روانہ ہوئے اور بعافیت اپنے وطن کنعان پہنچے۔ دھیمے لہجہ میں شرماتے ہوئے باپ کا سلام کہا تو انہوں نے دریافت فرمایا اے میرے فرزندو! کیوں دھیمی آواز سے سلام کر رہے ہو اور تم میں شمعون کی آواز نہیں ہے وہ کہاں گیا؟ کہنے لگے اے پدر نامدار! ہم ایک بہت بڑے شہنشاہ کی جانب سے آئے ہیں کہ حکمت و حلم خشوع و فروتنی اور ہیبت و وقار میں کوئی اُس کا ہم پلہ ہم نے نہیں دیکھا۔ اگر آپ کے ساتھ کسی کو تشبیہ دی جاسکتی تو وہ بلا کم و کاست آپ کی نظیر ہے۔ اور بایں ہمہ ہمارا خاندان تو مصائب و آلام کا نشانہ بن چکا ہے۔ بادشاہ موصوف کو ہمارے اُوپر اعتماد نہیں اور وہ ہماری بیان کردہ سرگذشت پر باور نہیں کرتا۔ آپ ازراہ کرم ایک خط لکھ کر ابن یامین کو ہمارے ہمراہ بھیجیں جس میں اپنی مصیبت کی روداد بڑھاپے کی سرعت اور بینائی کے کھو جانے کا سبب درج فرمائیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو وہ بادشاہ ہم سے بائیکاٹ کرے گا اور دوبارہ ہمارے ساتھ لین دین نہ کرے گا۔

قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ:۔ حضرت یعقوبؑ سے جب بیٹوں نے بن یامین کے ہمراہ لے جانے کا مطالبہ کیا تو فرمایا کہ اس معاملہ میں

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۖ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ

پس اللہ بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے اور جب انہوں نے سامان کھولا تو اپنی

وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۗ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۗ هٰذِهٖ

پونجی کو دیکھا کہ وہ واپس کی گئی ہے تو کہنے لگے اے بابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ

بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ

ہماری پونجی بھی واپس کی گئی ہے ہم اہل خانہ کے لئے خوراک لائیں گے اور بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک

كَيْلَ بَعِيْرٍ ۗ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ

اونٹ کا بھار بھی زیادہ لائیں گے کیونکہ یہ کیل (ہماری ضرورت سے) تھوڑا ہے فرمایا میں اس کو ہرگز تمہارے ہمراہ نہ بھیجوں گا

تمہارا امین سمجھنا ایسا ہے جس طرح قبل ازیں یوسف کے بارے میں تم کو امین سمجھا گیا۔ اس مرتبہ حضرت یعقوب اگرچہ جانتے تھے کہ سابقہ خیانت کا اعادہ نہیں ہوگا تاہم سرزنش کے طور پر بیٹوں کو حضرت یوسف کا معاملہ جتلایا اور یہ باتیں اونٹوں سے سامان اتارنے سے پہلے ہو رہی تھیں۔ اس مجمل گفت و شنید کے بعد مفصل بات چیت تک معاملہ پہنچا۔ جب سامان اتارا گیا اور قیمت کو واپس پلٹا ہوا دیکھا گیا۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا۔ جب انہوں نے اپنا سامان کھولا۔ اور اپنی پونجی کو واپس پلٹا دیکھا تو خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ دوڑے ہوئے خوش خوش حضرت یعقوبؑ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی یٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ؟ بابا جان ہمیں اور کیا چاہیئے؟ دیکھیے وہ بادشاہ کس قدر نیک رحم دل اور احسان شعار ہے کہ ہمیں اپنی ادا کردہ قیمت بھی اس نے واپس کر دی ہے۔ پس اب ہم اپنے بھائی ابن یامین کو ساتھ لے جائیں گے جس سے ہمیں کئی فائدے ہوں گے۔

(۱) ہمارے ساتھ بادشاہ مصر کا معاملہ باقی رہے گا اور وہ ہمیں غلہ دینے سے انکار نہ کرے گا (۲) اس کے احسان و حسن سلوک کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہمیں ایفائے عہد کے طور پر دوبارہ اس کے پاس جانا چاہیئے (۳) چونکہ شاہ مصر کا دستور ہے کہ ہر آدمی کو غلہ ایک اونٹ کا بھار دیتا ہے اور اس سے زیادہ نہیں دیتا۔ اس دفعہ ہم دس بھار لائے ہیں جو ہماری ضروریات کے لئے ناکافی ہیں اب بن یامین کے ساتھ جانے میں ایک اونٹ کا بھار بھی زیادہ ہو جائے گا۔ اور بادشاہ بھی خوش ہو جائے گا۔

لَنْ اُرْسِلَهٗ۔ حضرت یعقوب نے بیٹوں کی تفصیلی درخواست سماعت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں بن یامین کو ہرگز تمہارے ساتھ بھیجنے کے لئے تیار نہیں ہوں جب تک کہ تم میرے ساتھ پختہ عہد نہ کرو کہ اس کو ضرور واپس لاؤ گے یا یہ کہ اس کی حفاظت کی خاطر تم سب کے سب اپنی جان تک قربان کر دو گے۔ اور اس تاکید کا مقصد یہ ہے کہ تمہارا تنہا واپس آ کر کوئی عذر پیش کرنا میرے

حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ

جب تک کہ تم میرے ساتھ اللہ کی جانب سے پکا عہد نہ کرو کہ اس کو ضرور لاؤ گے مگر یہ کہ تم سب مارے جاؤ تو جب انہوں نے

مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا

پختہ عہد کیا (حضرت یعقوب نے) فرمایا کہ ہماری گفتگو پر اللہ وکیل ہے اور فرمایا اے بیٹو! ایک دروازہ سے

مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ

داخل نہ ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا اور میں تمہیں اللہ سے نہیں بچا

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

سکتا کچھ بھی نہیں حکم مگر اللہ کا اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی پر ہی توکل کرنیوالوں کو

لئے قابل قبول نہ ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ انہوں نے حضرت خاتم الانبیاء کے حق کی قسم کھائی اور عہد کیا کہ ہم اس کو بخیریت واپس لائیں گے تب حضرت یعقوب نے بن یامین کو ساتھ لے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

وَقَالَ يَا بَنِيَّ - جب حضرت یعقوب کے بیٹے مصر جانے کے لئے تیار ہوئے اور بن یامین بھی ان کے ہمراہ آمادۂ سفر ہوا تو حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو ہدایت کی کہ تم اکٹھے ایک دروازہ سے مت داخل ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے شہر مصر میں داخل ہونا۔ اس وقت شہر کے چار دروازے تھے پس باپ کی ہدایت کے ماتحت وہ الگ الگ ان چار دروازوں کے ذریعے شہر میں داخل ہوئے۔ کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب کے سارے فرزند حسن و جمال اور خوبی و کمال میں یکتائے روزگار تھے اور نہایت تنومند اور قدآور اور جاذب نظر صباحت و شہامت کے مالک تھے۔ اگر وہ مل کر ایک دروازہ سے گذرتے اور پوچھنے والا پوچھتا کہ یہ کون ہیں۔ اور پھر جواب ملتا کہ یہ سب ایک ہی گھرانے کے چشم و چراغ اور ایک ہی باپ کا سرمایہ زندگی ہیں تو ممکن ہے کسی کی نظر بد ان کا تعاقب کرتی یا کوئی حاسد ان کے درپے آزار ہوتا۔ انہی وجوہ کی بنا پر آپ نے اپنے بیٹوں کو الگ الگ دروازوں سے داخلے کا حکم صادر فرمایا۔

نظر بد

اکثر محققین نظر بد کے بداثرات کے قائل ہیں۔ ہمارے ملک و وطن میں نظر بد کی وبا اس قدر عام ہے کہ اس کے اثبات کے لئے دلیل و برہان کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی امر کا وقوع اس کے عقلی امکان کی دلیل سے بے نیاز کر دیا کرتا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے۔ اِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ وَالْعَيْنُ تَنْزِلُ الْحَالِقَ تحقیق نظر بد کا ہونا صحیح ہے اور یہ نظر پہاڑ کی چوٹی کو بھی گرا دیا کرتی ہے اور حدیث شریف میں جناب رسالتمآبؐ کا حسنین شریفین

کو تعویذ کرنا منقول ہے اُعِیْذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ اور مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دو نو بیٹوں کو یہی تعویذ دیا تھا۔ اور اگر کسی شخص کو نظر بد کا تعویذ دیا جائے تو پہلے لفظ اُعِیْذُ کُمَا کی بجائے اُعُوْذُ لکھا جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل جو تعویذ نظر بد کے لئے حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں لایا تھا وہ یہ ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ عَیْنٍ حَاسِدٍ اللّٰہُ یَشْفِیْکَ اور حضورؐ سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر سکتی ہوتی تو نظر بد تقدیر سے سبقت کرتی۔

علامہ طبرسی قدس سرہ نے اس کے متعلق سیّد رضی اعلی اللہ مقامہ کی جو تحقیق انیق پیش فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ خداوند کریم اپنی مصلحت کے پیش نظر بندوں کی خیر و صلاح کا انتظام فرماتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک کی نعمت کا زوال دوسرے کی مصلحت کے لئے ہو کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس سے نعمت سلب نہ کی جائے تو وہ دنیاوی منافع میں مغرور ہو کر آخرت سے پہلوتہی کرے گا۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اس سے ایک نعمت اچانک سلب کر لینے کے بعد اس کو اُسی قسم کی دوسری نعمت عطا فرما دیتا ہے۔ تاکہ ناامیدی و یاس سے بھی بچ جائے اور دنیاوی اشیاء کی محبت میں گرفتار بھی نہ ہو۔ پس خوف و رجاء کے درمیان زندگی کے لمحات بسر کرتا رہے۔ اسی بنا پر بعض اوقات اس کو نعمت رفتہ کا بدلہ فوری طور پر دنیا میں نہیں دیا جاتا بلکہ اس کے صبر و حوصلہ اور رضا و ضبط نفس کا امتحان ہوتا ہے۔ اور اس کا بدلہ آخرت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پس جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ نظر بد کا ہونا حق ہے۔ اس کی یہی تاویل درست ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ نیز مروی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں جس شئی کی عظمت آجائے خدا اس کو پست کر دیتا ہے۔ بنابریں جب کوئی دیکھنے والا کسی شئی کو بنظر استحسان دیکھے اور وہ چیز اُس کو خوب بھا جائے اور اس کی عظمت اس کے دل میں گھر کر جائے تو خدا فوراً اس کی حالت کو تبدیل کر دیتا ہے اور "ہر کمالے را زوال" کا مقولہ "آواز خلق نقارہ خدا" کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خداوند عظیم نے اس علل و اسباب کی دنیا میں ہر شے کی بلندی و عظمت کی ایک حد مقرر کی ہے جس سے آگے بڑھنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ پس جب چیز بلندی و عظمت کو پہنچ جائے تو پھر اس کا زوال ہی متوقع ہو سکتا ہے۔ اور اس کا اچانک منصۂ شہود پر ظاہر ہونا اگرچہ باعث استعجاب و حیرت کن ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ فطرت کی عادی رفتار سے ہوا کرتا ہے۔ اور جس طرح ظاہر میں کمال کے آخری زینہ پر پہنچنے کے بعد پستی کی طرف رجوع فطریات میں سے ہے۔ اسی طرح شخصی انظار و افکار کے نتائج کا بھی یہی عالم ہے کہ جو چیز کسی فرد کی نظروں میں یا اس کے دل و دماغ میں کافی عظمت حاصل کر لیتی ہے۔ خدا اس کے سامنے اس کی عظمت کو ختم کر دیتا ہے۔ اور یہ اس کی قدرت غیر فانیہ کا ادنی کرشمہ ہے۔ اور نظر بد کے اثبات اسی دستور خداوندی کی واضح مثالیں ہیں۔ اسی بنا پر وارد ہے کہ جب کوئی دیکھنے والا کسی شے کے حُسن و خوبی پر فریفتہ ہو اور کوئی شے اس کو بھا لے تو فوراً عظمت پروردگار کو دل میں لائے۔ اور اس شے کو اللہ کی پناہ میں دے اور محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجے تاکہ اس کی نظر بد نظر خیر سے بدل جائے کیونکہ خدا کی عظمت کو بھلا کر کسی شے کی عظمت کو دل میں لانا ہی نتائج بد کا موجب ہوتا ہے ہم نے سید رضی اعلی اللہ مقامہ

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا

توکل کرنا چاہیئے اور داخل ہوئے (مصر میں) جہاں سے ان کو باپ نے حکم دیا تھا (یہ صورت حال) ان

كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ

کو نہیں بچا سکتی تھی اللہ (کی گرفت) سے (اگر وہ چاہتا) لیکن یہ حضرت یعقوب کے دل میں خواہش تھی جو اس نے

قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

پوری کی اور تحقیق وہ خود بھی اس بات کو جانتے تھے کیونکہ ہم نے اس کو علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں

کی عبارت کا تحت اللفظ ترجمہ نہیں کیا بلکہ اپنے انداز سے اُسے وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے اور نظرِ بد کی تحقیق میں فلاسفہ یونان اور حکماء کی آراء میں کوئی اتفاق نہیں ہے۔ اجمالی طور پر شیخ ابوعلی سینا نے کتاب الاشارات میں صرف یہ لکھا ہے کہ جس طرح بدن میں نفس کے اثرات موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض نفوس کی اپنے بدن سے باہر بھی روحانی تعلق کی بنا پر تاثیر ہوا کرتی ہے۔

ما کان: یعنی حضرت یعقوب کے فرزندوں کا مختلف دروازوں میں داخل ہونا اُن کو نظرِ بد یا حسد سے نہیں بچا سکتا تھا۔ پس اگر خدا چاہتا تو باوجود مختلف دروازوں سے داخل ہونے کے اُن کو نظرِ بد یا حسد کی تاثیر بد کا گرفتار بنا دیتا اور حضرت یعقوب نے جیسا کہ گذشتہ آیت میں ہے انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ میں تم کو اللہ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتا۔ پس اپنے بیٹوں کو مختلف دروازوں سے داخلے کا حکم صرف اطمینانِ قلب کے لئے دیا تھا۔

قصہ: اب دوسری دفعہ حضرت یعقوب کے دس فرزند شہر مصر میں داخل ہوئے۔ بن یامین ان میں شامل تھا۔ اور شمعون کو پہلے سے حضرت یوسف نے اپنے پاس ٹھہرا لیا تھا۔ حضرت یوسف نے ان سب کو اپنے ہاں مہمان کیا۔ جب یہ سب شاہی دسترخوان پر پہنچے تو حضرت یوسف نے حکم دیا کہ دو بھائی ایک ایک برتن سے کھائیں۔ چنانچہ مادری دو۔ دو بھائی دسترخوان پر اکٹھے بیٹھتے گئے اور آخر میں بن یامین بچ گئے۔ آپ نے فرمایا تو اپنے بھائیوں کے ہمراہ دسترخوان پر نہیں بیٹھتا؟ تو اُس نے جواب دیا ان میں سے میرا مادری بھائی کوئی بھی نہیں ہے۔ حضرت یوسف نے دریافت کیا کہ تیرا مادری بھائی کوئی نہیں ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ ایک تھا جس کے متعلق میرے بھائی کہتے ہیں کہ اس کو بھیڑیے نے کھا لیا تھا۔ حضرت یوسف نے پوچھا کہ تیرے دل میں اس بھائی کی جدائی کا کتنا درد ہے تو اس نے جواب دیا کہ خدا نے مجھے گیارہ لڑکے عطا کئے ہیں۔ اور ہر ایک کا نام میں نے اس کے نام سے مشتق کیا ہے تاکہ اس کی یاد تازہ رہے۔ آپ نے فرمایا اگر تیرے دل میں بھائی کی جدائی کا غم ہوتا تو شادیاں نہ رچاتا۔ اور اولاد کی محبت کو خیرباد کہہ دیتا تو اُس نے جواب دیا کہ واقعی مجھے شادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن میرے والد بزرگوار نیک اور خدارسیدہ بزرگ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں شادیاں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ

جانتے ۔ اور جب یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھایا کہنے لگا کہ

اَنَا۠ اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ

میں تیرا بھائی ہوں پس اس پر غم نہ کھاؤ جو وہ کرتے ہیں ۔ پس ان کو مطلوبہ جنس دے کر

بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ

رخصت کیا تو گلاس اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ

کرو تاکہ تمہاری نسل سے خدا کا نام لینے والے پیدا ہوں ۔ پس حضرت یوسف نے کہا کہ تم میرے ہمراہ کھانا کھاؤ ۔ جب باقی بھائیوں نے دیکھا تو کہنے لگے کہ یوسف اور یوسف کے بھائی پر خدا کا فضل ہے ۔ دیکھو بادشاہ نے اس کو دسترخوان پر اپنے پاس بٹھالیا ہے ۔

بروایت قمی منقول ہے کہ کنعان سے روانہ ہوئے تو بن یامین نے کھانا پینا بیٹھنا اور بولنا ان سے ترک کیا ہوا تھا جب مصر میں حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف نے اپنے بھائی کو پہچان لیا اور دریافت کیا کہ کیا تو انکا بھائی ہے ؟ اُس نے جواب دیا کہ ہاں ۔ تو یوسف نے پوچھا کہ آپ بھائیوں کے ہمراہ کیوں نہیں بیٹھتے ؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ میرے مادری بھائی کو ایک دفعہ اپنے ساتھ لے گئے تھے ۔ اور واپس اپنے ساتھ نہ لائے تھے یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا ہے ۔ میں نے اُس روز سے قسم کھالی ہے کہ تازندگی ان سے الگ رہوں گا ۔ الخبر

رکوع ۳ لَمَّا دَخَلُوْا :- جب حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور انہوں نے ہر دو مادری بھائیوں کو الگ الگ کھانا پیش کیا تو بن یامین کو اپنے ساتھ بٹھالیا کہ اگر ان میں سے تیرا مادری بھائی کوئی نہیں تو چلو میں تیرا بھائی ہوں ۔ اور ایسے انداز سے فرمایا کہ وہ اس فقرہ کو حقیقی تعارف پر محمول نہ کرسکے بلکہ دعوٰئے برادری کو دلجوئی پر ہی محمول کرتا رہے اور راز فاش نہ ہو ۔

اَلسِّقَايَةَ :- پانی پینے کا گلاس مراد ہے جو ایام قحط میں خرید و فروخت کے لئے وقتی طور پر پیمانہ استعمال ہوتا تھا ۔ اس لئے اس کو صواع سے بھی تعبیر کیا گیا ہے ۔

مروی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کے اشارے سے ملازمین نے وہ پیمانہ بن یامین کے سامان میں رکھ دیا تھا جب وہ سامان لے کر وداع کر کے روانہ ہوئے تو اس پیمانہ کی گم شدگی کا راز کھلا اور اِدھر اُدھر تلاش شروع ہوئی ۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں جاتے ہوئے قافلہ کو بھی روک لیا گیا ۔ قافلہ والوں نے وجہ پوچھی تو کہا گیا کہ شاہی پیمانہ گم ہے ۔ اور جو شخص وہ تلاش

أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا

اے قافلہ والو! تحقیق تم چور ہو — انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تمہاری کیا چیز

تَفْقِدُونَ ﴿٧١﴾ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ

گم ہے؟ تو کہنے لگے کہ بادشاہ کا گلاس، اور جو ڈھونڈ لائے گا اس کو اونٹ کا

حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوا تَاللَّهِ

ایک بھار دیا جائے گا اور میں اس کا ضامن ہوں — کہنے لگے بخدا

کر کے لائے گا اس کو ایک بھار غلہ مزید بطور انعام کے دیا جائے گا۔ اور اعلان کرنے والے نے اپنی ضمانت دے دی۔

اَیَّتُھَا الْعِیْرُ:۔ عیر اصل میں تو اس قافلہ کو کہتے ہیں جس میں بار برداری کا انتظام گدھوں کے ذریعہ سے ہو۔ لیکن ہر قافلہ پر مجازاً یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اس مقام پر منادیٰ محذوف ہے اصل میں اہل العیر تھا یعنی اے قافلہ والو!۔

اِنَّکُمْ لَسَارِقُوْنَ:۔ بروایت ہشام بن حکم حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ قافلہ والوں نے چوری نہیں کی تھی۔ اور حضرت یوسف کی جانب سے ان کو چور کہنے والے بھی دروغ گو نہیں تھے اس لئے کہ گلاس کی وجہ سے نہیں بلکہ باپ سے حضرت یوسف کو چرانے کے سبب سے ان کو چور کہا جا رہا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف کے ملازمین نے جواب دیا تھا کہ شاہی پیمانہ گم ہے یہ نہیں کہا تھا کہ تم شاہی پیمانہ کے چور ہو۔ اور یہ فعل اگرچہ بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام کے غم وہم میں اضافہ کا موجب تھا لیکن درحقیقت وصل و وصال کا بہانہ اور دوامی سرور کا پیش خیمہ تھا۔ اس لئے اس کے جواز بلکہ استحباب میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ پیمانہ سونے کا تھا اور جب اس کے ساتھ غلہ کا ماپ ہوتا تھا تو اس سے نہایت شیریں لہجہ میں یہ کلمہ صادر ہوتا تھا۔ لَعَنَ اللّٰہُ الخوان لا تخونوا بہ۔ (خیانت کرنے والے پر خدا کی لعنت ہے خیانت نہ کرنا)

جوازِ تقیّہ:۔ تفسیر برہان میں بروایت ابوبصیر امام جعفر علیہ السلام سے منقول ہے التقیہ من دین اللہ یعنی تقیہ کرنا اللہ کا دین ہے۔ راوی نے پوچھا کیا تقیہ کرنا اللہ کا دین ہے؟ تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم اللہ کا دین ہے دیکھو حضرت یوسف نے کہا اے قافلہ والو! تم چور ہو حالانکہ وہ چور نہ تھے۔

تقیہ اور توریہ دو لفظیں ہیں۔ اور ہر ایک کا مطلب بھی جدا جدا ہے۔ دینی مصلحت کی بنا پر خلاف واقع بات کو ظاہر کرنا یا یہ کہ دل میں ایمان کی شمع فروزاں ہوتے ہوئے جان ومال و ناموس کی حفاظت کی خاطر کلمہ کفر کہہ دینا جیسا کہ حضرت عمار کے متعلق تمام تاریخوں میں موجود ہے۔ اور جناب رسالت مآبؐ نے عمار کے اس فعل پر رضامندی کا اظہار فرمایا تھا بلکہ ایسے مواقع پر آئندہ کے لئے بھی اس عمل کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ کتب صحاح اہل سنت میں موجود ہے۔ اور

دنیا میں حسن کے لحاظ سے بے نظیر پیدا کیا ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ شہر مصر میں مجھ جیسی کوئی حسین وجمیل عورت نہیں تھی اور نہ مجھ سے کوئی زیادہ مالدار تھی۔ بایں ہمہ مجھے جو شوہر ملا وہ نامرد تھا۔ حضرت یوسف نے فرمایا اب تیرے دل میں کوئی خواہش ہے؟ تو اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ اور وہ یہ کہ آپ خدا سے دُعا کریں کہ وہ مجھے جوانی پلٹا دے۔ چنانچہ حضرت یوسف کی دعا سے خدا نے اس کو دوبارہ جوانی پلٹا دی۔ اور حضرت یوسف نے اس سے شادی کرلی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت یوسف کے زلیخا کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام افرائیم اور دوسرے کا نام بلیشا تھا۔

حضرت یُوسف کی حکومت

وَكَذٰلِكَ۔ حضرت یوسف کا پہلا سال تو عزیز مصر کے عہد میں گذرا۔ جب اپنی حُسن کارکردگی اور دیانت سے بادشاہ کے دل ودماغ پر ان کا تسلّط ہوگیا تو بروایت ابن عباس سوالِ ولایت کے پُورے ایک سال بعد بادشاہ نے ان کو خود اپنے پاس بلایا اور اپنی ردا تلوار اور تاج ان کے سپرد کر دیا اور حکم دیا کہ دُرّ و یاقوت سے مرصّع سونے کا تخت نصب کیا جائے جس پر ریشم ومخمل کا فرش بچھایا جائے اور یُوسف سے کہا کہ تاج سر پر رکھ کر تختِ شاہی کو رونق دیجئے چنانچہ حضرت یوسف شاہانہ تاج سر پر رکھ کر تشریف لائے آپ کا چہرہ اس قدر صاف وشفاف ونورانی تھا کہ زیارت کرنے والے کو یُوسف کے منہ سے اپنا منہ نظر آتا تھا۔ جس طرح شیشے سے اپنی شکل نظر آتی ہے پس تختِ مصر پر جلوہ فگن ہُوئے تو اطراف ونواح کے تمام چھوٹے چھوٹے حکمران خود بخود ان کے سامنے سرنگوں ہوگئے اور حکومت عدل وانصاف کو اس طرح قائم کیا کہ رعایا کے تمام زن ومرد اُن کے گرویدہ ہوگئے پس بادشاہِ سابق خود بھی مسلمان ہوگیا اور رعایا میں بھی اسلام پھیل گیا۔

کتبِ تفاسیر میں ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے حسن تدبیر سے سرسبزی وشادابی کے سالوں میں بچت کو جمع کرنا شروع کردیا۔ انبار اور خزانے تعمیر کرائے جس میں غلّہ اور نقدی بیں انداز کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ سات سال کے عرصہ میں انبار پُر ہوگئے۔ اب جو قحط کا زمانہ آیا تو حضرت یُوسف نے ہر سال کی بچت کو علی الترتیب بیچنا شروع کردیا۔ پہلے سال لوگوں نے غلّہ خرید کر کے درہم ودینار شاہی خزانہ کے حوالہ کئے۱ حتیٰ کہ مصر کے تمام زیورات وجواہر شاہی خزانہ میں پہنچ گئے۔ پھر تیسرے سال حیوان ومویشی غلّہ کے بدلہ میں حضرت یوسف کے قبضہ میں آگئے۔ اور چوتھے سال غلاموں اور لونڈیوں کے بدلہ میں آپ نے غلہ فروخت کیا حتیٰ کہ کسی کے پاس کوئی غلام ولونڈی نہ بچی۔ پھر پانچویں سال گھروں اور جائدادوں کو آپ نے غلّہ کے بدلہ میں خرید لیا۔ اور چھٹے سال نہریں اور کھیتیاں غلے کے بدلہ میں خرید لیں۔ اور ساتویں سال خود لوگوں نے اپنی گردنیں اور جانیں حضرت یوسف پر غلّہ کے عوض میں بیچ دیں۔ اب مصر اور اُس کے گرد ونواح میں تمام آزاد وغلام حضرت یُوسف کے غلام بن چکے تھے اور لوگوں میں یہ چرچا تھا کہ ہم نے نہ کوئی بادشاہ دیکھا نہ سُنا ہے جو ہمارے بادشاہ کی طرح حکمت وتدبیر اور علم وکمال میں وسعت رکھتا ہو۔ پس حضرت یوسف نے بادشاہِ سابق کو اپنے پاس طلب کیا اور فرمایا تم دیکھتے ہو جو خدا نے مجھے ملک مصر اور اس کی اہل پر حکومت بخشی ہے۔ اب تم مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ میں نے ان کی اصلاح اس لئے نہیں کی کہ ان کو نقصان دُوں اور ان کو

۱ حتیٰ کہ مصر میں کسی کے پاس نہ درھم رہانہ دینار تو دوسرے سال لوگوں نے زیورات وجواہر کے بدلہ میں گندم خرید کی۔

مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ

ہم نے حکومت دی یوسف کو زمین میں تاکہ تصرف کریں اس میں جس طرح چاہیں پہنچاتے ہیں

بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَ

اپنی رحمت جسے چاہیں اور ہم نہیں ضائع کرتے احسان کرنے والوں کا اجر اور

لَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾ ع

آخرت کا اجر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں اور تقوٰی رکھیں

قحط کی مصیبت سے اس لئے نہیں چھڑایا کہ خود ان کے لئے وبال بن جاؤں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اس کے بارے میں آپ خود مختار ہیں جو چاہیں کریں۔ میرا اس میں کوئی دخل نہیں ہے تو آپ نے فرمایا بس میں اپنے اللہ کو اور تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں نے تمام مصر والوں کو آزاد کیا ہے اور ان کے مال وغلام سب ان کو واپس کئے ہیں۔ اور تجھے بھی اپنی مہر تخت و تاج واپس کرتا ہوں اس شرط پر کہ تو میری سیرت پر چلے اور میرے ہی حکم سے فیصلہ کرے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میرے لئے باعث صد افتخار اور خوش بختی ہے کہ آپ کی سیرت کو اپناؤں اور آپ کے حکم کو مشعل راہ قرار دوں اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ نہ ہوتے تو میں ان قحط سالیوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہوتا اور مجھے اس مسئلہ کا حل یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا تھا جو آپ نے کیا ہے۔ میں نے آپ کو ہی اپنا حاکم و پیش رو تسلیم کر لیا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور تو اس کا رسول ہے پس آپ اپنے عہدہ پر قائم رہیں۔ میں آپ کو حاکم و امین سمجھتا ہوں۔ اور منقول ہے کہ حضرت یوسف خود قحط کے ایام میں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے جب آپ سے سوال کیا جاتا تھا کہ آپ بھوکے کیوں رہتے ہیں حالانکہ آپ کے ہاتھ میں زمین کے خزانے ہیں؟ تو آپ جواب میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ خود شکم سیر ہو کر بھوکوں کی خبر گیری سے غافل ہو جاؤں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام پر جب، مامون کی جانب سے ولی عہدی کو قبول کر لینے پر اعتراضات کئے گئے تو آپ نے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کا ولایت مصر کو قبول کرنا بلکہ خود خواہش کرنا آیت قرآنی کی رو سے پیش کرکے ان کو خاموش کیا کہ ضرورت وقت کے ماتحت رعایا میں عدل و انصاف کو قائم کرنے کے لئے اور مظلوموں کی فریادرسی اور احکام شرعیہ کے نفاذ کے لئے ایسا کرنا جائز ہے بلکہ بعض اوقات واجب بھی ہو جایا کرتا ہے جب کہ اس کے بغیر جانی و مالی نقصان کا خطرہ ہو۔ بلکہ ایک روایت میں آپ سے منقول ہے کہ مجھے ولی عہدی کے قبول کرنے اور قتل ہونے میں اختیار دیا گیا تھا پس میں نے قتل سے بچنے کے لئے ولی عہدی کو بدل ناخواستہ قبول کر لیا۔

حکومت و سلطنت۔ موقعہ کی مناسبت اور عمل کی موزونیت کے پیش نظر حکومت و ولایت عامہ کے متعلق مختصر اور

جامع بیان پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ تمدن کی بقا و ارتقاء کا راز اسی میں مضمر ہے کہ انسان مجموعی طور پر سلطان ورعایا کی حیثیت سے نظامِ حیات کو قائم کریں۔ پس جس طرح اس سلسلہ میں سلطان وحاکم پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اسی طرح رعایا پر بھی اپنی نوعیت سے کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ اور جب تک سلطان ورعایا یکساں طور پر اپنے اُوپر عائد شدہ ذمہ داریوں کا احساس نہ کریں۔ اور ان سے عہدہ برا ہونے کی کوشش نہ کریں تمدنی ارتقاء تو بجائے خود اس کی بقاء بھی معرضِ خطر میں پڑ جاتی ہے۔ اگر رعایا بادشاہ سے متنفر اور بادشاہ رعایا سے غیر مطمئن ہو تو ایسی سلطنت وحکومت کی کشتی ہمیشہ گرداب وبھنور میں ہچکولے کھاتی رہتی ہے۔ اور سکون وچین کی زندگی کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اور ان دونوں میں سے اہم ذمہ داری بادشاہ پر عائد ہوتی ہے۔ اور رعایا کی تمام تر ذمہ داریاں سلطانِ وقت کی اہم ذمہ داری کے نتائج واثرات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ یعنی لوگ بادشاہوں کے دین کے تابع ہوا کرتے ہیں پس اگر بادشاہ اپنے اُوپر عائد شدہ ذمہ داریوں سے کماحقہ عہدہ برا ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ رعایا کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہ ہو۔

دیکھئے اس مقام پر سلطان اور حکمران کے سامنے دو نظریئے ہوتے ہیں جو سلطان ورعایا کے درمیان اعتماد قائم رکھنے یا بداعتمادی کو جنم دینے کے موجب ہیں۔

(۱) قانون کی حکومت کو قائم کرنا اور اس کی بدل وجان پاسداری کرنا (۲) قانون پر حکومت قائم کرنا اور قانون کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل کر رکھنا۔ پہلی صورت میں قانون کی بالادستی کی حفاظت ونگرانی سلطان کا فریضہ ہے۔ اور دوسری صورت میں قانون پر اپنی بالادستی کو قائم رکھنا سلطان کا نظریہ ہے۔ پس اگر سلطان پہلے نظریہ کا حامی ہو تو اس کے ماتحت جملہ آفیسران اور جملہ شعبہ جاتِ حکومت کے عہدہ داران لازمی طور پر اُسی نظریہ کے حامی ہوں گے کیونکہ انہیں سلطانِ وقت کی گرفت کا خطرہ ہوگا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ رعایا کے دلوں سے سلطان وحاکم کی جانب سے خوف وہراس اٹھ جائے گا۔ وہ ازخود قانون کو قانون سمجھنے لگیں گے اور قانون کا احترام اُن کے دلوں کی گہرائیوں میں خود بخود اُترتا چلا جائے گا۔ اور قانون کا مخالف اُن کے نزدیک معاشرہ کا دشمن قرار پائے گا۔ پس امن وسکون کی لہر دلوں کو اطمینان کا مژدہ دے گی۔ اور ملک وقوم کے لئے ارتقائی منازل کی طرف قدم بڑھانا نہایت سہل ہوگا۔ ایسی صورت میں حکمران طبقہ رعایا سے پوری طرح مطمئن ہوگا اور حکومتی منصوبے نہایت تیزی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچ سکیں گے جس کے نتیجے میں دوسری اقوام پر اس کے وقار کا سکہ قائم ہوگا اور کوئی قوم اُس کی آنکھ میں آنکھ ملانے کی جرأت نہ کر سکے گی لیکن اگر خدانخواستہ بادشاہِ وقت اور کرسی اقتدار سنبھالنے والا دوسرے نظریہ کا علمبردار ہو یعنی یہ کہ اقتدار کو قانون پر بالادستی قائم کرنے کا ذریعہ سمجھے تو اطراف واکنافِ مملکت میں جملہ آفیسران وعہدہ داران میں یہی رُوح پرورش پائے گی۔ اور ہر شخص جب کسی عہدہ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے گا تو اسی نظریہ کے ماتحت کہ مجھے کسی حد تک قانون پر بالادستی حاصل ہو۔ اور میں قانون کی دھجیاں اڑانے پر قادر ہو جاؤں تاکہ عوام کو قانون کے بہانہ سے اپنے استبداد کے شکنجے میں جکڑنے پر متمکن ہو کر اپنی عیاشیوں کو فروغ دے سکوں۔ اور ملک وقوم کی دولت

پر ہاتھ صاف کرکے اپنی آیندہ نسلوں کے لئے بھی عیاشی کی راہیں ہموار کرلوں۔ تو یقین سمجھئے کہ جب سلطان کا یہ نظریہ ہو اور آفیسران وعہدہ داران کا یہ مطمح نظر ہو تو ناممکن ہے کہ رعایا کے دل ان کی طرف سے صاف ہوں بلکہ وہ حاکم وقت کو ایک خونخوار درندہ سمجھیں گے۔ اور ہر وقت اُس کے ہاتھ سے اقتدار کے چھن جانے کے منتظر رہیں گے۔ ایسی صورت میں نہ حکمران کو چین کی زندگی نصیب ہوگی۔ اور نہ رعایا میں اطمینان وسکون ہوگا نہ کوئی حکومتی منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ نہ ملک وقوم کا وقار بلند ہوگا نہ شاہراہ ترقی پر قدم رکھنے کی کسی کو جرأت ہوگی اور نہ کسی ملک وقوم میں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا بلکہ بیرونی طاقتیں ان پر اپنی للچائی ہوئی نظریں ڈالیں گی۔ اور ہوسکتا ہے کہ کسی وقت اقتدار کا تختہ اُلٹ جائے اور انقلاب کا زبردست سیلاب سب خشک وتر کو اپنے دھارے میں بہا کر لے جائے۔

حکومتِ عدل

اس میں شک وشبہ نہیں کہ عدل کمزور حکومتوں کی قوت ضعیف قوموں کی طاقت۔ گمنام ممالک کی شہرت منتفرق جماعتوں کی باہمی اُلفت۔ خوف زدہ فرقوں کی ہیبت۔ نادار اقوام کی ثروت و دولت۔ ذلیل لوگوں کی عزت۔ پس ماندہ قوموں کی علمی خلعت اور وحشی اقوام کی تمدن سے مانوسیت کا واحد ذریعہ ہے۔ چنانچہ جب حضرت داؤد علیہ السّلام کو حکومت وخلافت عطا ہوئی تو ارشاد ہوا لوگوں کے درمیان عدل کے فیصلے کرنا۔ اور جملہ سلاطین پر تمام فرائض سے اہم فریضہ عدل ہے۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ نوشیروان بادشاہ پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ تو ایک باغ میں پہنچا۔ باغبان نے ایک انار کے دانہ کو اس کے لئے نچوڑا جس سے پیالہ پُر ہوگیا۔ بادشاہ نے سیر ہوکر پیا۔ پس دل میں خیال آیا کہ اس باغ کی آمدنی زیادہ ہے لہٰذا اس کے خراج کو بڑھایا جائے تو رُخصت ہوتے وقت ایک دوسرے انار کو نچوڑنے کا حکم دیا لیکن اس مرتبہ رس بہت تھوڑا نکلا بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا چونکہ باغبان کو معلوم نہ تھا کہ یہ بادشاہ ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ شاید بادشاہ نے عدل وانصاف کو ترک کرنے اور ظلم کا رویّہ اختیار کرنے کا ارادہ کرلیا ہے جس کی وجہ سے برکت چلی گئی ہے۔

کہتے ہیں ایک دفعہ سلطان سبکتگین نے چین یا ہند کے بادشاہ کو خط لکھا تھا کہ تم لوگ کافر ہو اور ہم مسلمان ہیں۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ تمہاری عمریں طویل ہیں اور ہماری زندگیاں کوتاہ ہیں تو کافر بادشاہ نے سلطان کے چٹھی رسان کو قید کرلیا اور کہا کہ میں تجھے اس وقت خط کا جواب دُوں گا جب سامنے والا پھل دار درخت خود بخود اپنی جڑوں سے اکھڑ کر گر جائے۔ وہ شخص سخت پریشان ہُوا۔ اور شب وروز اسی فکر میں قید کی زندگی بسر کرتا رہا۔ آخر ایک رات سخت دھماکے کی آواز سُنی لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہوئے معلوم ہوا کہ وہی درخت خود بخود جڑوں سے اکھڑ کر زمین پر آگرا ہے۔ وہ خوش ہوا۔ اور بادشاہ نے اُسے رہا کرکے سلطان سبکتگین کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ دیکھو جب ایک مظلوم کی درد بھری فریاد ایک بڑے تناور درخت کو جڑوں سے اکھیڑ سکتی ہے تو کثیر التعداد مظلوم رعایا کی سرد آہیں اور ان کی مظلومانہ فریادیں کیوں نہ ظالم حکمرانوں کی عمروں کو کاٹ دیں۔

اس میں شک نہیں کہ جب ایک زمانہ تک عدل کو ترک کیا جائے تو طبیعتوں میں ظلم رچ جاتا ہے اور لوگ ایکدوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں طاقتور لوگ درندے بن جاتے ہیں اور صاحبانِ اقتدار خونخوار بھیڑیوں کا لباس پہن لیتے ہیں۔ پس کمزور رعایا کی حیثیت لاغر بھیڑوں یا کمزور اونٹوں کی سی رہ جاتی ہے۔ جس کے ہاتھ میں ڈنڈا ہو۔ ان کو اپنے آگے لگالے۔ ان میں مجالِ انکار نہیں رہتی۔ پس ہر شخص اقتدار کی تمنّا صرف درندہ بننے کے لئے ہی کرتا ہے۔ اور ایسی حالت میں لوگ انسانوں کی سی شکل میں چلتے پھرتے درندے ہی ہوا کرتے ہیں اور ہر کمزور ہر طاقتور سے ہراساں و ترساں ہوا کرتا ہے۔ اور شریف ترین وہی سمجھا جاتا ہے جس میں درندگی کی صفات دوسروں سے زیادہ ہوں۔

اگر بادیہ نشین سے لے کر سریر آرائے مملکت تک سب کے سب یکساں طور پر اس مرض کی لپیٹ میں آجائیں تو وہ دن دُور نہیں کہ درندہ شیر ان کی حدود کے آس پاس آکر گونجیں اور طاقت ور عقاب دور سے آکر ان کے سروں پر منڈلانے لگیں پس نہ فصیلیں کام آئیں گی۔ اور نہ حفاظتی دستے ساتھ دیں گے۔ کسی کی چاپلوسی اور بشاشت سے دھوکہ نہ کھائیے۔ ممکن ہے وہ موقع کی تاڑ میں ہو۔ قدم میں لغزش آتے ہی وہ گردن پر سوار ہو جائے گا۔

ہر مملکت کے ارباب حل و عقد کو عدل و انصاف کا علم بلند کرنا چاہیئے۔ انہیں اقتدار کو قانون کا نگران و محافظ سمجھنا چاہیئے نہ کہ قانون پر بالادستی قائم کرنے کا ذریعہ پس اپنے آپ کو بھی قانون کی حدود کا پابند سمجھیں۔ اور تمام عملے کو اس کا پابند کرنا اپنے فرائض میں سے اہم فریضہ سمجھیں۔ اور عدل و انصاف کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے والے ظالم اور درندہ صفت افسروں کو برطرف کر کے انہیں عبرت ناک سزائیں دیں کیونکہ زمین میں ظالم کا وجُود اس طرح ہے جس طرح بدن میں عضوِ فاسد۔ اور بہتر یہی ہے کہ وہ عضوِ فاسد جو ناقابلِ علاج ہو اُسے کاٹ دیا جائے تاکہ دوسرے تندرست اعضاء تک اس کی بیماری سرایت نہ کرنے پائے۔

کلامِ الامام

تمسک کے لئے اس مقام پر حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کے کلام سے کوئی دوسرا کلام موزوں تر نہیں ہے۔ آپ نے حقوق الناس کو پُوری تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا (ان تمام حقوق میں سے نہایت اہم بادشاہ و رعایا کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں جن کو دینی وقار اور باہمی انس کے کلی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے خدا نے بندوں پر واجب کیا ہے کیونکہ رعایا کی اصلاح حکام کی اصلاح کے بغیر ناممکن ہے۔ اور حکام کی بہتری رعایا کے تعاون اور اُن کی وفاداری کے بغیر ایک ناشدنی امر ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ رعایا کے دلوں میں حکام کے حقوق کا احساس ہو۔ اور حکام رعایا کے حقوق کے پاسبان ہوں تو عدل و انصاف کا علم بلند ہو گا۔ قوم و ملک میں چین و سکون اور امن و اطمینان کی پُربہار اور رُوح آفرین زندگی کا سماں ہو گا۔ ایسا دَور قابلِ رشک دَور ہو گا۔ اور ایسی حکومت بہترین حکومت ہو گی۔ اور ایسی صورت میں حکومت کے بدخواہوں کی اوچھی نظریں قعرِ یاس میں خود بخود دب جائیں گی۔ اور بخلاف اس کے اگر رعایا حکام سے دل برداشتہ ہوں۔ اور حکام رعایا کو زیرِ بار رکھ کر کچلنا اپنا کمال سمجھیں تو نتیجہ باہم آویزی ہو گی ظلم و جور کے راستے کشادہ ہو جائیں گے۔ خود غرضی کا دور ہو گا۔ احکام معطل ہوں گے۔ دل میلے ہوں گے۔ اور بڑی سے بڑی حق تلفی کا ذرہ بھر احساس نہ رہے گا۔ پس شریف،

ذلیل اور کمینے باوقار ہوں گے۔ آپ نے فرمایا حکمرانوں کی فخر شعاری اور تکبر مزاجی عدل و انصاف کے آئینہ میں ایک انتہائی گھٹیا پن کردار ہے۔

اور مجھے قطعاً خوشامد پسند اور اپنی تعریف کا دلدادہ خیال نہ کرو۔ بالفرض اگر مجھے اپنی ثنا پسند بھی ہوتی تب بھی میں اس کو اللہ کے لئے تواضع کرتے ہوئے چھوڑ دیتا۔ کیونکہ عظمت و کبریائی صرف ذات اقدس الٰہیہ کے لئے ہی زیبا ہے۔ بعض لوگ اپنی تعریف سن کر لذت محسوس کرتے ہیں لیکن میں ایسا نہیں ہوں۔ تم لوگ میری تعریفیں نہ کیا کرو۔ تاکہ میں اللہ کی جانب سے اور تمہاری طرف سے اپنے اُوپر عائد شدہ ذمہ داریوں سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہو سکوں۔ مجھے جابر حکمران نہ سمجھو اور مجھ سے جلد باز وجذباتی قسم کے حکمرانوں کے طرز عمل کی توقع نہ رکھو۔ لہٰذا نہ میری خوشامد کرو۔ اور نہ مجھ سے خوف و ہراس کرو۔ اور نہ میری طبیعت پر حق بات کا بوجھ ہوتا ہے اور نہ میں بڑائی کا خواہش مند ہوں۔ جو شخص کلمۂ حق سُن نہیں سکتا وہ اس پر عمل کیسے کر سکتا ہے۔ لہٰذا تم لوگ مجھے سچی بات کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرو۔ اور نہ مجھے اپنا مشورہ دینے سے گھبراؤ۔ کیونکہ میں بذات خود قولی یا فعلی طور پر خطا سے اپنی ذات کو مستثنا نہیں کرتا جب تک کہ اللہ کی جانب سے کفایت نہ ہو (میری عصمت اللہ کا ہی عطیہ اور وہبی ہے نہ کہ کسبی) میں اور تم اُس ایک رب کے عبد و مملوک ہیں جس کے علاوہ کوئی دوسرا رب نہیں۔ ہمارے نفوس کا جس طرح وہ مالک ہے ہم نہیں۔ اُس نے ہمیں ناموزوں حالت سے موزوں و مناسب حالت پر پہنچایا ہے۔ انتہیٰ بقدر الحاجۃ ملخصاً۔

آپ کے بلند پایہ کلمات پر غور کیجئے کس طرح اچھوتے انداز اور نرالے طرز بیان سے آپ نے حکمرانوں کو ایک بہترین دستور العمل عطا فرمایا۔ تاکہ فخر و تکبر خواہش و حبِّ نفس اور خود غرضی و نفس پرستی کے پیش نظر وہ اپنے نئیں بھول وچوک سے بلند نہ سمجھیں۔ وہ اپنے ہر حکم کو درست، ہر رائے کو صائب اور ہر من مانے تصرّف کو جائز اور برمحل قرار نہ دیں۔ کیونکہ طبع بشری کا مقتضا ہے غلطی کا سرزد ہونا۔ پس مملکت کی خیر خواہی کے لئے ہر جوڑ توڑ میں ایسی مجلس مشاورت کی ضرورت ہے۔ جس کے ممبر ارباب عقل و دانش بلند حوصلہ عالی ہمّت اور اغراض صحیحہ کے حامل ہوں۔

غرضیکہ جملہ سلاطین و ملوک بلکہ ہر صاحب اقتدار و با اختیار افسر و عہدہ دار پر لازم ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی فرمائش کو گوش ہوش سے سُنے۔ اور چشم بصیرت سے اس کا مطالعہ کرے۔ اور اسی کے مضمون کو اپنا لائحۂ عمل قرار دے۔ اسی گھاٹ پر اپنی جہانبانی و حکمرانی کی پیاس بُجھائے۔ اور اسی طرز پر ملک رانی کے دستوروں کی تشکیل کرے۔

خدا کی قسم اگر زمین پر اس قسم کی حکومت قائم ہو جائے تو زمین خدا امن کا گہوارہ بن جائے۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب صاحبان اقتدار اقتدار کو خدمت قوم و ملک کی خاطر قانون کی پاسبانی و نگہداری کا وسیلہ قرار دیں۔ اور رعایا سے پہلے خود اپنے نفسوں کا جائزہ لے کر انہیں قانون کی زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کریں تاکہ رعایا کے دلوں میں ان کی عظمت پیدا ہو۔ اور باہمی انس و محبت ملک و قوم کی فلاح بقاء اور ارتقاء کا پیش خیمہ ہو۔ لیکن کیا کیا جائے جب قانون بھی خود ساختہ ہو۔ قانون دان بھی خود ساختہ ہو اور حکمران بھی خود ساختہ ہو تو عدل و انصاف اور خیر خواہی و بھلائی کا تصوّر خواب پریشان کے سوا اور کیا وقعت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

نہ قانون دان کے دل میں قانون کا احترام ہے۔ اور نہ حکمران کے قلب میں قانون کی وقعت ہے۔ پس قانون صرف تکمیل خواہشات اور عیاشی کی بحالی کے لئے صاحبان اقتدار کے پاس کمزور عوام کے سروں کو کچلنے کا ہتھوڑا ہے۔ ایسی صورت میں امن کہاں سے آسکتا ہے؟ ہاں اگر قانون انسانی دسترس سے بالاتر ہو۔ حکام و رعایا سب کے دلوں میں اس کا احترام ہو۔ حکام اپنے آپ کو اس کا پاسبان سمجھیں۔ اور عوام اس کی رعایت کرنا اپنا ایمان سمجھیں تو باہمی انس و محبت کی راہیں بھی ہموار ہو سکتی ہیں۔ اور عدل و انصاف کا علم بھی لہرایا جا سکتا ہے۔ آہ خدا اس دور کو جلد لائے جب عدل کی بساط بچھے اور حاکم عادل مسند حکومت پر جلوہ گر ہو۔ ہائے کس قدر پر کیف ہو گا وہ دور جو کان سنتے ہیں اور کس قدر پرآشوب ہے یہ دور جس کو آنکھیں دیکھتی ہیں۔

حکومت جور

مذہبی اصطلاح میں حکومت جور سے ہر وہ حکومت مراد ہے جس میں قانون اسلام یعنی قرآنی احکام نافذ نہ ہوں اور اس کا سربراہ امام عادل یا اس کا قائم مقام نہ ہو۔ اور ایسی حکومتوں میں حصہ لینا اور ان کی اس سلسلہ میں اعانت کرنا درست نہیں ہے۔ اسی بنا پر تو جب لوگوں نے امام رضا علیہ السلام پر ولی عہدی کے قبول کرنے پر اعتراض کیا تو امام نے جواب میں ایک طرف حضرت یوسف کی حکومت میں شمولیت کو پیش فرمایا کہ لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنے، خدائی احکام نافذ کرنے اور لوگوں کے حقوق کو محفوظ کرنے کے لئے حکومت جور کی جانب سے پیش کردہ عہدہ قبول کرنا جائز ہے بلکہ از خود کوشش کر کے طلب کرنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسف نے خود ہی طلب فرمایا تھا۔ اور دوسری طرف ضرورت وقت کو دلیل جواز قرار دیا کہ اگر میں قبول نہ کرتا تو مجھے قتل کر دیا جاتا۔ اسی طرح اگر حکومتی ملازمتوں اور سرکاری عہدوں میں اپنی قوم و ملک کی خیر خواہی و خدمت کا جذبہ لے کر داخل ہو تو بہتر ہے۔ اور اس طرح جواز کی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر قوم کی خدمت نہ کر سکے بلکہ صرف شکم پرستی کی خاطر قوم کا خون چوسنا مقصود ہو۔ یا آوارگی و عیاشی کا زینہ سمجھ کر ایسا کرے تو یقیناً ناجائز ہے۔ نیز قومی بقا مجموعی طور پر اگر اسی صورت میں منحصر ہو تو یقیناً حکومت میں حصہ لینا مستحسن بلکہ ضروری ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آگے جا کر مذہب و ملت کی خدمت کو فراموش نہ کر بیٹھے۔ اقتدار و کرسی کی ہوس میں اور حکومت اور فرمانروائی کے نشے میں خصوصیات مذہب سے بیگانہ نہ ہونے پائے۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے جب علی بن یقطین نے حکومتی عہدہ قبول کرنے کا جواز حاصل کیا تھا تو آپ نے یہ شرط عائد کی تھی کہ اپنے بھائیوں کی خدمت کرنے کے لئے عہدہ کو قبول کرو۔ اور یہ شرط اس نے قبول کر لی تھی۔ پھر جب ایک شتربان اپنی کوئی درخواست لے کر حاضر ہوا تو علی بن یقطین نے اس پر غور نہ کیا۔ اور اسی سال حج کے ارادہ سے مکہ گیا اور پھر مدینہ میں زیارت نبوی کے بعد امام عالی مقام کی بارگاہ میں شرف یاب ہوا تو امام نے اپنا رخ پھیر لیا۔ اس نے وجہ پوچھی تو آپ نے وہی شرط جتلائی اور شتربان کی درخواست سے بے اعتنائی یاد دلائی اور فرمایا جب تک وہ راضی نہ ہو گا میں راضی نہ ہوں گا۔ چنانچہ وہ باعجاز امام مدینہ سے بغداد پہنچا اور رات کے وقت شتربان کا گھر تلاش کر کے اس کو دروازہ پر بلایا وہ خوف زدہ تھا کہ شاید مجھے کوئی سزا دینا چاہتا ہے لیکن دیکھا کہ علی بن یقطین نہایت عجز و انکساری سے معافی مانگتا ہے اور زمین پر لیٹ کر عرض کرتا ہے کہ اپنا خاک آلود قدم میرے اس منہ پر ملو جس کے غرور نے مجھے امام کی بارگاہ میں شرمسار کیا ہے چنانچہ اس نے اپنا قدم اس کے منہ پر رکھا اور علی بن یقطین کو معافی دی۔ پس وہ اسی رات باعجاز امام واپس مدینہ میں پہنچا اور امام کی زیارت

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور آئے یوسف کے بھائی اور اس کے پاس پہنچے تو اس نے ان کو پہچان لیا حالانکہ انہوں نے نہ پہچانا

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا

اور جب ان کو مطلوبہ جنس دے کر رخصت کیا تو کہا کہ دوسری دفعہ اپنے پدری بھائی کو ہمراہ لانا کیا تم

تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ

دیکھتے نہیں کہ میں ماپ کو پورا کرتا ہوں اور بہترین مہمان نوازی کرتا ہوں پس اگر تم اس کو نہ لاؤ گے تو

کا شرف حاصل کیا اور امام اس پر رضامند ہوئے۔ یہ روایت مذہب آئمہ کا دعوے کرنے والوں کے لئے باعث عبرت ونصیحت ہے خداوند کریم صاحبانِ اقتدار کو قانونِ اسلام کی نگہبانی اور ملتِ بیضا کی پاسبانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

رکوع ۲ حضرت یوسف کی اپنے بھائیوں سے ملاقات

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوسُفَ :۔ جب ملک میں قحط کی وبا عام پھیلی تو حضرت یعقوب کا شہر کنعان بھی اس کی لپیٹ میں آیا تو آپ نے اپنے بیٹوں کو جمع کرکے فرمایا کہ مصر میں میں نے سنا ہے غلّہ فروخت ہوتا ہے۔ اور اس جگہ کا بادشاہ ایک نیک دل اور صالح مرد ہے پس تم وہاں جاؤ۔ انشاءاللہ وہ تمہارے ساتھ احسان کرے گا۔ چنانچہ بن یامین جو یوسف کا مادری بھائی تھا وہ وہاں رہا اور باقی دس بھائی طعام خریدنے کے لئے روانہ ہو کر مصر پہنچے۔ یوسف کے کنوئیں میں پھینکنے کے بقولے چالیس برس بعد کا یہ واقعہ ہے۔ اب وہ یوسفؑ کو کیسے پہچانتے۔ وہ بچپنہ تھا۔ اب بھرپور جوان ہیں۔ وہ غریبی کی حالت تھی۔ اب وہ ملک کے شہنشاہ ہیں۔ اس وقت پھٹا پرانا یا سادہ لباس تھا۔ اب شاہی لباس میں ملبوس سنہری تخت پر مسند آرا ہیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی۔ لیکن حضرت یوسف قحط پڑتے ہی منتظر تھے کہ کنعان والے بھی اناج خریدنے کے لئے آئیں گے۔

پس جب وہ دربارِ شاہی میں پہنچے اور عبرانی زبان میں گویا ہوئے تو یوسفؑ نے عبرانی زبان میں پوچھا تم کون ہو؟ کہنے لگے ہم ملک شام سے غلّہ خریدنے کے لئے آئے ہیں کیونکہ قحط بہت زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہیں تم لوگ جاسوس تو نہیں۔ مجھے تمہاری شکلیں اوپری لگتی ہیں۔ کہنے لگے نہیں۔ خدا کی قسم۔ ہم ایک باپ یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم کی اولاد ہیں۔ اگر ہمارے باپ کو پہچانتے ہوتے تو ضرور ہماری تعظیم کرتے کیونکہ وہ نبی اور نبی زادہ ہے۔ اور ایک غم میں مبتلا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا غم ہے۔ جس میں وہ مبتلا ہے۔ کہیں اس کا غم تمہاری بیوقوفی و غلطی کے باعث تو نہیں؟ کہنے لگے اے بادشاہ ہم نہ بیوقوف ہیں اور نہ جاہل و غلط کار اور نہ اس کا غم و اندوہ ہماری وجہ سے ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اس کا ایک فرزند تھا جو ہم سے سن و سال میں چھوٹا تھا وہ ایک دن شکار کے لئے ہمارے ساتھ نکلا۔ پس اس کو جنگل کے بھیڑیوں نے کھا لیا۔ اسی دن سے ہمارا باپ غمزدہ رہتا ہے اور ہمیشہ رونے کے سوا اس کا کوئی کام نہیں۔ آپ نے فرمایا تم سب بھائیوں کی ماں بھی ایک ہے۔ کہنے لگے نہیں بلکہ باپ ایک اور مائیں الگ الگ

قرآن مجید میں بھی اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً کا استثنا کھلے لفظوں میں موجود ہے اس کا نام ہے تقیہ اور عملی طور پر کوئی مسلمان اس کے جواز کو چیلنج نہیں کرتا بلکہ مذہبی قیود سے قطع نظر عقلی وفطری فیصلہ بھی یہی ہے کہ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔ اور اس کا انکار وہی کرتا ہے جو عقل کا اندھا اور فطری تقاضوں سے بے بہرہ ہو۔ تقیہ کا بیان اور حضرت عمار کا واقعہ تفسیر کی اسی جلد میں سورہ نحل کی آیت ۱۰۶ صفحہ ۲۵۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا دو چیزوں کو محبوب رکھتا ہے اور دو چیزوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ وہ دو چیزیں جن کو پسند کرتا ہے یہ ہیں۔ (۱) میدان جنگ میں صف آرائی کے بعد صفوں کے درمیان ناز و ادا سے چلنا (۲) اصلاح کی خاطر جھوٹ بولنا۔ اور وہ دو چیزیں جن کو خدا ناپسند کرتا ہے (۱) گلیوں اور راستوں میں ناز و ادا سے چلنا پھرنا (۲) بغیر اصلاح کے جھوٹ بولنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ یعنی بتوں کو اس بڑے بت نے توڑا ہے یہ محض اصلاح کی خاطر تھا کہ وہ اپنے عقول وافکار کی طرف دھیان کریں اور سوچیں کہ جب یہ بت اتنا معمولی کام کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو کسی دوسرے نفع و نقصان کی ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے پس وہ لائق عبادت و پرستش کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا کہنا کہ تم چور ہو ایک مصلحت کی بنا پر تھا کہ اس بہانہ سے بن یامین کو روک لیا جائے اور انجام کار یہ فعل حضرت یعقوب علیہ السلام کی ملاقات کا بہانہ بن جائے۔

اگر ایک لفظ کے دو معنی ہوں اُن میں سے ایک ذہن کے زیادہ قریب ہو اور دوسرا بعید ہو پس اس لفظ کو استعمال کر کے مخاطب کے ذہن میں معنی قریب بٹھا دینا اور اپنے دل میں معنی بعید کا ارادہ رکھنا اس کو توریہ کہتے ہیں۔ مثلاً مجھ سے کوئی شخص ایک سو روپیہ طلب کرے اور میرے پاس روپیہ موجود بھی ہو لیکن دینے کا ارادہ نہ ہو پس کہہ دوں کہ میرے پاس نہیں ہے۔ اور اس کی کئی تاویلیں ہو سکتی ہیں جن کی بنا پر میرے اُوپر جھوٹ کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ مثلاً میرے پاس نوکر نہیں جو گھر سے لائے یا میرے پاس گنجائش نہیں کہ تم کو دے دوں یا یہ کہ میری جیب میں اس وقت نہیں ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور توریہ پر مجازاً تقیہ کا اطلاق بھی ہوا کرتا ہے بنابریں حضرت یوسف یا اُن کے ملازمین کا کہنا کہ تم چور ہو گلاس اور پیمانہ کے متعلق نہیں تھا جیسا کہ قافلہ والے سمجھ رہے تھے بلکہ ان کا مقصد باپ سے حضرت یوسف کو چرا لینا مقصود تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اہل سنت کی کتب صحاح میں تین جھوٹوں کی نسبت موجود ہے (العیاذ باللہ) (۱) اپنی زوجہ کے متعلق فرمایا (یہ میری بہن ہے) (۲) عید کے دن اپنے متعلق فرمایا اِنِّیْ سَقِیْمٌ۔ میں بیمار ہوں۔ اور فرمایا (۳) بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ بُت توڑنے کا کام بڑے نے کیا ہے۔ یہ تینوں فقرے یا تو تقیہ کی بنا پر ہیں جو عقل و فطرت کا تقاضا ہے۔ اور یا توریہ کی بنا پر ہیں۔ پس بہن سے مراد دینی بہن ہے نہ کہ نسبتی یا رضاعی۔ اور اپنی بیماری کے اعتراف کا مقصد یہ ہے کہ اگر تمہارے ساتھ بتوں کی پوجا میں شریک ہو جاؤں تو روحانی بیماری میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ اور بت شکنی کی نسبت بڑے بت کی طرف مشروط تھی کہ اُن سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں۔ تو یہ کام بڑے کا ہے ورنہ نہیں۔ بہر کیف تقیہ کے موقعہ پر تقیہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ بلکہ تقیہ احکام خمسہ سے متصف ہوتا ہے۔

لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا جِئۡنَا لِنُفۡسِدَ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا کُنَّا سٰرِقِیۡنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوۡا

تم جانتے ہو کہ ہم زمین میں فساد کرنے کے لئے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں انہوں نے کہا

فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ کٰذِبِیۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوۡا جَزَآؤُهٗ مَنۡ وُّجِدَ

کیا بدلہ ہوگا اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے؟ کہنے لگے بدلہ یہ ہے کہ جس کے سامان میں مل جائے

واجب مستحب مباح مکروہ اور حرام اور تقیہ کے وجوب استحباب اباحت کراہت اور حرمت کے مواقع الگ الگ ہیں۔ جو صاحبانِ عقول سے مخفی نہیں۔ البتہ تقیہ سے پہلے اگر توریہ سے کام نکل سکتا ہو تو اس کا استعمال بہرصورت بہتر ہے۔

حِمۡلُ بَعِیۡرٍ۔ حمل اور حِمل میں یہ فرق کیا گیا ہے کہ اگر اونٹ پر لادا جا چکا ہو تو وہ حَمل ہے اور اگر اونٹ کے بھار کے برابر چیز موجود ہے جو لدی نہیں جا چکی لیکن لدی جا سکتی ہے تو اس کو حِمل کہا جائے گا۔

لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ۔ کہتے ہیں کہ پہلی دفعہ جب غلہ لے کر گھروں کو پلٹے تھے اور وہاں جا کر دیکھا کہ اپنا مال بھی ان کا واپس آگیا ہے تو اس کو انہوں نے اپنے ہاں بطور امانت رکھ لیا تھا۔ اور دوبارہ جب آئے تو آتے ہی اس کو شاہی خزانہ میں جمع کرادیا کہ شاید یہ مصر کے ملازمین کی غلطی کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔ اب جو گلاس یا پیمانہ کی تفتیش شروع ہوئی تو انہوں نے جرأت سے کہا کہ تم ہماری سیرت و کردار کو جانتے ہو کہ ہم فسادی اور حرام خور نہیں ہیں کیونکہ جب قبضہ میں آیا ہوا مال جس کے حلال ہونے پر ہمیں شک تھا ہم نے واپس کر دیا ہے تو چوری جو یقیناً حرام ہے ہم سے کیسے متوقع ہوسکتی ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب مصر کے علاقہ کی آبادیوں میں داخل ہوئے تو اپنے حیوانوں کے منہ باندھ لئے تھے تاکہ کسی کھیتی کا نقصان نہ ہو۔ بنابریں اپنی دیانت داری کی دہائی دی کہ جب ہمارا کردار تمہیں معلوم ہے کہ ہم فسادی نہیں تو یہ چوری کا الزام کیونکہ صحیح ہوسکتا ہے؟

اِنۡ کُنۡتُمۡ کٰذِبِیۡنَ۔ اگرچہ وہ لوگ اس موجودہ الزام سے بری الذمہ تھے اور ان کا دعویٰ بالکل سچا تھا لیکن بلحاظ توریہ جس بنا پر ان کو چور کہا گیا تھا۔ اسی لحاظ سے جھوٹ کی نسبت بھی ان کی جانب دی گئی یا یہ کہ ان کے سابق انکار کا لازمہ یہ تھا کہ گلاس یا پیمانہ ہمارے سامان میں نہیں ہے پس اس دعویٰ میں ان کی طرف جھوٹ کو منسوب کیا گیا۔

قَالُوۡا جَزَآؤُهٗ۔ چور کی سزا حکومت مصر میں یہ تھی کہ چور کو بدنی سزا کے ساتھ ساتھ اس سے تاوان وصول کیا جاتا تھا۔ اور بنی اسرائیل میں چور کی سزا یہ تھی کہ جس کی چوری کرتا بطور سزا وہ اس کا غلام و عبد بن جایا کرتا تھا۔ اس مقام حضرت یوسف نے ان سے دریافت کیا کہ اگر پیمانہ تمہارے سامان سے مل جائے تو اس کی سزا کیا ہونی چاہیئے۔ یعنی حکومت مصر کے دستور کے مطابق ہو یا تمہارے دستور کے موافق ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے دستور کے مطابق سزا اس کی یہی ہوگی کہ جس کے سامان سے مال مسروقہ برآمد ہو اس کو غلامی میں روک لیا جائے پس اونٹوں پر لدے ہوئے مال اتارے گئے اور پہلے باقی قافلہ کی تلاشی ہوتی رہی۔ آخر میں جب بن یامین کے سامان کو کھولا گیا تو وہ پیمانہ مل گیا۔ پس سزا کے طور پر اس کو عزیز مصر کا غلام بننا پڑا۔

فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ

وہی خود اس کا بدلہ ہے ہم ظلم کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں پس ان کے

بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ

سامان کی تفتیش شروع کی اپنے بھائی کے سامان سے پہلے پھر وہ پیمانہ نکال لیا اپنے بھائی کے سامان سے

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ

اسی طرح ہم نے تجویز سکھائی یوسف کو کہ وہ نہیں روک سکتے تھے اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون میں

الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ

مگر یہ کہ خدا چاہے ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں اور ہر صاحب علم کے اوپر

ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْۤا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ

جاننے والا ہے کہنے لگے اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے

(اس وقت عزیز مصر خود حضرت یوسف ہی تھے)

جب بھائیوں نے دیکھا تو ان کی حیرت کی حد نہ رہی۔ برافروختہ ہو کر بن یامین کے پاس آئے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے کہ تو نے ہم سب کا وقار خاک میں ملا دیا۔ ہماری دیانت کی ناؤ کو ڈبو کر رکھ دیا۔ اور ہمیں اس قدر ذلیل کیا ہے کہ اب ہم مصریوں کے سامنے منہ اونچا نہیں کر سکتے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ شاہی پیمانہ چرا کر کس قدر سبکی کا تم نے مظاہرہ کیا ہے؟ جب بھائی غصہ کی بھڑاس نکال چکے تو بن یامین نے صرف اتنا کہا کہ پہلی مرتبہ جب تم غلّہ لے کر واپس گئے تھے تو تمہاری بوریوں میں تمہارا ذاتی مال کس نے ڈال دیا تھا پس جس نے تمہارا مال تمہاری بوریوں میں ڈالا تھا اسی نے یہ سامان میرے سامان میں ڈالا ہے۔ اس کا نہ مجھے کوئی علم ہے اور نہ میں قصوروار ہوں۔

كِدْنَا: کید سے ہے یعنی ہم نے بذریعہ الہام حضرت یوسف کو یہ تجویز بتلائی۔ کیونکہ شاہی قانون کے لحاظ سے بن یامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ اب حضرت یوسف کو بن یامین کے اپنے پاس ٹھہرانے کا بہانہ مل گیا۔ اور حضرت یعقوب کی طرف پیغام اور مژدہ مسرّت بھیجنے کا ذریعہ دستیاب ہو گیا۔

قَالُوْۤا اِنْ یَّسْرِقْ: ظاہری لحاظ سے اپنے آبائی دستور کو وہ ٹھکرا نہ سکتے تھے۔ لہٰذا بن یامین کی سفارش کی جرأت نہ کر سکے۔ اور چونکہ اہل مصر کے نزدیک ان کی سبکی ظاہر ہو چکی تھی۔ پس عزیز مصر (حضرت یوسف) کے سامنے اپنی خفت کو مٹانے کے لئے بگمان معذرت گویا ہوئے کہ اے بادشاہ! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ۔ تحقیق اس کا بھائی بھی

فَاَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ

پس یوسف نے یہ بات اپنے دل میں رکھی اور ان پر ظاہر نہ کی (دل میں) کہا تم نے بُرا کیا ہے

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ (۷۷) قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا

اور اللہ جانتا ہے جو تم کہتے ہو کہنے لگے اے عزیز تحقیق اس کا باپ بڈھا

كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ (۷۸) قَالَ

بزرگ ہے پس ہم میں سے ایک کو اس کی جگہ لے لو تحقیق ہم تم کو محسن سمجھتے ہیں فرمایا

مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا

معاذ اللہ ہم نہیں لیں گے مگر اُسے جس سے ہمارا برتن برآمد ہوا ہے ورنہ ہم ظالم

اس سے قبل چوری کا مرتکب ہو چکا ہے۔ اور حضرت یوسف کی طرف چوری کی نسبت کا واقعہ یوں مرقوم ہے کہ حضرت یوسف کی ماں کا انتقال ہوا تو حضرت یوسف کی تربیت ان کی پھوپھی کے سپرد تھی۔ اور حضرت یوسف اپنی پھوپھی کو بہت پیارے تھے۔ حتی کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی یوسف کا فراق گوارا نہ کر سکتی تھی۔ جب حضرت یوسف بڑے ہوئے تو حضرت یعقوب نے اپنی بہن سے اس کو لینا چاہا اور وہ حضرت اسحق کی ساری اولاد میں سے بزرگ ترین تھیں۔ چنانچہ اسی بنا پر حضرت اسحق کا کمر بند بھی انہی کے پاس تھا جو دستور کے مطابق اولاد میں سے بڑے کے حصّہ میں آتا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یوسف کو مجھ سے لیا جا رہا ہے تو یہ حیلہ کیا کہ کمر بند کو یوسف کی کمر سے باندھ کر اُوپر لباس پہنا دیا۔ اور باپ کے پاس بھیج دیا اور کچھ دیر بعد خود تعاقب کرتی ہوئی پیچھے سے آپہنچی۔ حضرت یعقوب نے وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ میرا کمر بند چوری ہو گیا ہے اور تلاشی لینے پر وہ حضرت یوسف کی کمر پر بندھا ہوا پایا گیا۔ پس اولادِ اسرائیل میں چوری کے قانون کے مطابق حضرت یوسف کو دوبارہ اپنی پھوپھی کے حوالہ کیا گیا۔ اب بن یامین سے گلاس برآمد ہوا تو بھائیوں نے فوراً کہا کہ اس کا بھائی قبل ازیں اس جرم کا مرتکب ہو چکا ہے۔ انہیں یہ تو معلوم نہیں تھا کہ جس سے ہماری بات ہو رہی ہے یہی حضرت یوسف ہیں۔ پس حضرت یوسف نے یہ بات دل میں رکھ لی کہ تم بدترین انسان ہو۔ کیونکہ تمہارا جرم یوسف کے بارے میں اس سے سنگین تر ہے

قَالُوْا۔ جب بن یامین کو حضرت یوسف نے اپنے پاس پابند کر لیا تو باقی بھائیوں نے منّت سماجت شروع کی۔ جب کسی کی نہ چلی تو کہنے لگے کہ ہمارا باپ سن رسیدہ بزرگ ہے اور وہ اس کے بغیر زندگی نہیں گذار سکتا۔ اتنی مہربانی ضرور کرو کہ ہم میں سے ایک کو اس کے عوض میں رکھ لو۔ اور اس کو جانے دو یہ آپ کا ہم پر بڑا احسان ہو گا۔ اور اس منّت سماجت اور لے دے میں کافی وقت لگا۔

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ

ہوں گے — پس جب مایوس ہوئے اس سے تو آپس میں الگ مشورہ کیا ان میں سے بڑے نے کہا

اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ

تم کو خبر نہیں کہ تحقیق تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد و پیمان لیا ہے اور اس سے پہلے بھی

مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ

تم یوسف کے بارے میں کوتاہی کر چکے ہو پس میں تو اس زمین کو نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ والد اجازت دے یا

اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ

اللہ میرے حق میں فیصلہ کرے اور وہ اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم واپس جاؤ اپنے باپ کے پاس

قمی کی روایت کے مطابق سارے بھائی حضرت یوسف کے اردگرد جمع ہو گئے۔ اور غصہ کے مارے ان کے بدن سے زرد رنگ کا خون ٹپکتا تھا کیونکہ اولاد یعقوب کی یہ علامت تھی کہ جب ان کو غصہ آتا تھا تو ان کے جسم کے بال کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے سرے کپڑوں سے باہر نکل آتے تھے اور ان سے خون زرد رنگ کا ٹپکنے لگ جاتا تھا حضرت یوسف نے ان کی طبیعتوں کے اتار چڑھاؤ سے ذرہ بھر بھی اثر نہ لیا اور اپنی بات پر پکے رہے کہ بن یامین کو میرے پاس ہی رہنا ہو گا۔

رکوع ۴

خَلَصُوْا نَجِيًّا:۔ خَلَصَ یعنی الگ ہو گیا۔ نَجِيًّا حال واقع ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ باہمی مشورہ کے لئے الگ ہو گئے اور مجلس مشاورت میں یہ طے پایا کہ جو ان میں سے سن و سال کے لحاظ سے یا علم و عقل کے اعتبار سے بزرگ تھا اس نے باقی بھائیوں کو واپس چلے جانے کا مشورہ دیا۔ اور خود زمین مصر میں رہنے کا عہد کر لیا۔ اس کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثر روایات میں یہودا کا ذکر ہے۔ پس جب باقی بھائی روانہ ہو گئے تو یہودا نے حضرت یوسف کے پاس آکر کافی منت سماجت کی لیکن حضرت یوسف نے ایک نہ مانی۔ پس یہودا کو غصہ آیا اور کندھے کے بال کھڑے ہو گئے۔ اور ان سے زرد رنگ کا خون ٹپکنے لگا۔ نیز اولاد یعقوب کی یہ عادت بھی تھی کہ غصہ کی حالت میں اگر اولاد یعقوب کا کوئی دوسرا فرد اس کو چھو لیتا تھا تو اس کا غصہ فرو ہو جاتا تھا۔ حضرت یوسف کا ایک شہزادہ وہاں موجود تھا جس کے پاس انار کے برابر سونے کی ایک گیند تھی جس کو زمین پر لڑھکاتا تھا۔ پس جب یہودا کو غصہ آیا تو حضرت یوسف نے اپنے فرزند سے گیند لی اور یہودا کی طرف لڑھکائی پس بچہ گیند کے پیچھے دوڑا اور اس کا ہاتھ یہودا کے جسم سے مس ہوا۔ پس فوراً یہودا کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور شش و پنج ہو کر دریائے حیرت میں ڈوب گیا بچہ گیند اٹھا کر

فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا

اور کہو اے بابا جان ! تحقیق تیرے فرزند نے چوری کی اور ہم نہیں گواہی دیتے مگر جو کچھ ہمیں معلوم ہے اور نہیں

كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا

تھے ہم غیب کے حافظ اور اس بستی والوں سے پوچھئے جس میں ہم تھے

وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

اور قافلہ والوں سے پوچھئے جس میں ہم واپس آئے اور ہم یقیناً سچے ہیں فرمایا بلکہ زینت دی تمہارے لئے تمہارے

واپس آگیا۔

پھر باہمی گفتگو میں یہودا کو غصہ آیا تو حضرت یوسف نے گیند کو لڑھکایا اور بچہ کا ہاتھ لگتے ہی یہودا کا غصہ فرو ہو گیا پھر تیسری بار بھی ایسا ہوا تو یہودا بھانپ گیا کہ یہاں حضرت یعقوب کے خون کا اثر ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت قمی منقول ہے کہ تمام بھائیوں کی دعوت کے بعد جب وہ سب کھانا کھا چکے تو حضرت یوسف نے باقی بھائیوں کو رخصت کر کے بن یامین سے فرمایا کہ میں تجھے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں بنیامین نے جواب دیا کہ میرے باپ نے میرے بھائیوں سے سخت عہد و پیمان لیا ہے لہذا وہ مجھے کسی قیمت پر چھوڑ کر نہ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی حیلہ تلاش کروں تو تو خاموش رہنا۔ چنانچہ حیلہ مذکورہ کو اختیار کیا گیا۔ بعض لوگ حضرت یعقوب کے تمام فرزندوں کو نبی مانتے ہیں لیکن شیعہ اصول کی رو سے ان کو نبی نہیں مانا جا سکتا۔ کیونکہ ہمارے نزدیک نبی وہ ہے جس سے زندگی کے کسی دور میں فعل قبیح کا صدور نہ ہو۔ پس ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ نبی نہیں تھے البتہ اپنی غلطی سے انہوں نے توبہ کر لی تھی اور حضرت یوسف نے بھی ان کو معاف کر دیا تھا لہذا وہ اللہ کے نیک بندے ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

قُوْلُوْا يٰۤاَبَانَا :۔ یہودا نے باقی بھائیوں کو پیغام دے کر روانہ کیا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائیوں کو بھی بنیامین کی چوری کا یقین نہیں تھا۔ اسی لئے تو کہا کہ ہم ظاہری علم کی بنا پر گواہی دے رہے ہیں۔ غیب کا ہمیں کوئی پتہ نہیں۔ اور ممکن ہے حضرت یعقوب نے اعتراض کیا ہو کہ شاہ مصر کو کیسے معلوم ہوا کہ چوری کے بدلہ میں چور کو غلام بنا لیا جاتا ہے تو انہوں نے جواب میں کہا ہو کہ ہم نے وہی بات بتائی جس کا ہمیں علم تھا کہ اولاد اسرائیل کا دستور ہے چور کو چوری کے بدلہ میں صاحب مال کا غلام بنا دیا جائے۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ حالات اس طرح پلٹا کھائیں گے اور بنیامین چوری کے الزام میں گرفتار ہو گا۔ پس بن یامین کے واپس بخیریت لانے کا عہد و پیمان علم غیب نہ رکھنے کی بنا پر تھا۔

وَاسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ :۔ اس مقام پر عبارت کافی محذوف ہے۔ مقصد یہ ہے کہ پس وہ واپس کنعان میں باپ کے پاس پہنچے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ اور کہا کہ اگر آپ کو ہماری بات پر یقین نہ آئے تو اس بستی والوں سے دریافت کر لو۔ جہاں ہم تھے کہتے

اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ

نفسوں نے ایک بات پس صبر جمیل (خوب ہے) اُمید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لائے گا

اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى

تحقیق وہ علیم و حکیم ہے اور ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا ہائے ارمان یوسف

يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ

پر اور سفید ہو گئیں ان کی آنکھیں غم سے پس وہ غم کو ضبط کرنے والے تھے کہنے لگے خدا کی قسم آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے ہیں۔

ہیں کہ مصر کے کچھ لوگ اس علاقہ میں آئے ہوئے تھے جن سے بطور شہادت پوچھنے کا انہوں نے کہا کہ قافلہ کے دوسرے لوگوں سے دریافت کر لو جو ہمارے ہمراہ تھے اور اب آپ کے ہمسایہ میں ہیں تاکہ آپ کو ہماری سچائی کا یقین ہو جائے۔

کیا رونا بے صبری ہے

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ: حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں رونا اور آہ و فغاں کرنا عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے۔ بایں ہمہ حضرت یعقوب کا اپنے آپ کو صبر جمیل کی صفت سے متصف کرنا اربابِ فکر و صاحبانِ دانش کے لئے غور طلب ہے۔ قرآن حکیم کا یہ انداز و اسلوب اور خاصانِ خدا کا طرزِ عمل صرف سرسری سیر نظر کے لئے نہیں بلکہ اسے تازیانۂ فطرت اور مہمیز عقل تصور کرنا چاہیئے تاکہ طبیعت میں اُلجھے ہوئے مسائل کا ان کی روشنی میں صحیح حل تلاش کیا جا سکے۔ پس گریہ و بکا کو خلافِ صبر کہنے والے قرآن کے ان ارشادات و انبیاء کے اس جیسے واقعات سے سبق حاصل کریں۔ خدا کا برگزیدہ نبی انتہائی غم و اندوہ اور آہ و بکا کے باوجود اپنے تئیں صبر جمیل سے متصف کر رہا ہے۔ اور خدا بھی اس کو صابر کہہ رہا ہے تو معلوم ہوا کہ کسی مصیبت میں صرف رونا اور غم زدہ ہونا منافی صبر نہیں بلکہ عین فطرت اور محبوب پروردگار ہے۔ ہاں اللہ کے فیصلہ کو رد کرنا۔ اور اس کا شکوہ کرنا خواہ گریہ نہ بھی ہو بے صبری اور منافی فطرت ہے اور مبغوض پروردگار بھی ہے۔

قوم شیعہ کا حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر بلکہ جملہ خاندانِ رسول کے بے گناہ اُجڑ جانے پر ماتم کرنا رونا پیٹنا کسی دنیاوی مفاد کی خاطر نہیں بلکہ محبتِ خدا و رسول کا تقاضا یہی ہے کہ خاصانِ خدا اور اقربائے پیغمبر پر اُمتِ ناہنجار کے مظالم کی داستان دہرائی جائے اور ان کے حلم و حوصلہ اور صبر و ضبط کی یاد تازہ کی جاتی رہے تاکہ مظلوم کے غم میں بہتے ہوئے آنسو رونے والے کے دل و دماغ سے ظلم و جور و استبداد بلکہ تمام گناہوں کے اُبھرتے ہوئے نقوش کو دھو دیں۔ اور اُسوۂ حسنۂ مظلوم سے صحیفۂ قلب پر جنم لینے والے اچھے اثرات کے لئے یہی آنسو آبِ بقا کا کام دیں کیونکہ ظالم اور اس کی جملہ بد عادات سے نفرت نیز مظلوم اور اس کی جملہ خوبیوں سے محبت قصۂ پارینہ کی صورت میں صدا بصحرا سے زیادہ

وقعت نہیں رکھتی لیکن جب اُسے بار بار دُہرایا جائے اور خلوص بھی کارفرما ہو تو ظالم کی برائیوں سے نفرت اور مظلوم کی اچھائیوں سے محبّت جہاد نفس میں فتح و کامرانی کا علم بن کر اُبھرتی ہے جس کی بدولت انسان نما انسان حقیقی انسانیت کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ اور اپنے مثالی کردار سے قوم و ملک و ملّت کی صحیح خدمت کرنے کے اہل ہوتا ہے اور دین و دنیا کی بھلائی اس کے لئے فرشِ راہ ہوتی ہے۔

عَسَی اللّٰہُ:۔ صافی و برہان و مجمع البیان میں معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ حضرت یعقوب نے خدا سے دعا مانگی تھی کہ وہ ملک الموت کو بھیجے چنانچہ دعا مقبول ہوئی اور ملک الموت حضرت یعقوب کے پاس پہنچے تو آپ نے دریافت کیا کہ یوسف کی روح بھی تیرے پاس پہنچی ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس آپ کو یوسف کی زندگی کا علم ہو گیا۔ نیز تفسیر برہان و صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی عرب نے حضرت یوسفؑ سے غلّہ خریدا جب وہ روانہ ہونے لگا تو آپ نے فرمایا کہ جب فلاں وادی کے قریب پہنچنا تو ٹھہر جانا اور یعقوب کے نام آواز دینا پس ایک خوبصورت عظیم الشان آدمی باہر آئے گا۔ اس سے کہنا کہ مصر میں ایک آدمی تجھے سلام کہتا تھا اور عرض کرتا تھا کہ میں تیری امانت ہوں اور اللہ تیری امانت کو ضائع نہیں کرتا پس وہ عرب پیغام لے کر روانہ ہوا۔ جب اُس مقام پر پہنچا تو اپنے ملازمین سے کہا تم اس جگہ ٹھہر جاؤ میں پیغام پہنچا کر ابھی واپس آتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے گھروں کے قریب پہنچ کر یعقوب کے نام آواز دی تو خوب رُو قد آور نورانی چہرے والا ایک آدمی نکلا جو آنکھوں سے معذور تھا اور دیوار کا سہارا لے کر ادھر آرہا تھا اُس نے پوچھا کیا یعقوب آپ ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں! پس اُس نے یوسف کا پیغام پہنچایا۔ جس کے سنتے ہی حضرت یعقوب پر غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو اعرابی سے فرمایا کیا تیرے دل میں کوئی خواہش ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ ہاں! میری عورت میری چچا زاد ہے۔ اور میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ خدا سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ پس حضرت یعقوب نے وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کی اور خدا سے اس کے لئے دعا کی جو مقبول ہوئی۔ اس کی عورت کو چار دفعہ یا چھ دفعہ حمل ہوا۔ اور ہر حمل میں دو دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بہرکیف حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی زندگی کا علم تھا اور خداوند کریم نے بھی بذریعہ وحی کے جتلا دیا تھا کہ ایک طولانی غیبت کے بعد تجھے ملاؤں گا۔ اسی بنا پر بیٹوں کو فرماتے تھے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اور اس آیت مجیدہ میں جو توقع آپ نے ظاہر فرمائی ہے کہ اُمید ہے شاید خدا ان سب کو میرے پاس لے آئے اسی علم کی بنا پر ہی ہے۔

نیز تفسیر برہان میں ہے عزیزِ مصر نے حضرت یعقوب کو ایک خط لکھا تھا کہ تیرے لڑکے یوسف کو میں نے خرید لیا ہے اور تیرے بیٹے بنیامین کو چوری کے جرم میں اپنا غلام بنا لیا ہے۔ جب حضرت یعقوب نے یہ خط پڑھا تو آنکھوں کے سامنے دنیا تاریک ہو گئی اور فوراً جواب لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط یعقوب اسرائیل اللہ بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ کی جانب سے ہے۔ امابعد! میں نے

تیرے خط کا مطلب سمجھا ہے کہ تو نے میرے فرزند کو خرید کر غلام بنالیا ہے۔ تحقیق انسان پر مصائب آیا کرتے ہیں۔ دنیا کے بادشاہ نے میرے جد ابراہیم کو آگ میں ڈالا تھا تو خدا نے اس کو بردو سلام کردیا۔ اور میرے باپ اسحق کے ذبح کا حکم ہوا تو خدا نے اس کے بدلہ میں دنبہ بھیج کر اسے بچالیا۔ (روایات میں ذبیح اللہ کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ اسمٰعیل تھے یا اسحق۔ اس روایت میں حضرت اسحق کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم) اور میرا فرزند جو مجھے نہایت عزیز تھا بلکہ میری آنکھ کی ٹھنڈک اور دل کا سرور تھا۔ بھائی اس کو لے گئے اور بہانہ بنا کر پلٹے کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ اس کے غم میں میری پشت ٹیڑھی اور بینائی ختم ہوگئی ہے۔ پھر اس کا ایک بھائی تھا جس کے ساتھ میں اپنا دل بہلا لیا کرتا تھا۔ بھائی اس کو تیرے شہر میں غلہ خریدنے کے لئے لے گئے اور واپس آکر انہوں نے بیان کیا کہ اُس نے بادشاہ کا پیمانہ یا گلاس چرایا ہے۔ جس کی پاداش میں غلام بنا لیا گیا ہے۔ حالانکہ چوری اور گناہ کی واردات ہماری خاندانی روایات کے منافی ہیں۔ میں ابراہیم و اسحق و یعقوب کے معبود کا واسطہ دے کر تجھ سے خواہش کرتا ہوں کہ میرے اُوپر احسان کر اور بیٹے کو مجھے واپس کردے۔ جب یہ خط حضرت یوسف کے پاس پہنچا تو انہوں نے اُس کو آنکھوں پر رکھا اور اس کو بوسہ دیا اور سخت روئے اور چونکہ خط لے جانے والے بھائی تھے لہٰذا اُن سے فرمایا هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ۔ الآیۃ۔ جو بعد میں آئے گا۔

اِس تفصیل سے روزِ روشن کی طرح چند باتیں واضح ہوجاتی ہیں۔

۱۔ حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی زندگی کا علم تھا صرف فراقِ یوسف میں گریہ فرماتے تھے۔

۲۔ حضرت یعقوب کی یوسف سے پدری محبت تھی جو حضرت یعقوب کے گریہ کی محرک تھی۔

۳۔ حضرت یوسف پر ظلم و تشدد بھائیوں کی جانب سے تھا اسی لئے تو بعض مظالم بعض بھائیوں کو گوارا نہیں ہوتے تھے اور برادرانہ محبت آڑے آجاتی تھی جیسا کہ کنوئیں میں یہودا کا خوراک پہنچانا بھی منقول ہے۔

۴۔ حضرت یعقوب اس قدر روئے کہ ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں یعنی بینائی ختم ہوگئی۔

۵۔ حضرت یعقوب نے کثرتِ گریہ کے باوجود اپنے آپ کو صبرِ جمیل کی صفت سے متصف کیا۔

۶۔ حضرت یعقوب کا گریہ خداوند کریم کو محبوب تھا۔ اسی لئے تو آزمائش کو طول دیدیا اور قرآن میں اس کو سراہا۔

۷۔ حضرت یعقوب کا گریہ حلم و حوصلہ کے منافی نہیں تھا کیونکہ باوجود گریہ کے خدا نے اس کو حلیم کی صفت سے یاد فرمایا ہے۔

۸۔ خدا کے فیصلہ کو ٹھکرانا اور اس کا شکوہ کرنا ہی بے صبری ہے۔

اِن نتائج کی روشنی میں آلِ محمدؐ کے مصائب پر قوم شیعہ کا رونا اور ماتم کرنا عین سنّتِ انبیاء اور اُسوۂ صلحاء ہے بلکہ قوم شیعہ کا ماتم کسی پدری و مادری یا خونی رشتہ کی بنا پر نہیں۔ یہاں تو صرف خدا اور رسول کی محبت کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا ہے اور خوشنودیٔ خدا اور رسول ہی مطلوب ہوا کرتی ہے۔

یَا اَسفٰی :۔ تفسیر مجمع البیان میں سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ مصیبت کے وقت اُمّتِ اسلامیہ کو جو فقرہ عطا کیا گیا ہے وہ اس سے قبل انبیاء کو نہیں دیا گیا۔ اور وہ ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اگر یہ فقرہ پہلے نبیوں کو عطا ہوتا۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام یَا اَسفٰی کی بجائے یہی فقرہ پڑھتے۔

وَابْیَضَّتْ :۔ آنکھ کا سفید ہونا کنایہ ہے۔ بصارت کے ختم ہو جانے سے۔ اور مروی ہے کہ چھ سال حضرت یعقوب بصارت سے محروم رہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نابینا نہیں ہوئے تھے بلکہ اس قدر ان کی بصارت کمزور ہوگئی تھی کہ نابینا ہونے کے قریب تھے۔ حُزن اور بث میں عام وخاص مطلق کی نسبت ہے۔ چنانچہ بث اس غم کو کہتے ہیں جو چھپایا نہ جا سکے اور غم زدہ آدمی اس کے اظہار پر مجبور ہو۔ بنابریں اگلی آیت میں حُزن کا بث پر عطف کرنا عطفِ عام علی الخاص ہے حضرت یعقوب فراقِ یوسف میں اس قدر روئے کہ عالم میں سب سے زیادہ گریہ کرنے والے پانچ میں سے ایک یہ ہیں۔ جیسے کہ احادیث میں وارد ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا گیا کہ حضرت یعقوب کا یوسف کے فراق میں گریہ کس قدر تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ ماں جس کا اکلوتا بیٹا مر جائے۔ ایسی ستّر ماؤں کے غم کے برابر صرف ایک یعقوب کا غم تھا۔

تنبیہ :۔ قومِ شیعہ کے غمِ حسینؑ میں رونے کو بدعت اور حرام کہنے والے حضرت یعقوب کے غم واندوہ اور گریہ و بکا پر قرآن کی روشنی میں غور کریں۔ شہید ہونے والے کے غم میں گریہ کرنا دیکھنا ہو تو حضرت آدمؑ کا ہابیل کے غم میں گریہ کرنا بلکہ سر میں خاک ڈالنا معارج النبوۃ میں دیکھیں۔ اور زندہ جدا ہونے والے کی جدائی میں رونے کے جواز کا فتویٰ قرآن مجید کی سورہ یوسف سے دریافت کر کے تسلّی کر لیں۔

آلِ محمدؐ کے مصائب پر رونا اس لئے بدعت قرار دیا جاتا ہے کہ اس سے بعض صحابہ کے حق میں نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں بعض عُلمائے اسلام کا قول نقل کیا ہے (علی ما یروی عنہ) چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ گویا یہ لوگ دبی زبان سے اعتراف کر رہے ہیں کہ آلِ محمدؐ کے ستانے رُلانے اور ذبح کرنے میں ان لوگوں کا ہاتھ تھا جن کے متعلق نفرت پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ حق وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دے اور غمِ حسین کی کرامات کا سلسلہ آج تک جاری وساری رہ کر دنیا والوں کے لئے دعوتِ فکر کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۔ ہر غم دل کو کمزور کرتا ہے اور غمِ حسین دل کو طاقتور بناتا ہے۔

۲۔ ہر غم واندوہ بزدلی کا باعث بنتا ہے اور غمِ حسین جرأت کا درس دیتا ہے۔

۳۔ غمِ حسین میں رونے والا آشوبِ چشم سے محفوظ رہتا ہے۔

۴۔ ہر غم تھکان بڑھاتا ہے اور غمِ حسین تھکے ماندے انسان کو تازہ دم کر دیتا ہے۔

۵۔ ہر غم سے دل اکتا جاتا ہے اور غمِ حسین سے دل کبھی نہیں اکتاتا بلکہ عزیزوں کی موت ایک وقت کے بعد قصّہ پارینہ

يُوسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿٨٥﴾ قَالَ

یہاں تک کہ بہت لاغر ہو جائیں یا مرنے والوں سے ہو جائیں فرمایا

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾

سوائے اس کے نہیں کہ میں اپنے غم واندوہ کی شکایت اللہ کو کرونگا اور اللہ کی طرف سے میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

بن جاتی ہے۔ لیکن بچپنے سے لے کر بڑھاپے کی آخر منزل تک غم حسین میں رونے والا اس غم کو سرور قلب بلکہ رگِ حیات خیال کرتا ہے۔ اے اللہ ہمیں آلِ محمدؐ کے عزاداروں میں محشور فرمانا۔

بَثِّيْ وَحُزْنِيْ :۔ تفسیر برہان میں بروایت جابر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ ایک مرتبہ حضرت یعقوب اپنے کسی کام میں بادشاہِ وقت کے پاس گئے تو بادشاہ نے دریافت کیا کیا آپ ابراہیم ہیں ؟ تو جواب دیا کہ نہیں۔ پھر اُس نے پوچھا کیا آپ اسحٰق ہیں ؟ تو آپ نے نفی میں جواب دیا۔ پھر اُس نے پوچھا کہ آپ کون ہیں ؟ تو فرمایا میں یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم ہوں۔ بادشاہ نے ازراہِ استعجاب پوچھا۔ آپ تو نوجوان ہیں پھر یہ آثارِ ضعیفی کیسے ؟ تو جواب دیا کہ یہ یوسف بیٹے کے فراق کے غم کے نتیجے میں ہے۔ بہرکیف جس کام کے لئے گئے تھے وہ ہو گیا۔ واپسی پر ابھی تک دہلیز میں ہی تھے کہ جبریل نے کہا خدا تجھے سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندوں کے سامنے میرا شکوہ کیا ہے۔ پس حضرت یعقوب نے وہاں سر سجدہ میں رکھ کر عاجزی وزاری کی اور معافی مانگی۔ پس جبریل نے مژدہ سنایا کہ خدا نے تجھے معاف کر دیا ہے اور وہ سلام کے بعد فرماتا ہے آیندہ میرا شکوہ میری مخلوق کے سامنے نہ کرنا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب بیٹوں نے باپ سے کہا کہ آپ رو رو کر نڈھال ہو رہے ہیں۔ اور قریب ہے کہ یہ گریہ آپ کے لئے موجبِ ہلاکت بن جائے۔ تو ان کے جواب میں فرمایا اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۔ کہ میں اپنے غم واندوہ کا شکوہ اپنے اللہ کی طرف ہی کرتا ہوں۔ اور خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

بروایت مجمع البیان حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جبریل نے حضرت یعقوب کو یہ بشارت سنائی تھی کہ خدا بعد سلام کے فرماتا ہے۔ اپنے دل میں اطمینان رکھو مجھے اپنی عزت کی قسم اگر تیرے دونوں بیٹے مر بھی گئے تب بھی میں ان دونوں کو زندہ کر کے تجھے ملاؤں گا۔ پس تم مساکین کو کھانا کھلاتے رہو کیونکہ مجھے سب بندوں میں سے مساکین زیادہ عزیز تر ہیں۔ اور تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نے تیری بینائی سلب کر لی اور پیٹھ کو کبڑا کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے بکرا ذبح کیا اور روزہ دار مسکین نے تمہارے دروازہ پر صدا دی لیکن تم نے اس کو کچھ نہ دیا۔ پس اس کے بعد جب بھی حضرت یعقوبؑ صبح کا کھانا کھاتے تھے ایک منادی ان کی طرف سے ندا کرتا تھا کہ جس مسکین نے صبح کا کھانا کھانا ہو تو یعقوب کے دسترخوان پر آجائے اور جو کوئی روزہ دار ہو آکر یعقوب کے دسترخوان پر روزہ افطار کرے۔

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَ اَخِیْهِ وَ لَا تَایْــٴَـسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ
بیٹو! جاؤ پس یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور مایوس نہ ہو اللہ کی رحمت سے
اِنَّهٗ لَا یَایْــٴَـسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا
تحقیق اللہ کی رحمت سے نہیں مایوس ہوتے مگر کافر لوگ پس جب وہاں پہنچے
عَلَیْهِ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ
تو کہنے لگے اے عزیز! ہم اور ہمارا خاندان تکلیف میں ہیں اور ہم تھوڑی سی پونجی لائے ہیں

تفسیر برہان میں بروایت عیاشی حضرت یعقوب کا بادشاہ وقت کے پاس جانا حضرت ابراہیم کے کہنے سے ہے یعنی حضرت ابراہیم نے حضرت یعقوب کو بادشاہ کے پاس کسی مطلب کے لئے بھیجا تھا۔ باقی روایت مثل سابق ہے باختلاف بعض الفاظ۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ تک حضرت ابراہیم زندہ تھے (واللہ اعلم)

فَتَحَسَّسُوْا:۔ تجسّس اور تحسّس مرادف لفظ ہیں ان کا معنی ہے تلاش کرنا۔ چنانچہ حدیث میں تجسّس اور تحسّس دونوں سے منع کیا گیا ہے۔ اور بعض لوگوں نے ان دونوں میں فرق بھی بیان کیا ہے۔ (۱) تجسّس کا معنی ہے لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگانا اور تحسّس کا معنی ہے چھپ کر لوگوں کی باتیں سننا (۲) تجسّس کا معنی ہے بُری باتوں کی جستجو کرنا اور تحسّس کا معنی اچھی خبروں کا تلاش کرنا ہے۔

قصّہ:۔ بہرکیف حضرت یعقوب نے اپنے باقی فرزندوں کو حکم دیا کہ یوسف اور بنیامین کی تلاش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ چنانچہ فرمایا کہ جاؤ اور مصر کے بادشاہ وقت کا نام دریافت کرو۔ اور اس کے دین و مذہب کا سراغ لگاؤ۔ کیونکہ میرے دل میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ جس نے بنیامین کو روک لیا ہے وہ شاید یوسف ہی ہے اور اس نے بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کے لئے گلاس کے گم ہونے کا بہانہ بنایا ہے۔

وَ لَا تَایْــٴَـسُوْا:۔ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔ اور روایات میں معصومین سے منقول ہے کہ مومن کا ایمان خوف اور رجا کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ پس محض خوف ہی خوف کفر کی نشانی ہے۔ اور اسی طرح محض اُمید ہی اُمید بھی ایمان سے دُوری کی نشانی ہے۔ بلکہ مومن وہ ہے کہ اللہ کے عذاب اور اس کی سخت گرفت سے خوف زدہ ہو۔ اور اس کی بخشش کا اُمیدوار ہو۔ اگر وزن کیا جائے تو اس کا خوف اور اُمید برابر برابر ہوں۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ مومن سختی اور شدّت میں اللہ سے خیر کی اُمید رکھتا ہے اور خوش حالی میں اس کا شکر گذار رہتا ہے۔ اور کافر کی یہ شان نہیں ہے آیت مجیدہ میں ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کافروں کا فعل ہے۔

مُّزۡجٰىةٍ فَاَوۡفِ لَنَا الۡكَيۡلَ وَتَصَدَّقۡ عَلَيۡنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجۡزِى

ہمیں غلّہ پُورا دے اور ہم پر تصدّق کر تحقیق اللہ تصدّق کرنے والوں کو

الۡمُتَصَدِّقِيۡنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا فَعَلۡتُمۡ بِيُوۡسُفَ وَاَخِيۡهِ اِذۡ

اچھا بدلہ دیتا ہے کہا کیا تم کو خبر ہے جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا جبکہ

اَنۡتُمۡ جٰهِلُوۡنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوۡۤا ءَاِنَّكَ لَاَنۡتَ يُوۡسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوۡسُفُ

تم جاہل تھے کہنے لگے کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ فرمایا ہاں میں یوسف ہوں

قِصّہ: بہرکیف حضرت یعقوب نے اپنے باقی بیٹوں کو تیار کرکے پھر مصر کی طرف روانہ فرمایا۔ اور تفسیر برہان میں ہے کہ اِس دفعہ اُن کو ایک خط بھی لکھ دیا۔ جس میں اپنے مصائب خصوصاً یوسف کا فراق اور اس کے بعد بنیا مین کی جدائی کا تذکرہ بھی کیا۔ اور غلّہ کے لین دین میں حُسنِ سلوک کی سفارش بھی فرمائی۔ چنانچہ یہ لوگ کنعان سے روانہ ہو کر مصر میں پہنچے اور باپ کا خط پیش کیا حضرت یوسف نے باپ کے خط کو آنکھوں پر رکھا اور اس کو بوسہ دیا پھر اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے گریبان تر ہو گیا۔ یہ اولادِ یعقوب کا تیسرا سفر ہے۔

مُزۡجٰىةٍ۔ اَزۡجٰى۔ يُزۡجِىۡ۔ اِزۡجَاءً۔ باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے آہستہ آہستہ چلانا۔ قرآن مجید میں ہوا کے متعلق ہے۔ يُزۡجِىۡ سَحَابًا۔ یعنی وہ ہوا بادل کو آہستہ آہستہ چلاتی ہے۔ فُلَانٌ يُزۡجِى الۡعَيۡشَ۔ یعنی فلاں آدمی زندگی کو تھوڑی آمدنی سے چلا رہا ہے۔ اِس مقام پر بِضَاعَةٍ مُّزۡجٰىةٍ سے مراد وہ تھوڑی رقوم یا مختصر سامان ہے جس کو نہایت محتاط انداز سے تھوڑا تھوڑا خرچ کرکے قحط سالی کے ایّام میں گذر اوقات کا ذریعہ بنایا جائے۔ پس اولادِ یعقوب نے اپنی بسر اوقات اور معمولی گذران کا تذکرہ کرکے غلّہ طلب کیا۔ اور درخواست کی کہ ہماری تھوڑی پونجی کو قبول کیجئے اور اس کے بدلہ میں ہمیں جو غلّہ عنایت ہو وہ پچھلے سالوں کی طرح فی آدمی ایک بار شتر پورا ہو۔ ہماری پونجی کی کمی کو مدنظر رکھ کر اس میں کمی نہ کی جائے۔ اور اس رواداری کو صدقہ سے تعبیر کیا۔ اور مقصد یہ ہے کہ آپ کی کرم گستری اور احسان شعاری ہوگی۔ جس کی جزا اللہ ہی دے گا۔ اور بعض مفسّرین نے تصدق سے مراد بنیامین کی واپسی لکھی ہے۔ اور حضرت یعقوب کی سفارش کا مقصد بھی یہی تھا۔

قَالَ هَلۡ عَلِمۡتُمۡ: حضرت یوسف نے بھائیوں کی درخواست کی سماعت کی اور باپ کے خط کا بار بار مطالعہ کیا دل بھر آیا اور آخر کار ضبط نہ کر سکے۔ پس اندر گئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھ کر منہ دھو کر باہر تشریف لائے۔ اور طبیعت پر قابو پا کر فرمایا کیا تمہیں خبر ہے جو تم نے یوسف سے سلوک کیا اُسے باپ سے جدا کیا۔ اُس کے قتل کا ارادہ کیا اور کھوٹے پیسوں میں اس کو بیچ ڈالا اور اس کے مادری بھائی کو ذلیل سمجھتے رہے وغیرہ۔

وَهٰذَآ اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

اور یہ میرا بھائی ہے تحقیق اللہ نے ہم پر احسان فرمایا تحقیق جو تقوے کرے اور صبر کرے پس تحقیق اللہ نیک لوگوں کا اجر

اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا

ضائع نہیں کرتا کہنے لگے خدا کی قسم یقیناً آپ کو اللہ نے ہم پر فضیلت دی اور تحقیق ہم غلطی

لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ

پر تھے فرمایا میں تمہیں آج سرزنش نہیں کرتا خدا تمہیں بخش دے اور وہ

جَاهِلُوْنَ: ۔ حضرت یوسفؑ کے اخلاق کریمانہ کو دیکھئے کہ جن بھائیوں نے آپ کو انتہائی مصائب کے منہ میں دھکیل دیا تھا وقت آنے پر برسرِ اقتدار ہوتے ہوئے انتقام سے درگذر کرنا تو درکنار بھائیوں سے سخت کلامی کو گوارا نہ فرمایا حتیٰ کہ ان کی طرف جہالت کی نسبت دینا بھی پسند نہ کیا ۔ چنانچہ فرمایا کہ تم نے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ۔ وہ تمہاری اُس وقت کی نادانی کا نتیجہ تھا نہ کہ اب جاہل ہو ۔ گویا ان کو معذرت کرنے کا راستہ بھی معافی کے ساتھ ساتھ بتا دیا اور کہتے ہیں یہ بات کہتے ہوئے حضرت یوسف نے مسکرا دیا اور آپ کے چمکیلے خوبصورت دانت جو تابناک موتیوں کی طرح رہے تھے جب ظاہر ہوئے تو بھائیوں کو یوسف کا شبہ ہوا ۔ بعض کہتے ہیں سر سے آپ نے تاج علیحدہ کیا تو اُن کو شک ہُوا پس فوراً اشک کے لہجہ میں گویا ہوئے ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ استفہاماً پوچھا کہ کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ فرمایا ہاں! میں ہی یوسف ہوں اس مقام پر اَنَا هُوَ نہیں فرمایا بلکہ اپنے نام کو دُہرایا ۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ میں وہی یوسف ہوں جس کے ساتھ تم بھائیوں نے زمانِ جہالت میں ظلم و تشدّد کیا تھا ۔

وَاِنْ كُنَّا ۔ یہ اِنْ اِنَّ کا مخفف ہے ۔ اس مقام پر حضرت یوسف کے بھائیوں کا اعتراف موجود ہے کہ ہم خطاکار تھے ۔ اور آپ ہی ہم سے افضل و اشرف ہیں ۔ پس حضرت یوسف نے کھلے لفظوں میں ان کی معافی کا اظہار فرمایا کہ ۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔ یعنی آج کرسیٔ اقتدار سنبھالنے کے باوجود میں تم سے انتقام نہیں لینا چاہتا بلکہ تمہارے لئے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں ۔ آئمہ طاہرین علیہم السّلام نے اپنے شیعوں کو انہی اخلاقِ کریمانہ کا قولی و عملی درس دیا ہے چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام کو جب ایک شخص نے ناسزا الفاظ کہے تو آپ چل کر اس کے گھر پہنچے وہ شرمسار ہوا آپ نے فرمایا میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ جن الفاظ سے تو نے مجھے خطاب کیا تھا اگر میں واقعی ان کا مستحق ہوں تو اپنے لئے اللہ سے معافی مانگتا ہوں ۔ اور اگر تجھے غلط فہمی تھی تو میں تیرے لئے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں ۔ پس وہ شخص آپ کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر فوراً تائب ہو گیا ۔

اِذْهَبُوْا : ۔ تفسیر برہان میں بروایت مفضل بن عمر و امام جعفر صادق علیہ السّلام نے پوچھا کہ تم یوسف کی قمیص کی حقیقت کو

اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۹۲﴾ اِذۡهَبُوۡا بِقَمِیۡصِیۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰی وَجۡهِ اَبِیۡ

وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے میری یہ قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کے منہ پر ڈال دو وہ بینا

یَاۡتِ بَصِیۡرًا ۚ وَاۡتُوۡنِیۡ بِاَهۡلِكُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا

ہو جائے گا پھر سارا خاندان لے کر واپس میرے پاس آجاؤ اور جب

جانتے ہو؟ راوی نے عرض کی کہ نہیں مولا۔ آپ نے فرمایا۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو آتش نمرودی میں ڈالا گیا تھا تو جبریل نے جنّت سے لاکر یہ قمیص ان کو پہنائی تھی۔ اس کی خاصیّت یہ تھی کہ گرمی و سردی کا اس پر اثر نہیں ہوتا تھا۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے بوقتِ آخر بطور تعویذ یہی قمیص حضرت اسحٰقؑ کے گلے میں ڈال دی تھی، پھر حضرت اسحٰقؑ نے حضرت یعقوبؑ کے گلے میں ڈالی اور جب یوسفؑ پیدا ہوئے تو حضرت یعقوبؑ نے بطور تعویذ چاندی کی تختی میں بند کر کے اس کو یوسفؑ کے بازو سے باندھ دیا تھا القصہ جب یوسفؑ نے وہی قمیص تعویذ سے نکالی تو فوراً اس کی خوشبو حضرت یعقوبؑ کے مشام میں پہنچی اور فرمایا مجھے خوشبو آرہی ہے (چونکہ یہ قمیص جنّت کی تھی اور جنّتی لباس کی خوشبو مومن کو ایک ہزار سال کی مسافت سے محسوس ہو سکتی ہے) راوی نے پوچھا پھر وہ قمیص کہاں گئی؟ آپ نے فرمایا اپنے اہل کے پاس رہی حتّٰی کہ یکے بعد دیگرے انبیاء سے منتقل ہو کر حضرت محمد مصطفٰےؐ تک پہنچی۔ یہ روایت کافی اور بصائر الدرجات سے منقول ہے۔ بروایت علی بن ابراہیم آپ نے فرمایا وہ قمیص اب ہمارے پاس محفوظ ہے۔ جب قمیص لے کر قافلہ مصر سے روانہ ہوا تھا اُس وقت حضرت یعقوبؑ فلسطین میں تھے۔

میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تھا اور قمیص اتاری تھی تو حضرت جبریلؑ نے یہی قمیص جنّت جو بطور تعویذ ان کے گلے میں لٹکی ہوئی تھی کھول کر ان کو پہنا دی تھی اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت قائم آلِ محمدؐ جب خروج کریں گے تو ان کے پاس وہ قمیص ہو گی۔

تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت صاحب الامر کو حضرت یوسفؑ کے واقعات سے مشابہت حاصل ہے۔ راوی کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی اسباط اور اولادِ انبیاء تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں یوسفؑ کو بیچا لیکن بوقتِ ملاقات نہ پہچان سکے جب تک یوسفؑ نے اپنے منہ سے نہ کہا کہ میں ہی یوسف ہوں۔ اُس وقت حضرت یوسفؑ مصر کے بادشاہ تھے۔ ان کے اور ان کے والد کے درمیان اٹھارہ روز کا سفر تھا جس کو خوشخبری ملنے پر حضرت یعقوبؑ نے نو دن میں طے کیا۔ اگر ظاہری اسباب کو استعمال کرتے تو اتنی دیر تک فراق کی مصیبتیں نہ جھیلتے تو کیا عجب ہے کہ خداوند کریم حضرت صاحب الامر کے لئے بھی ویسی ہی صورت پیدا کر دے کہ وہ بازاروں میں سڑکوں پر چلتے پھرتے رہیں اور لوگ ان کو پہچان نہ سکیں۔ پس جس طرح مشیّت ایزدی کے ماتحت ایک طویل عرصہ کے بعد یوسف و یعقوب کے درمیان سے جدائی کے پردے ہٹے، اسی طرح اسی کی مشیّت کے ماتحت اس کی

غیبت کا پردہ ہٹے گا۔

علامہ طبرسی قدس سرہ مجمع البیان میں فرماتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کا یہ فرمانا کہ یہ قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کے منہ پر رکھ دو وہ بینا ہو جائے گا معجزہ ہے۔ کیونکہ حضرت یوسفؑ کو کیا خبر تھی کہ اس قمیص کے ڈالنے سے وہ بینا ہو جائیں گے (تاکہ اس کو پیشین گوئی کہا جا سکے۔ پس اس اعتبار سے معجزہ ہے کہ انہوں نے چاہا اور خدا نے اس میں یہ اثر ڈال دیا کہ حضرت یعقوب کی جملہ تکالیف و مصائب کا مداوا ہو گیا۔ کمر سیدھی ہو گئی۔ بینائی پلٹ کر آگئی۔ اور ضعف و ناتوانی کی جگہ تندرستی و توانائی نے لے لی (لیکن میرے خیال میں معجزہ کی بہ نسبت اس کو پیشین گوئی کہنا زیادہ انسب ہے۔ کیونکہ یہ قمیص جب قمیص جنّت تھی تو جس طرح اس کی خاصیت ہے کہ اس کی خوشبو مومن کافی دُور سے محسوس کر سکتا ہے۔ اسی طرح شاید یہ بھی اس کے خواص میں سے ہو کہ جس بدن سے مس ہو جائے اُس کی جملہ بیماریوں، مصیبتوں اور کمزوریوں کو ختم کر دے، ضعیف کو جوان کر دے کمزور کو توانا کر دے، نابینا کو بینا ختم کر دے، مغموم کو مسرور کر دے۔ اور بے دم کو تازہ کر دے۔ وعلی ہذا القیاس۔ البتہ اس قسم کی اخبارِ غیبیہ بھی چونکہ عام بشری طاقت سے باہر ہیں۔ لہٰذا اس کو معجزہ کہنا بھی بے جا نہیں ہے بلکہ پیشین گوئی بھی معجزہ کی ایک قسم ہے۔ اور مروی ہے کہ جبریل نے کہا تھا کہ باپ کی طرف جنّت کی قمیص روانہ کر دو، کیونکہ اس میں جنّت کی خوشبو ہے۔ جس کا خاصہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ کی مصیبت دُور کرے۔ اور بیمار کو شفا یاب کرے۔

کہتے ہیں حضرت یوسف نے قمیص دیتے وقت یہ فرمایا تھا کہ میری قمیص کو وہی لے جائے جو پہلی دفعہ خون میں ملطخ کر کے لے گیا تھا۔ پس یہودا نے کہا کہ وہ میں ہی تھا۔ آپ نے فرمایا بس اب یہ قمیص بھی تم ہی لے جاؤ۔ کیونکہ جس طرح تم پہلی دفعہ ان کے غمزدہ کرنے کے سبب بنے تھے۔ اب ان کے خوش کرنے کے بھی تم ہی موجب بنو۔ چنانچہ اس خوشی میں یہودا نے سر و پا برہنہ مسافت کو بڑی تیزی سے طے کیا۔ اسی فرسخ کا راستہ تھا اور اپنے دامن میں سات روٹیاں باندھ کر روانہ ہوا۔ ابھی تک روٹیاں ختم نہیں ہوئی تھیں اور وہ منزلِ مقصود پر جا پہنچا۔

تفسیر برہان و صافی میں منقول ہے کہ جب عزیزِ مصر نے آپ کو خط لکھا تھا کہ تیرے ایک بیٹے کو میں نے خرید لیا ہے اور دوسرے بیٹے کو چوری کے الزام میں اپنے پاس قید کر لیا ہے تو آپ کو یہ تحریر بڑی شاق گذری اور اس کا مناسب جواب لکھا جس کا مضمون گذر چکا ہے۔ جب خط روانہ کر چکے تو حضرت جبریل کا نزول ہوا۔ اور انہوں نے یہ دعا تعلیم کی۔ يَا مَنْ لَا يَعْلَمُ اَحَدٌ كَيْفَ هُوَ وَحَيْثُ هُوَ وَقُدْرَتَهُ اِلَّا هُوَ يَا مَنْ سَدَّ الْهَوَاءَ بِالسَّمَاءِ وَكَبَسَ الْاَرْضَ عَلَى الْمَاءِ وَاخْتَارَ لِنَفْسِهِ اَحْسَنَ الْاَسْمَاءِ اِيْتِنِيْ بِرَوْحٍ مِّنْكَ وَفَرَجٍ مِّنْ عِنْدِكَ۔

چنانچہ آپ نے اس دعا کو وردِ زبان کیا اور ابھی تک سفیدیٔ صبح نمودار نہیں ہوئی تھی کہ یوسف کی قمیص پہنچ گئی (حضرت یعقوب کے خط روانہ کرنے اور پھر مصر سے قافلہ کے خوش خبری لے کر آنے میں کافی دن خرچ ہوئے۔ پس روایت کا مقصد غالباً یہ ہے کہ جس شام کو جبریل نے دعا تعلیم کی۔ اسی رات طلوعِ صبح سے قبل بشارت پہنچ گئی (واللہ اعلم)

فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ

قافلہ (مصر سے) نکلا باپ نے (اولاد سے) کہا تحقیق میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں اگر تم مجھے دیوانہ نہ سمجھو

﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ

کہنے لگے بخدا آپ اپنی پرانی غلطی پر قائم ہیں پس جب بشیر آیا اور

الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّىْٓ

اس (قمیص) کو اس کے منہ پر ڈالا تو وہ بینا ہو گئے فرمایا میں کہتا نہیں تھا تمہیں کہ میں اللہ کی

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ

جانب سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟ کہنے لگے اے ابا جان! ہمارے لئے بخشش کی دعا کرو

اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّىْ ؕ اِنَّهٗ

گناہوں کی کہ ہم خطاکار ہیں فرمایا عنقریب تمہاری بخشش کی اللہ سے دعا کروں گا کہ تحقیق

رکوع ۵

قصہ:- حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کو قمیص دے کر روانہ فرمایا اور جونہی حضرت یوسف نے چاندی کی تختی سے تعویذ کو باہر نکالا تو اس کی خوشبو حضرت یعقوب کے مشام میں پہنچ گئی کیونکہ جنت کی خوشبو دنیا میں وہی پا سکتے تھے۔ اور ان کو ہی معلوم تھا کہ قمیص جنت یوسف کے پاس ہے پس فوراً فرمایا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ اس وقت حضرت یعقوب کے پاس پوتے۔ پڑپوتے اور نواسے وغیرہ موجود تھے جن سے آپ کلام فرما رہے تھے۔ اور چونکہ ان کو ابتدا ہی سے یہی بات ذہن نشین کرادی گئی تھی کہ حضرت یوسف کو دوران شکار میں بھیڑیا کھا گیا تھا۔ لہٰذا وہ حضرت یوسف کی زندگی کا تصور تک بند کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یعقوب نے فرمایا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے تو فوراً انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کا غلط خیال ہے۔ اور منقول ہے کہ باد صبا نے پروردگار سے اذن طلب کیا تھا کہ بشیر کے پہنچنے سے پہلے میں یوسف کی خوشبو کو یعقوب تک پہنچا دوں۔ چنانچہ اس کو اجازت مل گئی اور یہی وجہ ہے کہ باد صبا ہر غمزدہ و مریض کے لئے پیغام سرور و شفا ہوا کرتی ہے۔

اَلْبَشِیْر:- اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہودا تھا۔ اور بعض نے مالک بن ذعر لکھا ہے۔ قصہ خوان لوگوں میں ایک بات مشہور ہے اور وہ یہ کہ حضرت یوسف کی ماں کا انتقال ہو گیا تو بشیر کی ماں نے یوسف کی رضاعت اپنے ذمہ لی تھی چنانچہ یہ دونوں ہم سن اور رضاعی بھائی تھے۔ پھر بشیر ماں سے جدا ہو گیا اور اس کے بعد حضرت یوسف بھی باپ سے جدا ہو گئے۔ تو جس طرح حضرت یعقوب فراق یوسف میں نالہ کرتے تھے اسی طرح وہ بھی فراق بشیر میں پریشان حال تھی اور پھر بزبان

نبی یا بذریعہ الہام خدا کا اس سے وعدہ تھا کہ یوسف باپ سے بعد میں ملے گا۔ اور تجھے بشیر پہلے ملے گا۔ چنانچہ جب بشیر خوش خبری لے کر کنعان سے باہر پہنچا تو دیکھا ایک ضعیفہ تالاب پر کپڑے صاف کر رہی ہے۔ اُس نے حضرت یعقوب کے گھر کا پتہ دریافت کیا۔ بوڑھیا نے پوچھا کہ تو کون ہے تو اُس نے جواب دیا میں حضرت یعقوب کے لئے اس کے بیٹے یوسف کی بشارت لایا ہوں۔ پس فوراً اُس ضعیفہ نے سرد آہ کھینچی اور کہا اے پروردگار! تیرا وعدہ سچا ہے۔ یعقوب کو تو یوسف مل گیا لیکن مجھے بشیر نہ ملا۔ یہ سُن کر فوراً بشیر نے پہچان لیا اور قدموں پر گر کر عرض کی کہ تیرا بشیر میں ہوں۔ اور خدا نے یعقوب کے فراق کو دُور کرنے سے پہلے تیرا فراق دُور کر دیا ہے۔ ہمارے ذاکرین کی زبانوں پر بھی یہ قصّہ عام ہے۔ لیکن اس وقت جو تفاسیر میرے پاس موجود ہیں ان میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر صافی میں ہے کہ جب بشیر نے وہ قمیص حضرت یعقوبؑ کے منہ پر رکھی تو وہ فوراً بینا ہو گئے۔ آپ نے دریافت کیا بن یامین کہاں ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ وہ صحیح و سالم اپنے بھائی یوسف کے پاس موجود ہے۔ پس حضرت یعقوبؑ نے شُکرِ پروردگار ادا کیا اور سجدۂ شکر بجا لائے۔ چنانچہ بصارت ٹھیک ہو گئی۔ کبڑا پن ختم ہوا۔ اور کمر سیدھی ہو گئی بچّے اور پوتے جو اس سے پہلے آپ کو غلطی کی طرف منسوب کر رہے تھے انہوں نے فوراً معافی مانگ لی اور توبہ کر لی۔

حضرت یعقوب نے بیٹے کی خوش خبری سُنتے ہی حکم دیا کہ آج ہی مصر کی طرف روانگی کا بندوبست کیا جائے۔ چنانچہ پورا خاندان فوراً تیار ہو گیا۔ مستورات میں حضرت یوسف کی خالہ بھی موجود تھی۔ جو حضرت یوسف کی والدہ کے انتقال کے بعد حضرت یعقوب کے نکاح میں تھی۔ خوشی و شادمانی سے یہ سفر انتہائی تیزی سے طے کیا گیا۔ حتیٰ کہ مصر پہنچنے میں نو دن صرف ہوئے۔ تفاسیر میں حضرت یوسف کی بہنوں کا تذکرہ میں نے نہیں دیکھا۔ ہاں اس قدر ہے کہ مصر میں داخل ہونیوالا حضرت یعقوب کا خاندان ۷۳ نفوس پر مشتمل تھا جن کی تعداد حضرت موسیٰؑ کے زمانہ تک ۶ لاکھ سے بھی کچھ زائد ہو گئی۔ اور یعقوب کا نام ہی اسرائیل تھا لہٰذا ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا: ۔ حضرت یعقوب کے بیٹوں نے باپ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے اللہ سے بخشش طلب کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں دُعا مانگوں گا۔ اس سے مُراد وقتِ سحر یا شبِ جمعہ کا وعدہ تھا۔ چنانچہ آپ نے دعا کی۔ اے پروردگار! ان کا گناہ ان کے اور میرے درمیان محدود ہے تو ان کو بخش دے تو خدا کی وحی ہوئی کہ میں نے ان کو بخش دیا ہے۔ (اور حضرت یوسف اس سے پہلے معاف کر چکے تھے)

اور تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ بیس برس سے زیادہ عرصہ تک حضرت یعقوبؑ ہر شبِ جمعہ اولاد کی بخشش کی دعا مانگتے رہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آپ قیام فرماتے تھے۔ اور سب فرزند صف بستہ پیچھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ پس آپ دعا کرتے تھے اور ساری صف آمین کہتی تھی۔ اور بیس سال تک یہ استغفار و دعا کا سلسلہ جاری رہا تب ان کی توبہ کی مقبولیت کی اطلاع آئی۔

هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ

وہ بخشنے والا مہربان ہے پس جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے

مصر میں داخلہ

فَلَمَّا دَخَلُوْا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت یوسف نے جب بشیر کو روانہ کیا تھا تو دوسو اونٹ اور سفر کے لئے دیگر ہر قسم کا ضروری سامان بھی ساتھ بھیجا تھا تاکہ آتے ہوئے انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اور یہ عرض کیا تھا کہ آپ خاندان کے جمیع افراد کے ساتھ تشریف لائیں۔ چنانچہ جس دن بشیر پہنچا اُسی دن واپسی ہوئی۔ اور حضرت یعقوب بمعہ خاندان روانہ ہوئے۔ طے منازل کے بعد نویں دن جب قریب مصر پہنچے اور حضرت یوسف کو اطلاع ملی تو لاؤلشکر سمیت حضرت یوسف استقبال کے لئے باہر تشریف لائے۔ اُس وقت آپ شاہانہ لباس میں ملبوس شاہانہ تاج سر پر رکھے ہوئے شاہانہ سواریوں پہ سوار شاہانہ سج دھج شاہانہ شان وشوکت سے شاہی فوج کے ہمراہ برآمد ہوئے۔ حُسنِ واقعی کے ساتھ حُسنِ ظاہری بھی ہمرکاب تھا یعنی حُسنِ بخت و راج اور حُسنِ تخت و تاج بھی حُسنِ یوسف کے مصاحبین میں سے تھے۔ گویا جمالِ یوسف اپنی بھرپور جوانی کے ساتھ جلالِ حکومت کے سنگار میں خوب نکھرا ہوا تھا یا یُوں سمجھئے کہ حسنِ یوسف کو حسنِ ظاہری کے چار چاند لگے ہوئے تھے۔ باپ کی نظر اُٹھی۔ پرشکوہ پرکیف اور پرحسن منظر دیکھ کر ہشاش بشاش چہرہ کے ساتھ بیٹوں کی طرف دیکھا اور پوچھا اے یہودا کیا یہ فرعونِ مصر ہے؟ (مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا) یہودا نے جواب دیا یہ آپ کا نورِ نظر لختِ جگر یوسف ہے جو آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوا ہے۔ (اندازہ کیجئے فراق کتنا پُردرد تھا اور وصال کتنا پُرکیف ہے) پس حضرت یعقوب کے مصائب کا وسیع و عریض سمندر انتہائی ڈراؤنی پُرخطر اور پُرپیچ طوفانی لہروں کے ساتھ ختم ہوا۔ اور پُرلطف و پُرکیف ساحلِ وصال پر حضرت یعقوب نے نہایت سرور و انبساط کے ساتھ قدم رکھا۔ خدا جانے گردابِ مصائب میں آیا ہوا آلِ محمدؐ کا سفینہ ظلم و تشدد کی طوفانی موجوں اور ظلماتی تھپیڑوں سے کب نکلے۔ یقیناً جب آلِ محمدؐ کا قائم آئے گا۔ اور حجۃ اللہ ظہور فرمائے گا تو جور و استبداد کا دور ختم ہو گا اور ظلماتی تلاطم کے بعد نورانی ساحل پہ آلِ محمدؐ کی کشتی پہنچے گی پس مومن خوشی کی سانس لیں گے اور دشمنانِ دین دم بخود ہو کر بے دم ہوں گے۔

جب حضرت یوسف قریب پہنچے سواری سے اُترنے کا ارادہ کیا لیکن شاہانہ آن بان کو برقرار رکھتے ہوئے نہ اُترے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت یعقوب سواری سے اُتر پڑے تھے۔ اور بوقتِ ملاقات سلام کی ابتداء بھی حضرت یعقوب نے فرمائی تھی۔

تفسیر صافی میں بروایت علل منقول ہے باپ بیٹا ایک دوسرے کے گلے ملے اور ابھی تک حضرت یوسف الگ نہیں ہوئے کہ جبریل نے پہنچ کر کہا تیرے لئے صدیق باپ سواری سے پیدل ہوا ہے اور تم اس کی عزت افزائی کے لئے پیدل نہیں ہوئے ہاتھ نکالو۔ چنانچہ جب انہوں نے ہاتھ باہر کیا تو ایک نور ساطع ہوا جو آسمان کی طرف چلا گیا۔ حضرت

اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾

اپنے پاس ٹھہرایا اپنے ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں اگر اللہ چاہے با امن ہو کر (شہر میں داخل ہونے سے پہلے)

یوسف نے پوچھا اے جبریل یہ نور کیا تھا؟ تو جواب دیا کہ یہ نورِ نبوت تھا جو تجھ سے لے لیا گیا ہے۔ اب تیری نسل میں قیامت تک کوئی نبی نہیں ہوگا کیونکہ تم باپ کی تعظیم کے لئے سواری سے نہیں اُترے۔ اور مروی ہے کہ اسی وجہ سے نبوت کا نور لاوی کی پشت میں رکھا گیا۔ جس نے بھائیوں کو حضرت یوسف کے قتل سے منع کیا تھا۔ پس خدا کو اس کا یہ فعل پسند آیا چنانچہ بنی اسرائیل کے سب انبیاء اسی لاوی کی نسل سے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ بھی اسی لاوی کی اولاد سے ہیں۔ موسیٰ بن عمران بن یصہر بن واہث بن لاوی اور حضرت یوسف کے پیدل نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ آپ نے دل میں خیال کیا کہ لمبے فراق اور طویل جُدائی کے صدمات جھیلنے کے بعد جب مجھے وہ شاہانہ شکوہ کے ساتھ دیکھیں گے تو ان کا دل زیادہ خوش ہوگا۔ اور زخمِ الم بہت جلد مندمل ہوگا اور بعض روایات میں اس امر کی جانب اشارہ بھی موجود ہے۔ ورنہ ناممکن ہے کہ ازراہِ غرور وتکبر سواری سے نہ اُترے ہوں کیونکہ یہ چیز عام لوگوں کے لئے ناقابلِ برداشت غلطی ہے چہ جائیکہ نبی معصوم ایسی گری ہوئی باتوں کا مظاہرہ کریں۔ حاشا وکلا۔ اور اگر یہ بات ازراہِ تکبر ہوتی تو صرف نورِ نبوت پشت سے سلب نہ ہوتا بلکہ خود بھی نبی نہ بنتے اور ایسے حالات میں حضرت یعقوب بھی ان کو پسندیدہ نگاہوں سے نہ دیکھتے پس یہ ترکِ اولیٰ تھا۔

کتب تفاسیر میں مجمع البیان وبرہان وغیرہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے حضرت یعقوب علیہ السّلام نے فرمایا بیٹا! مجھے سناؤ کہ بھائیوں نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ حضرت یوسفؑ نے عرض کی اباجان! مجھے اس بات سے معاف کیجئے تو حضرت یعقوب نے قسم دے کر کہا کہ تم کو سنانا پڑے گا۔ پس حضرت یوسفؑ نے اپنا ماجرا دُہرایا جب کنوئیں کے ذکر تک پہنچے اور کہا کہ مجھے بھائیوں نے کنوئیں کے کنارہ پر بٹھا کر قمیص اتارنے کو کہا تھا اور میں نے معذرت چاہی تھی اور باپ یعقوب کی ذات کا واسطہ دیا تھا کہ مجھے ننگا نہ کرو تو فلاں بھائی نے چھُرا بلند کر کے دھمکی دے کر قمیص اُتارنے کو کہا تھا پس ان الفاظ کا سننا تھا کہ حضرت یعقوبؑ کی چیخ نکلی اور غش کھا کر گر گئے۔ پھر افاقہ ہوا تو فرمایا ہاں بیٹے سناؤ پھر کیا ہوا؟ آخر کار حضرت یوسفؑ نے اسمٰعیل واسحٰق وابراہیم کے پروردگار کا واسطہ دے کر معافی چاہی اور حضرت یعقوبؑ نے اصرار ترک کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف نے عرض کی کہ باباجان مجھ سے بھائیوں کا سلوک نہ پوچھئے بلکہ رحمتِ پروردگار کا سلوک دریافت کیجئے۔

اٰوٰى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ:۔ یعنی جب حضرت یعقوب پہنچے تو حضرت یوسف نے اپنے والدین کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ حضرت یوسف کی والدہ کا چونکہ انتقال ہو چکا تھا لہٰذا تثنیہ کے استعمال کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ خالہ پر ماں کا اطلاق کیا گیا جس طرح اس کی نظیر چچا پر باپ کا اطلاق ہوا کرتا تھا۔

۲۔ چونکہ حضرت یعقوب کے نکاح میں تھی اس لئے وہ سوتیلی ماں تھی لہٰذا مجازاً اس پر ماں کا اطلاق درست ہے۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا

اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بلند کیا اور وہ اس کی تعظیم کے لئے جھکے اور کہا اے بابا جان! یہ تعبیر ہے

تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۖ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ

میرے پہلے خواب کی تحقیق اس کو پروردگار نے سچا کیا اور مجھ پر احسان فرمایا جب اس نے مجھے قید خانہ سے

اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ

نکالا اور آپ کو دیہات سے یہاں لایا بعد اس کے کہ کود پڑا

نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ

شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان تحقیق میرا پروردگار لطف کرتا ہے جیسا چاہے اور تحقیق

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ حقیقی ماں زندہ تھی لہذا والدین کا اطلاق صحیح ہے۔

۴۔ حضرت یوسف کے خواب کی صحیح تعبیر کے لئے اس کی ماں کو دوبارہ زندہ کر دیا گیا تھا (مجمع البیان)

اُدْخُلُوْا مِصْرَ:۔ یہ لفظ حضرت یوسف نے داخلۂ مصر سے پہلے کہے تھے۔ لہذا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اور امن کی قید اس لئے زیادہ کی گئی ہے کہ اس زمانہ میں فراعنۂ مصر کا گردو نواح کی حکومتوں پر رعب چھایا ہوا تھا۔ لہذا مصری حکومت ہی کسی فرد یا خاندان کے امن کو چیلنج کر سکتی تھی۔ اور جو مصری حکومت کی طرف سے امن حاصل کر لیتا تھا اُس کو کسی دوسری حکومت کا خطرہ نہ رہتا تھا۔

منقول ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی کل عمر ۱۴۷ برس تھی۔ مصر میں جب آئے تو اُس وقت ۱۳۰ برس عمر تھی۔ پس ۱۷ برس حضرت یوسف کے پاس رہ کر دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی جانب رحلت فرمائی۔ بعض کہتے ہیں کہ ۲۴ برس مصر میں رہ کر فوت ہوئے۔ اور زمینِ شام میں دفن کئے گئے۔ سا گوان کے صندوق میں رکھ کر ان کو بیت المقدس کی طرف نقل کیا گیا۔ ان کے بھائی عیصو کا بھی اُسی دن انتقال ہوا۔ یہ دونوں ایک ہی دن جوڑے پیدا ہوئے تھے اور ایک ہی روز فوت ہوئے اور ایک جگہ دفن کئے گئے۔ اور اسی لئے یہودی لوگ کوشش کر کے اپنے مُردوں کو بیت المقدس کی طرف لے جا کر وہاں دفن کرتے ہیں۔ حضرت یوسف باپ کی وصیت کے ماتحت حضرت یعقوبؑ کو بیت المقدس میں دفن کر کے واپس مصر تشریف لائے اور ۲۳ برس بعد زندہ رہ کر فوت ہوئے۔ اور یہ بنی اسرائیل کے پہلے نبی ہیں۔ اور انہوں نے بھی وصیت کی تھی کہ مجھے اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ وہاں دفن ہوئے۔ اور بعض لوگ ان کے مصر میں دفن ہونے کے قائل ہیں کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے بحکم پروردگار ان کی میت کو نکال کر بیت المقدس میں حضرت یعقوب کے پہلو میں دفن کیا (مجمع البیان)

ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ ۱۲ برس کی عمر میں قید ہوئے۔ ۱۸ برس کے بعد ۳۰ برس کی عمر میں رہا ہوئے۔ پھر ۸۰ برس زندہ رہ کر ۱۱۰ برس کی عمر میں فوت ہوئے (مجمع)

سجدہ تعظیمی

وَخَرُّوْا لَهٗ: تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں کا باہمی سلام سجدہ کرنا یا جھکنا، یا سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جانا تھا۔ چنانچہ قتادہ سے یہی مروی ہے۔ اور ان کی شریعت میں غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی ممنوع نہیں تھا۔ لیکن خداوند کریم نے اُمّتِ اسلامیہ کو سجدۂ تعظیمی کرنے جھکنے اور ہاتھ باندھنے کے عوض میں سلام عطا فرمایا۔ اور یہی اہلِ جنت کا طریقہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس زمانہ کا سجدہ رکوع کی شکل ہوا کرتا تھا جیسا کہ ایرانیوں کا بادشاہوں کے لئے جھکنے کا دستور چلا آرہا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے ان کے فراق کو نعمتِ وصال سے بدل دیا۔ پس اس نعمتِ عظمٰے کے ملنے پر یعقوب و اولادِ یعقوب سب نے مل کر سجدۂ شکر پروردگار ادا کیا۔ اور لَهٗ میں ضمیر غائب کا مرجع اللہ ہے (مجمع البیان)

نیز اسی تفسیر میں مروی ہے۔ ایک دفعہ یحییٰ بن اکثم نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے شہزادے حضرت موسےٰ بن محمد سے چند مسائل پوچھے جن کو انہوں نے اپنے بھائی امام علی نقی علیہ السّلام سے دریافت کیا اور آپ نے جوابات عنایت فرمائے ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ یعقوب اور اولادِ یعقوب کا سجدہ کیسا تھا؟ حالانکہ وہ انبیاء تھے؟ آپ نے فرمایا یہ یوسف کا سجدہ نہیں تھا بلکہ اللہ کا سجدہ تھا اور یوسف کا وقار ظاہر کرنا مقصود تھا۔ جیسا کہ فرشتوں کا سجدہ اللہ کے لئے تھا۔ اور حضرت آدم کا وقار ظاہر کرنا مقصود تھا۔ پس حضرت یعقوب اور اس کی جملہ اولاد حتیٰ کہ حضرت یوسفؑ نے بھی وصال کی نعمتِ عظمٰے پر پروردگار کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ادا کیا۔

بعض جاہل لوگ نادانستہ طور پر اپنے غلط سلط عقائد کو عوام پر مسلّط کرنے کے لئے آیات متشابہات کا سہارا لیتے ہیں چنانچہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے لئے سجدۂ تعظیمی کو جائز کہہ کر یعقوبؑ و اولادِ یعقوبؑ کا سجدہ یوسف کے لئے اور ملائکہ کا سجدہ آدم کے لئے بطور استشہاد پیش کرتے ہیں۔ پس اس طریقہ سے لوگوں کو شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور خداوند کریم قرآن مجید میں ہی کسی مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ شرک کے علاوہ جملہ گناہ بخشے جا سکتے ہیں لیکن اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ تحقیق خدا شرک کے گناہ کو ہرگز نہیں بخشتا۔ دوسرے مقام پر فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ تحقیق شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ میرے بیان سے اس شُبہ کا صحیح حل معلوم ہو چکا ہے کہ فرشتوں اور یعقوبؑ و اولادِ یعقوب کا سجدہ اللہ کے لئے ہی تھا۔ جس طرح تمام مسلمانوں کو کعبہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنے کا حکم ہے حالانکہ سجدہ کعبہ کا نہیں ہوتا بلکہ سجدہ اللہ کا ہوتا ہے اور کعبہ بحیثیت قبلہ کے تصور کیا جاتا ہے ورنہ اگر کوئی شخص کعبہ کی طرف منہ کر کے کعبہ کا ہی سجدہ کرے تو وہ مشرک ہوگا۔

اور مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا اگر کسی کے لئے سجدہ تعظیمی جائز ہوتا تو سب سے پہلے میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔

اسی بنا پر عتبات عالیات کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے بعد دو رکعت نماز ہدیہ یا کوئی دوسری نماز دائیں یا بائیں ہوکر پڑھنی مستحب ہے تاکہ قبور کی طرف منہ کرکے سجدہ کرنے سے غیر اللہ کے سجدہ کا شبہ تک پیدا نہ ہو۔ اب اندازہ کیجئے کس قدر دریدہ دہن ہیں وہ لوگ جو آئمہ معصومین علیہم السّلام کی تعلیمات سے کنارہ کشی کرکے عوام الناس کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ابلیس کی نیابت کرتے ہوئے لوگوں کو شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور پھر اس قسم کی آیات کا سہارا لیتے ہیں جن کی آئمہ نے تشریح و وضاحت فرمائی ہے کہ یہاں غیر اللہ کا سجدہ مراد نہیں ہے اور ہم نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں بھی اس موضوع پر حسب ضرورت روشنی ڈالی ہے۔

یہ لوگ اہل بیت عظام علیہم السلام کو خوشامد پسند خیال کرتے ہیں حالانکہ ایسی فضول اور بیہودہ باتوں سے آئمہ قطعاً خوش نہیں ہوتے۔ ان کی خوشی و رضامندی اس میں ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ اور ان کے احکام کی صحیح طور پر پاسداری کی جائے۔ مشرکانہ عقائد کی ترویج نہ دین کی خدمت ہے اور نہ آئمہ دین کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ پس اللہ کے علاوہ کسی کا سجدہ جائز نہیں ہے نہ عبادتی نہ تعظیمی اور یقیناً غیر اللہ کا سجدہ خواہ نبی کے لئے ہو خواہ ولی کے لئے ہو۔ شرک ہے۔ خداوند کریم تمام مومنین کرام کو اس سے محفوظ رکھے۔

تعبیر خواب

هٰذَا تَاوِيْلُ رُؤْيَايَ۔ ملحد و بے دین لوگ جو وجود باری کے قائل نہیں اور کائنات ظاہری کو صرف مادہ و طبیعت کی پیداوار سمجھتے ہیں۔ پھر اس عالم کے علاوہ کسی دوسرے عالم کو وہ تسلیم نہیں کرتے حقیقت خواب اور تعبیر خواب پر نظر غائر ڈالنے سے ان کے دجل و فریب اور مکر و غدر کی قلعی خوب کھلتی ہے۔ پس عالم کے مدبّر حکیم اور خالق عظیم پروردگار عالمین کے وجود اور اس کی قدرت و حکمت و صنعت کا اعتراف کئے بغیر کوئی ذی ہوش نہیں رہ سکتا دیکھئے خواب کا وجود اور اس کی تعبیر کا اس کے مطابق ہونا اس بات کا غماز ہے کہ اس عالم ظاہری و مادی کے پس پشت ایک عالم باطنی و روحانی موجود ہے۔ اور جس طرح اس عالم ظاہری میں اشیاء کے حقائق موجود ہیں اُس عالم باطنی و روحانی میں بھی انہی حقائق کی تصاویر موجود ہیں۔

عالم خواب میں جب رُوح انسانی قفس عنصری کی قیود سے تھوڑا سا آزاد ہوتا ہے تو عام بیہودہ تخیلاتی شہواتی جذباتی و خواہشاتی اچھے یا بُرے بے حقیقت مناظر کی سیر کرتے کرتے بعض اوقات مذکورہ بالا عالم باطنی و روحانی کی سیر پر بھی موفق ہو جاتا ہے۔ پس بے ہودہ و لاابالی قسم کے لوگ بالعموم بیہودہ تخیلات و بے حقیقت مناظر میں اُلجھے رہتے ہیں اور کبھا کبھی ان کو عالم روحانی کی سیر کا اتفاق ہوتا ہے لیکن سلجھے ہوئے نیک و صالح لوگوں کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے وہ بالعموم عالم روحانی کے مناظر کی تصاویر دیکھتے ہیں۔ اور شاذ و نادر قسم اول کے بے ہودہ خیالات کا منظر بھی ان کے سامنے آتا ہے جن کو اضغاث احلام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے بُرے خیالات لے کر اور پیٹ بھر کر نیز نجس و گندے جسم غلیظ بستر و لباس اور ناپاک جگہ میں سونا بالعموم خواب میں بیہودہ خیالات کے مناظر کا باعث ہوتا ہے اور اس کے برخلاف کم کھانا پاک و صاف

جسم اچھا بستر ستھرا لباس پاکیزہ مکان وماحول اور اچھے خیالات وجذبات عالم باطنی وروحانی کی سیر کے موجبات ہیں سے ہیں۔ اسی بنا پر حدیث نبوی میں بھی وارد ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا ۴۶ واں حصہ ہے۔ اس سلسلہ کی متعدد احادیث ہم نے تفسیر کی دوسری جلد میں یا علی مدد کے تحت باحوالہ درج کی ہیں۔

میں نے عرض کیا ہے کہ عالم باطنی اسی عالم ظاہری کا عکس ہے اور اس کے حقائق اس عالم ظاہری کے حقائق کی تصاویر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پس نفوس قدسیہ کے سامنے وہ تصاویر بالکل صاف وشفاف ہوتی ہیں جن کی بدولت خواب دیکھنے والا خود بڑی آسانی سے اس مطلب ومقصد کو سمجھ سکتا ہے اور جو نفوس علائق شہویہ ونفسیہ میں کسی قدر مبتلا ہوں۔ ان کے سامنے حقائق ظاہریہ کی تصاویر دھندلی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں جس کا مقصد وہ خود نہیں سمجھ سکتا۔ پس مقصد جاننے سمجھنے کے لئے کسی باخبر سے دریافت کیا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم کا خواب اِنِّیۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیۤ اَذْبَحُكَ یعنی اے بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ یہ عالم واقعی کی بالکل صاف تصویر تھی اور اس کی تعبیر یہی تھی کہ بیٹے کو ذبح کرنا ہے اور ایسا خواب وحی الٰہی سے تعبیر ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت یوسف کا خواب کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے میرے سامنے سجدہ ریز ہیں یہ بھی تقریباً واقع کی صاف تصویر ہے جس کی تعبیر ہر ذی فہم معلوم کر سکتا ہے۔ اسی بنا پر تو حضرت یعقوب نے فرمایا بیٹا یہ خواب بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤی اِخْوَتِكَ۔ یعنی خواب کی تصویر اس قدر صاف ہے کہ بھائی سنتے ہی اس کی تعبیر جانتے ہوئے تجھ سے حسد کرنے لگیں گے۔ اب ان خوابوں کے مقابلہ میں زندان کے دو قیدیوں کا خواب دیکھئے۔ ایک نے کہا میں خواب میں انگور کا شراب کشید کر رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں سر پر روٹی کا طبق اٹھائے ہوئے ہوں کہ اس سے پرندے بھی کھا رہے ہیں۔ یہ واقع کی دھندلی تصویریں ہیں جن کا صحیح مقصد حضرت یوسف کے علاوہ کوئی نہ جان سکتا تھا۔ اسی طرح بادشاہ کا خواب کہ سات موٹی گائیوں کو دبلی گائیوں نے کھا لیا۔ اور سات سرسبز خوشوں پر خشک خوشے غالب آگئے۔ یہ بھی واقع کی دھندلی تصویر تھی جس کو صرف حضرت یوسف ہی حل کر سکتے تھے۔

چونکہ خواب کے مناظر عالم ظاہری کی تصاویر ہیں لہٰذا بعض اوقات گذشتہ واقعات کا فوٹو سامنے آتا ہے جس کی تعبیر کا انتظار بے کار ہے۔ اور بعض اوقات زمانِ حال کی تصویر کشی ہوتی ہے۔ جس کی تعبیر فوری ظاہر ہوا کرتی ہے اور تعبیر ظاہر ہونے کے بعد انسان خود ملتفت ہوتا ہے کہ یہ وہی ہے جو میں خواب میں دیکھ چکا ہوں۔ چنانچہ میری والدہ ماجدہ سلمہا اللہ نے خواب میں دیکھا کہ میرے بھتیجے اپنے باپ کی قبر کو کھودتے ہیں۔ پس قلق واضطراب سے بیدار ہوئیں دن ہوا تو معلوم ہوا کہ باپ نے بڑی محنت شاقہ اور کدوکاوش سے جو مکان بنایا تھا بیٹے اس مکان کی چھت اکھیڑنے کے لئے آگئے اور ملبہ اتار کر لے گئے۔ انہوں نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ میرے رات والے خواب کی تعبیر ہے۔ اور بعض اوقات خواب میں زمانِ مستقبل کے حقائق کی تصویریں سامنے آتی ہیں خواہ مستقبل قریب ہو یا بعید۔ نیز بعض خوابوں میں مستقبل زمانہ کی حدود

کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ جیسے سات موٹی گائیوں میں سات کا عدد سات سال بتاتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ لیکن بعض اوقات زمانہ مستقبل کی تحدید کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہوتا جس طرح حضرت یوسف کا خواب کہ شمس و قمر اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس کی تاویل ۸۰ یا ۷۰ یا ۴۰ برس کے بعد ظاہر ہوئی۔ باختلافِ روایات (مجمع البیان)

بہر کیف اس میں شک نہیں کہ خواب میں عالم باطنی کے مناظر سے دوچار ہونا صرف مومن سے مخصوص نہیں بلکہ ہر فرد کم و بیش اس سے بہرہ ور ہوا کرتا ہے اور اس کی تعبیر بھی عالم ظہور میں منظرِ عام پر آجایا کرتی ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس عالمِ ظاہری کے علاوہ ایک عالمِ باطنی موجود ہے جس میں عالمِ ظاہری کے گذشتہ و حالیہ و استقبالیہ حقائق کی تصاویر موجود ہیں جو من وعن ان سے تطبیق رکھتی ہیں۔ کیونکہ آنے والے واقعات کا قبل از وقت دیکھ لینا ان کے وجودِ مثالی کو ثابت کرتا ہے۔

پس جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ عالمِ ظاہری خود بخود اسباب و علل کی پیداوار ہے، اور مادہ و طبیعت کی کارستانیوں کا نتیجہ ہے۔ اُن سے یہ دریافت کیا جائے کہ عالمِ باطنی کی تصاویر مجردہ جن کو روحِ انسانی قیودِ عناصر سے مجرد ہو کر دیکھتی ہے اور اُن کی تعبیر و تاویل ایک وقت کے بعد منظرِ عام اور منصۂ شہود پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا سبب و علت کون ہے اور اس کی ایجاد و تخلیق میں کس قوت کا ہاتھ ہے تو ماننا پڑے گا کہ ایک قوت قاہرہ موجود ہے جو مادہ و طبیعت سے مافوق اور علل و اسباب سے بے نیاز ہے۔ اور جس طرح عالم باطنی روحانی اس کی تخلیق کا کرشمہ ہے۔ اسی طرح عالم ظاہری بھی اُسی کی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ سے معرضِ وجود میں آیا ہے۔ اگر ملحد و بے دین لوگ خوابوں کو خرافات سے تعبیر کریں تو یہ اُن کی حماقت کی دلیل ہے۔ اور اس کو جھٹلانا ایسا ہے جیسے رابعۃ النہار پر سورج کے وجود کا انکار کیا جائے۔

اور یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ عالم ظاہری و واقعی عالمِ آخرت (قیامت) کے مقابلہ میں خواب کی دنیا ہے جیسے کہ حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے۔ اَلنَّاسُ نِيَامٌ اِذَا مَاتُوْا انْتَبَهُوْا یعنی لوگ خوابِ غفلت میں سوئے پڑے ہیں جب مریں گے تو جاگیں گے۔ اور یقیناً میدانِ محشر میں اس دنیاوی زندگی کا تصور ایک خواب معلوم ہوگا۔ اور آخرت میں جنت یا دوزخ اس ظاہری و دنیاوی زندگانی کے اعمال کی تعبیریں ہیں۔ پس نیک اعمال کی تعبیر جنت ہے۔ اور بداعمالیوں کی تعبیر جہنم ہے۔ البتہ خواب میں انسان بے اختیار ہوتا ہے۔ اور جن مناظر کو وہ دیکھتا ہے۔ اُس کی تعبیر قہراً اس کے سامنے آتی ہے۔ اگر تعبیر ناپسندیدہ ہو تو اپنے خواب کو ملامت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خواب دیکھنے میں بے اختیار تھا۔ پس یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش میں نے وہ خواب نہ دیکھا ہوتا۔ لیکن یہ عالم ظاہری جو عالم واقعی کے مقابلہ میں خواب کی حیثیت رکھتا ہے اس میں انسان بے اختیار نہیں لہذا اچھی تعبیر یعنی نیک جزا حاصل کرنے میں اس کو پورا اختیار حاصل ہے اور بری تعبیر یعنی دوزخ سے بچنے کے لئے بداعمالیوں سے کنارہ کشی پر اس کو قدرت و اختیار حاصل ہے۔ پس جس طرح بروز محشر اچھی جزا ملنے پر دنیا میں اپنی نیک اعمالیوں پر خوش ہوگا اسی طرح بری جزا جہنم دیکھنے پر وہ دنیاوی بداعمالیوں پر پچھتائے گا۔ اور

اپنے آپ کو ملامت کرے گا۔ کہ کاش دنیاوی چند روزہ زندگی میں ایسے کام نہ کئے ہوتے جن کی سزا جہنم ہے خداوند کریم مجھے میرے والدین وافراد خاندان وجملہ مومنین کو بداعمالیوں سے بچائے اور نیک اعمال پر موفق فرمائے تاکہ بروز محشر پچھتانے کی بجائے خوش وخرم محمدؐ وآل محمدؐ کے زیر سایہ جنت الفردوس میں دائمی پرسرور پرکیف و پرلطف زندگی سے ہمکنار ہو کر شکر پروردگار ادا کریں۔ آمین۔

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ :۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے باپ سے اپنے حالات بیان کئے اور کہا کہ یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو بچپن میں دیکھا اور خدا نے اس کو سچا کیا اور اس کے بعد احسانات پروردگار بیان کئے کہ اس نے مجھے زندان سے نکالا۔ اور آپ لوگوں کو دیہاتی تکلیف دہ زندگی سے نکال کر مصر میں آباد کیا۔ اب حضرت یوسف نے زندان سے آزادی کو نعمت پروردگار بیان کیا لیکن کنوئیں سے نکلنے کو نہ شمار کیا تاکہ بھائیوں کی دل آزاری نہ ہو اور باپ کے سرور وانبساط میں فرق نہ آئے۔ یہ حضرت یوسف کا انداز بیان انتہائی اخلاق کریمانہ کا غماز ہے۔

حق اور صداقت میں فرق

وہ بات جو واقع کے مطابق ہو اس کو صدق کہا جاتا ہے اور وہ بات جس کی واقع مطابقت کرے اس کو حق کہا جاتا ہے۔ پس صدق (سچ) میں ضروری ہے کہ واقعہ پہلے موجود ہو تاکہ کہی ہوئی بات اس کے مطابق ہو کر سچ کہلائے لیکن حق میں ضروری نہیں ہے کہ واقعہ پہلے موجود ہو۔ پس واقعہ پہلے موجود ہو اور بات کی مطابقت کرتا ہو تو وہ بات صدق بھی ہو گی اور حق بھی ہو گی۔ لیکن بات سے پہلے واقعہ موجود نہ ہو تو بعد میں ہونے والا واقعہ جو بات کے مطابق ہو۔ اُس کے لحاظ سے بات کو حق سے تعبیر کیا جائے گا۔ پس حق اور صدق میں تساوی کی نسبت نہیں بلکہ عام وخاص مطلق کی نسبت ہے۔ یعنی جو صدق ہو گا وہ حق ضرور ہو گا لیکن جہاں حق کا اطلاق ہو گا ضروری نہیں کہ وہاں صدق بھی استعمال ہو سکے۔ غالباً اسی نکتہ کے پیش نظر جناب رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کے حق میں فرمایا تھا علی مع الحق والحق معہ یدور الحق حیثما دار۔ یعنی علی حق کے ساتھ ہے اور حق اس کے ساتھ ہے۔ حق اسی طرف ہوتا ہے جس طرف علی ہو۔ کیونکہ صدق کا تعلق واقعہ ماضیہ سے ہوتا ہے اور حق کا تعلق ماضی وحال ومستقبل ہر زمانہ سے ہوا کرتا ہے لہذا حق کا درجہ صدق سے بلند تر ہے اسی بنا پر صدیقہ کبریٰ کا بچوں کو کہنا کہ لباس درزی کے پاس ہے حق تھا جس کی تصدیق رضوان نے در دولت پر پہنچ کر دی۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ ص۹۱ :۔ حضرت یوسف کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی۔ زخم فراق مندمل ہوئے اور زندگی کے پرکیف دور سے ہمکنار ہوئے۔ اپنے والدین کو اپنے پاس تخت حکومت پر جگہ دی۔ اور باپ سے گلے مل کر خوشی سے رو دئے۔ اس کے بعد دولت سرا میں جاکر سرمہ کیا۔ تیل لگایا۔ بدن ولباس کو خوشبو کیا۔ بالوں کو کنگھی سے آراستہ کیا اور شاہانہ پوشاک زیب تن کر کے سریر آرائے مملکت ہوئے۔ والدین اور بھائیوں نے یوسف کے بخت واقبال کے سامنے گردنیں جھکا دیں اور شکر پروردگار میں سجدہ ریز ہوئے۔ جس کا تذکرہ گذر چکا ہے۔ اور منقول ہے کہ جدائی کے لمبے چوڑے عرصہ میں

هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿١٠٠﴾ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي

وہ جاننے والا حکمت والا ہے اے پروردگار تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور تو نے مجھے خوابوں کی

مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّي فِي

تعبیر کا علم دیا اے آسمانوں اور زمین کے خالق تو میرا ولی ہے دنیا

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿١٠١﴾ ذَٰلِكَ مِنْ

اور آخرت میں مجھے موت دے بحالت اسلام اور مجھے ملا دے ساتھ نیکوں کے یہ غیب کی خبروں

أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ

میں سے ہے جو ہم تجھے وحی کرتے ہیں اور تو ان کے پاس نہیں تھا جب انہوں نے اجماع کیا تھا

حضرت یوسف نے کبھی تیل سر مراور خوشبو سے اپنے آپ کو آراستہ نہیں کیا تھا۔ اور اگرچہ شادی کر چکے تھے ۔ اور صاحب اولاد بھی ہو چکے تھے۔ لیکن لذائذ دنیاویہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دل ہر وقت مغموم اور طبیعت اداس رہا کرتی تھی۔ اب جو میل و ملاقات کا دور آیا غم کی گھڑیاں گئیں۔ خزاں کا موسم ختم ہوا۔ اور بہار شروع ہوئی۔ تو دل و دماغ پر اس دل آفریں روح پرور انقلاب نے اپنا اثر دکھایا۔ پس اپنے جلال شاہی اور جمال ذاتی کو دبدبۂ ظاہر اور حسن باہر سے خوب نکھارا۔ عدل و انصاف۔ امانت و دیانت۔ حلم و حوصلہ اور علم و خلق وغیرہ اوصاف حمیدہ کی پہلے سے کوئی کمی نہ تھی۔ پس حضرت یوسف کی شاہنشاہیت کی دھاک بندھ گئی۔ اور تمام خاندان کے مجموعی و انفرادی مصائب دم توڑ کر ختم ہو گئے حضرت یوسف شکر خداوندی میں رطب اللسان ہوئے۔ اور یہ ان کی مناجات کے الفاظ ہیں جو قرآن حکیم بیان فرما رہا ہے۔

زلیخا سے شادی

تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے مروی ہے کہ زلیخا کا شوہر سابق عزیز مصر قحط سالی کے زمانہ میں فوت ہو گیا تھا اور زلیخا گرداب زمانہ میں مبتلا فقر و فاقہ کے ایام گذارنے پر مضطر ہو چکی تھی۔ لوگوں نے اس کو مشورہ دیا تھا کہ موجودہ عزیز مصر (حضرت یوسف) کے سامنے اپنی حالت زار بیان کر کے ان سے رحم و کرم کی درخواست کر۔ تو اس نے جواب دیا میں کس منہ سے اس کے سامنے جاؤں جب کہ میں اس کے ساتھ انتہائی بدسلوکی سے پیش آچکی ہوں۔ لیکن جب لوگوں نے بار بار کہا۔ اور یوسفؑ کے اخلاق کریمانہ و اطوار شریفانہ کا تذکرہ کیا تو زلیخا کو جرأت ہوئی۔ اور ایک دن حضرت یوسف کے راستہ پر آکر بیٹھ گئی۔ ادھر حضرت یوسف کا اپنی پوری آن بان اور شاہی شان و شوکت کے ساتھ اپنے مخصوص فوجی عملے سمیت گذر ہوا۔ اور ب کا

سر جھکا کر کھڑی ہوگئی۔ ان کے شایانِ شان سلام کرکے عرض گذار ہوئی۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ جَعَلَ الْمُلُوْکَ بِالْمَعْصِیَۃِ عَبِیْدًا وَّجَعَلَ الْعَبِیْدَ بِالطَّاعَۃِ مُلُوْکًا۔ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے حکمرانوں کو اپنے گناہوں کی پاداش میں غلام بنا دیا اور غلاموں کو اپنی نیکیوں کے صلہ میں شہنشاہ بنا دیا۔ یہ کلمہ سُنتے ہی حضرت یوسف کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ قدم رُک گئے اور عنانِ توجہ اس کی طرف منعطف کرکے فرمایا اَنْتِ ھَاتِیْکَ۔ یعنی کیا تو وہی (زلیخا) ہے؟ کہنے لگی۔ جی ہاں۔ فرمایا کیا اب بھی تیرا دل مجھے چاہتا ہے؟ کہنے لگی میرے ساتھ ایسی باتیں نہ کیجئے۔ میں بوڑھی ہو چکی ہوں کیا آپ مسخری کے انداز سے پوچھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ تو کہنے لگی۔ جی ہاں (یعنی ابھی تک آپ کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہے) پس آپ نے اُسے حرم سرا میں جانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ اُس نے عمل کیا اور اس وقت وہ جوانی کی بہاریں ختم کر چکی تھی۔ اُس کا حسین چہرہ بڑھاپے کی جھریوں سے اپنی خوشنمائی اور دلربائی کھو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا تو نے میرے ساتھ فلاں سلوک کیا تھا؟ (آپ نے گذشتہ واقعات کی یاد دہانی کرائی تو سرد آہ کھینچ کر کہنے لگی۔ اے نبی خدا۔ مجھے شرمسار نہ کیجئے۔ میں تین ایسے امتحانات میں مبتلا تھی کہ میں سمجھتی ہوں مجھ جیسا امتحان کسی دوسری عورت پر نہ آیا ہوگا۔ ایک یہ کہ میں تیری محبّت میں گرفتار ہوگئی کیونکہ تیرا حُسن میں کوئی ہم پلہ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ میں خود مصر میں زمانہ کی خوبصورت عورت تھی حتٰے کہ حسینۂ مصر میں ہی تھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گھر میں مال و دولت کی بھی فراوانی تھی۔ اور تیسرے یہ کہ ان تمام باتوں کے باوجود میرا اپنا شوہر نامرد تھا۔ حضرت یوسف نے اس کی دردبھری داستان سُنی تو فرمایا اب تیری منشا کیا ہے۔ اُس نے عرض کی۔ حضور! اللہ سے سوال کیجئے کہ وہ مجھے دوبارہ جوانی عطا فرمائے۔ چنانچہ حضرت یوسف نے دعا مانگی اور پروردگار نے اس کو دوبارہ جوانی عطا فرمائی۔ اور حضرت یوسف نے اس سے شادی کی درحالیکہ وہ باکرہ تھی۔

اِسی تفسیر میں بروایت علل حضرت صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف کی بارگاہ میں پہنچنے کی خواہش کی تو دربانوں نے اُسے دروازہ پر روک دیا یہ کہہ کر کہ تیری بدسلوکی جو یوسف سے ہو چکی ہے اُس کی بنا پر ہم جرأت نہیں کر سکتے کہ تجھے اندر جانے کی اجازت دیں۔ زلیخا نے جب اصرار کیا اور کہا کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے مجھے اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے؟ پس اجازت ملی۔ دربار شاہی میں پہنچی۔ اور آدابِ حکومت بجالائی۔ حضرت یوسف نے پوچھا کہ تیری شکل و صورت میں تغیر و تبدیلی کیوں رونما ہو چکی ہے؟ کہنے لگی حمد ہے اُس اللہ کے لئے جس نے بادشاہوں کو گناہوں کی بدولت غلام بنایا۔ اور غلاموں کو اطاعت کی جزا میں حکمران کر دیا۔ پس آپ نے فرمایا جو میرے ساتھ تو نے سلوک کیا اس کا داعی و محرک کیا چیز تھی۔ تو کہنے لگی اس کا موجب و سبب صرف آپ کے چہرہ کا حُسن و جمال ہی تھا۔ آپ نے فرمایا اگر تو اُس نبی کا دیدار کرتی جو آخری زمانہ میں ہوگا جس کا نامِ نامی حضرت محمدؐ ہوگا تو تیری کیا حالت ہوتی جس کے چہرہ انور و رُخ زیبا کا حُسن و جمال مجھ سے بدرجہا اتم و اکمل جس کے اخلاق کریمانہ و اطوار شریفانہ کا دائرہ مجھ سے کہیں اوسع و اشمل اور جس کا جود و سخا اور کرم و عطا

میری بہ نسبت کہیں اعلیٰ و افضل ہوگا؟ یہ سنتے ہی فوراً بولی کہ واقعاً آپ سچ فرما رہے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا۔ تو نے کیسے جان لیا کہ وہ ان صفاتِ حمیدہ و خصائلِ جمیلہ کے مالک ہوں گے تو کہنے لگی جب آپ نے ان کے نام نامی کا ذکر زبانِ فیض ترجمان سے کیا تو اُن کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہوگئی۔ پس میرے دل نے یقین کر لیا ہے کہ وہ واقعی آپ سے ہر لحاظ سے اعلیٰ و اشرف اور اکمل و افضل ہوں گے۔ پس نورِ ایمان کی قندیل سے دل و دماغ کا منور ہونا تھا کہ دریائے رحمتِ پروردگار موجزن ہوا۔ اور بحرِ عطائے پروردگار سے لہرا اٹھی۔ زلیخا کے خوابیدہ بخت جاگ گئے۔ قسمت نے پلٹا کھایا۔ کنارہ کش سہاگ نے کروٹ لی۔ اور روٹھے ہوئے بھاگ نے انگڑائی لی۔ وحی کی وائرلیس کے ذریعہ خالقِ تقدیر و مالکِ تدبیر نے یوسف سے خطاب کیا۔ کہ میری کنیز جو کچھ منہ سے کہہ رہی ہے یہ اُس کے دل کی آواز ہے۔ اور اس کی بدولت اس نے میری محبت جیت لی ہے۔ کیونکہ میرے حبیب محمدؐ سے جو محبت کرے وہ میرا محبوب ہوا کرتا ہے۔ پس بلا تاخیر اس سے شادی کر و اور اس کو اپنے حرم سرا میں داخل کر لو۔ چنانچہ حضرت یوسف نے بحکم پروردگار کے مطابق عمل کیا۔

تفسیر برہان میں امالی شیخ سے منقول ہے کہ جب حضرت یعقوب مصر کے قریب پہنچے اور حضرت یوسف اپنے لاؤ لشکر کے ہمراہ استقبال کے لئے نکلے تو اس بالاخانہ کے قریب سے ان کا گذر ہوا۔ جہاں زلیخا مصروفِ عبادت تھی۔ جب زلیخا نے دیکھا تو نہایت غمزدہ خفیف آواز میں کہا۔ اے جانے والے تو نے مجھے حزن میں مبتلا کیا۔ بے شک تقویٰ کس قدر اچھی چیز ہے جس نے غلاموں کو آزاد بنایا۔ اور گناہ کس قدر بُری چیز ہے جس نے آزادوں کو غلام بنا دیا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ زلیخا سے حضرت یوسف کے تین بچے ہوئے۔ افرائیم۔ میشا اور تیسری رحمہ جو حضرت ایوبؑ کی زوجہ تھی۔ اور حضرت یوسف کے پورے چار سو برس بعد حضرت موسیٰ مصر میں آئے (اس عرصہ میں حضرت یعقوب کی اولاد چھ لاکھ سے بھی زیادہ ہوگئی تھی)

میں نے کسی موعظہ کی کتاب میں دیکھا ہے۔ ایک دفعہ حضرت یوسف تختِ مصر پر جلوہ گر تھے۔ حضرت جبریل پاس موجود تھا۔ ایک پھٹے پرانے لباس میں ملبوس نوجوان گلی میں گذرا۔ جبریل نے بتایا یہ وہی ہے جس نے گہوارہ میں تیری عصمت کی گواہی دی تھی۔ پس حضرت یوسف نے اُس کو بلوایا۔ اس کو فاخرہ لباس بھی عطا کیا۔ اور نقدی بھی عطا کی اور معذرت کے ساتھ اُس کو رخصت کیا۔ تو جبریل مسکرایا۔ حضرت یوسفؑ نے مسکرانے کا سبب پوچھا تو جبریل نے جواب دیا۔ جس شخص نے بچپنے میں غیر ارادی طور پر تیری شہادت دی تو مخلوق ہو کر کافی انعام دینے کے بعد بھی معذرت کر رہا ہے۔ تو جو شخص اپنے پورے اختیار کے ساتھ اپنے اللہ کی کبریائی اور اس کی توحید کی گواہی دے تو دنیا و محشر میں خدا جس قدر انعام و اکرام سے اُس کو نوازے گا۔ اُس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا ۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ کسی نبی نے جلدی مرنے کی دعا نہیں کی سوائے حضرت یوسف کے کیونکہ جب خدا نے طویل جدائی کے بعد سارے خاندان کو یکجا جمع کر دیا۔ آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ خواب کی تعبیر

وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور مکر کر رہے تھے (یوسف کے ساتھ) اور نہیں اکثر لوگ اگرچہ آپ حرص بھی کریں ایمان لانے والے

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع۵

حالانکہ آپ ان سے مزدوری بھی نہیں مانگتے نہیں ہے یہ مگر ذکر جہانوں کے لئے

پوری ہو چکی۔ اور ملک دنیا اور اس کی نعمات کے ساتھ لذّت اندوز ہو چکے تو یہ خیال کیا کہ یہ سب کچھ فانی ہے پس اللہ سے دائمی نعمات کی خواہش کی۔ اور جنت کی التجا کی۔ موت کی تمنا ظاہر کی جو آج تک کسی نبی نے نہ کی تھی اور نہ ان کے بعد کسی نے کی۔ کہا اے اللہ! تو نے مجھے ملک عطا فرمایا۔ اور خوابوں کی تعبیر کا علم دیا۔ اے آسمانوں اور زمین کے خالق تو میرا دنیا و عقبیٰ میں بڑا ناصر و مددگار ہے۔ مجھے اسلام کی موت دے دے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ یعنی جنّت کے ساکنین انبیاء وصالحین کی صحبت مجھے عطا کر۔

دُعائے فرج ایک روایت میں ہے کہ کنوئیں میں یوسف کو یہ دعا جبریل نے بتائی تھی۔

اَللّٰهُمَّ فَاِنَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ اَمْرِيْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا وَّارْزُقْنِيْ مِنْ حَيْثُ اَحْتَسِبُ وَمِنْ حَيْثُ لَآ اَحْتَسِبُ۔ پس آپ نے اس ورد کو جاری رکھا تو ہر مصیبت دفع ہوتی گئی۔ کنوئیں سے نجات ملی۔ زلیخا کے مکر سے رہائی پائی۔ زندانِ مصر سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ اور پھر آخر کار تختِ حکومت پر متمکن ہوئے۔ اور دوسری روایت میں زندانِ مصر میں آپ کی یہ دعا منقول ہے۔

يَا كَبِيْرَ كُلِّ كَبِيْرٍ يَا مَنْ لَّا شَرِيْكَ لَهٗ وَلَا وَزِيْرَ يَا خَالِقَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ الْمُنِيْرِ يَا عِصْمَةَ الْمُضْطَرِّ الضَّرِيْرِ يَا قَاصِمَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ يَا مُغْنِيَ الْبَائِسِ الْفَقِيْرِ يَا جَابِرَ الْعَظْمِ الْكَسِيْرِ يَا مُطْلِقَ الْمُكَبَّلِ الْاَسِيْرِ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ اَنْ تَجْعَلَ لِيْ مِنْ اَمْرِيْ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا وَّتَرْزُقَنِيْ مِنْ حَيْثُ اَحْتَسِبُ وَمِنْ حَيْثُ لَا اَحْتَسِبُ۔

رکوع ۶ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ۔ آیت ۱۰۵ مقصد یہ ہے کہ اگر وجودِ باری اور اس کی توحید پر دلالت کرنے والی دلیلوں کا جائزہ لیا جائے تو آسمانوں اور زمین کے اندر اُس کی نشانیاں بے حد و شمار ہیں بلکہ کائنات کی ہر شئی اپنے خالق مدبّر اور حکیم صانع کے وجود اور اُس کی توحید کا پتہ دیتی ہے۔ اسی بنا پر تو کہا جاتا ہے کہ اللہ کے وجود پر دلیلیں اتنی ہیں جس قدر نفوسِ بشریہ ہیں پس اس قدر دلیلوں کے بعد حقیقتِ وجودِ باری بدیہیات میں سے روشن تر اور جملہ حقائق سے واضح تر ہے پس پروردگار از راہِ تعجّب و استنکار فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں کس قدر دلائل موجود ہیں جن سے کتابِ آفاق بھری پڑی ہے۔ اور یہ لوگ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا

اور کتنی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں جن کو یہ دیکھتے ہیں درحالیکہ ان سے

مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ

چشم پوشی کر لیتے ہیں اور نہیں ایمان لاتے ان کے اکثر اللہ پر مگر درحالیکہ وہ مشرک ہوتے ہیں

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ ﴿۱۰۶﴾

کیا وہ مطمئن ہیں اس بات سے کہ آئے اُن پر چھا جانے والا اللہ کا عذاب یا آئے ان پر قیامت

السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا

اچانک درحالیکہ وہ شعور نہ رکھتے ہوں کہہ دو یہ میرا طریقہ ہے کہ اللہ کی طرف بلاتا ہوں

ہر وقت ان کا مطالعہ بھی کرتے رہتے ہیں لیکن پھر چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔

مومنوں کا شرک

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ۔ اس آیت میں خدا اُن لوگوں کو تنبیہ فرما رہا ہے جو ظاہر میں دعویٰ ایمان کا کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی اکثریت بھی مشرک ہے۔ اس کی تاویل میں چند اقوال ہیں۔

۱۔ مشرکین قریش جو اللہ کو خالق مالک محی و ممیت و رب سمجھنے کے باوجود بتوں کی پوجا کرتے تھے۔

۲۔ عام مشرکین عرب جو زمین و آسمان کا خالق مینہ برسانے والا اور سبزیاں اگانے والا اللہ کو جانتے تھے۔ اور پھر بت پرستی کے مرتکب تھے۔

۳۔ اہل کتاب جو تورات و انجیل و سابق انبیاء اللہ اور ملائکہ سب پر ایمان رکھتے تھے لیکن آخر الزمان پیغمبر کی نبوت کے منکر تھے۔ یہ تین قول امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہیں۔

۴۔ یہ منافقوں کے حق میں ہے جو ظاہر میں ایماندار اور باطن میں مشرک تھے۔

۵۔ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو عقیدہ میں موحد ہیں اور اعمال میں مشرک ہیں۔ یعنی عقیدہ درست ہے اور عمل شیطان کے تابع ہے۔

بہرکیف ایمان کا دعوے کرنے کے بعد ضروری نہیں کہ انسان سچ مچ مومن بن جائے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ زبان سے ایمان کا دعوی کرے اور حقیقت میں وہ شرک کی آلائشوں میں مبتلا ہو۔ حتیٰ کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔ اگر انسان یہ کہے فلاں نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا یا فلاں نہ ہوتا تو میرے بچے مر جاتے تو اُس کو اللہ کا شریک بنایا۔ پس عرض کی گئی کہ مولا! اگر اس طرح کہا جائے کہ فلاں شخص کے ذریعے اللہ نے مجھ پر احسان نہ کیا ہوتا تو میں یا میرے بچے ہلاک ہو جاتے تو آپ

اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ

درحالیکہ ہیں اور میری اتباع کرنے والے یقین پر رہیں اور اللہ پاک ہے اور ہیں شرک کرنے والوں میں

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْٓ اِلَيْهِمْ

سے نہیں ہوں اور نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول مگر بندے جن کی طرف ہم نے وحی کی

مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

شہر کے بسنے والوں میں سے کیا یہ زمین میں سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں کیا انجام ہوا

نے فرمایا یہ درست ہے۔

عوام النّاس کی زبان سے عموماً نکلتا ہے۔ اللہ و اہل بیت نے فلاں کام کیا۔ یا اللہ و پنجتن پاک کو فلاں کام کی لاج ہے۔ یا اللہ و علی نے میرا کام کردیا۔ وغیرہ اس قسم کے فقرات سے شرک کی بو آتی ہے اور معصوم نے اس سے منع فرمایا ہے پس اگر یہ مقصود ہو کہ خدا نے بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ یا بطفیل پنج تن پاک یا بتصدق اہل بیت یہ کام کیا ہے یا فلاں حاجت پوری کی تو ٹھیک ہے ورنہ شرک صریح اور ظلم عظیم ہے اس قسم کے فقرات کے استعمال سے مومنین کو گریز کرنا چاہیئے۔ اہل بیت کا اللہ پر عطف کرنا درست نہیں ہے بلکہ اس طرح کہنا چاہیئے۔ خدا نے بوسیلۂ اہل بیت ایسا کیا یا خدا بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ ایسا کرے وغیرہ اسی طرح منّت ماننے اور نذر و نیاز ادا کرنے میں بھی اسی نکتہ کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ : یعنی میں اللہ کی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہوں۔ اور میں اور میری اتباع کرنے والے بصیرت اور اطمینان کی صفات رکھتے ہوئے اس دعوت کے علمبردار ہیں۔ اور روایات اہل بیت سے بالتواتر ثابت ہے کہ اس آیت میں اتباع کرنے والوں سے مراد علی اور اس کی اولاد طاہرین ہیں۔ کیونکہ آیت مجیدہ میں اتباع مطلقہ مراد ہے۔ اور جو شخص رسول کا ہر قول و فعل میں تبع ہو اسے معصوم ہونا چاہیئے۔ لہٰذا آئمہ معصومین ہی اس کے مصداق ہیں اور علامہ حلّی نے اس آیت مجیدہ کو حضرت علی کی خلافت بلافصل کی دلیل شمار کیا ہے۔ وَهُوَ الْحَقُّ سُبْحٰنَ اللّٰهِ ۔ اللہ کی تنزیہہ کا کلمہ ہے۔ یعنی مشرک لوگ توحید کے متعلق جو غلط سلط عقائد رکھتے ہیں۔ خدا اُن سے پاک و منزّہ ہے۔ تفسیر برہان میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ تنزیہ پروردگار کا کلمہ ہے۔ پس جب انسان یہ کلمہ زبان پر جاری کرے تو خدا کے تمام فرشتے اُس پر درود بھیجتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

دعوتِ توحید آیت مجیدہ میں توحید کی دعوت کی افضلیت بیان کی گئی ہے اور نیز اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ توحید کی دعوت وہ دے جو خود اپنے مقام پر بصیرت تامہ رکھتا ہو اور اس کے دامن میں ادلۂ قاطعہ اور براہین ساطعہ موجود ہوں۔ اور آیتِ مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اور اس کے قائم مقام ہمیشہ لوگوں کو دعوت دیا کرتے

تھے۔ اور آپ نے فرمایا اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ عَلٰی عِبَادِہٖ ۔ یعنی اللہ کے بندوں پر علماء رسولوں کے امین ہیں
اور امانت و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ علماء دعوت توحید میں کسی بھی وقت سستی اور اغماض چشم سے کام نہ لیں دور حاضر
میں علمائے اعلام کے خلاف ہنگامہ آرائی کوئی نئی بات نہیں۔ ہمیشہ اور ہر دور میں جہال کی جانب سے اس قسم کا شور وغوغا
ہوا کرتا ہے۔ اور انبیاء نے جب بھی توحید کی دعوت پر زور دیا۔ جہال نے آڑے آنے کی کوشش کی اس پر آشوب زمانہ
میں یہود کی طرح ہماری قوم میں منبر کے ٹھیکہ دار بعض صاحبانِ جبہ و دستار عوام میں مشرکانہ تعلیمات کا پرچار اپنی
کامیابی کا معیار قرار دئیے ہوئے ہیں۔ وہ جب تک حضرت علیؑ کو مسند الوہیت پر قابض نہ کرائیں ان کے ہاں ولایت
پختہ ہی نہیں ہوتی۔ اور جو بندۂ خدا اس قسم کے دریدہ دہن ملاؤں کے منہ میں لگام دینا چاہے وہ ان کے نزدیک وہابی قرار
دیا جاتا ہے اور جو علی کو بندۂ خدا سمجھے اور بعد از پیغمبر پوری کائنات کا پیشوا جانے ان کے نزدیک یہ حضرت علی کی گراوٹ
سمجھی جاتی ہے۔ بس توحید کی حدود کو توڑ کر حضرت علی کو خدائی صفات میں شریک ماننا ہی ان کے نزدیک ولایت کا صحیح
مفہوم ہے۔ جہاں تک نقل کا تعلق ہے۔ ممکن ہے کہ صحیح ہو رکھتے ہیں۔ ملک العلماء مرحوم گڑگڑا کر اور مصلّٰے عبادت پر رو رو
کر دعا مانگتے تھے۔ اے پروردگار! ہماری بھولی بھالی قوم کو اجہلوں کی قیادت سے نجات دے۔ اور سچ ہے کہ اچھی قوم
کا فرد قوم کی بھلائی کی فکر میں ہوتا ہے اور کمین طبع لوگوں سے کمینہ پن کا دور ہونا غیر متوقع ہے۔ بعض سر پھرے ہر جگہ منبر
پر اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ نجف سے فارغ ہونے والوں کی بات نہ سننا وہ ولائے علی کے دشمن ہیں۔ ایسے عقل
کے اندھوں سے پوچھتا کوئی نہیں کہ علمائے اعلام جو اپنی زندگی کا قیمتی اور بارونق حصہ علوم دینیہ کی تحصیل میں خرچ کرتے
ہیں۔ اور نجف میں ابوہریرہ کی روایات نہیں بلکہ محمدؐ و آلِ محمدؑ کے فرامین و کلمات کا درس لے کر آتے ہیں وہ ولائے علیؑ
کا معنی نہیں سمجھتے تو کیا جن کو صرف منبر پر ناچنا، کودنا اور اچھلنا اچھالنا آتا ہے وہی ولائے علیؑ کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اسی
طرح علمی نسل کے اکثر یتیم و لاوارث لوگ علمائے اعلام پر وہابیت کا الزام عائد کر کے لوگوں پر اپنے علمی تفوق کا سکہ
بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں وہ اپنی تاریک زندگی کو عوام کی نظروں سے چھپانے کی خاطر علماء کو بدنام کرنے میں پیش
پیش ہیں۔ اور بعض گانے والے پیشہ ور لوگ ایسوں کی آڑ میں علماء کو گالی دینا دین سمجھنے لگے ہیں یہ لوگ جہلا کو اپنی ہاں میں ہاں
ملاتا دیکھ کر بغلیں بجاتے اور خوش ہوتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کامیابی نہیں بلکہ ان کے دین و ایمان کا جنازہ اور بے حسی
اور بے شعوری کے لئے سند ہے۔ حضرت علیؑ کی ولاء کا یہ طریقہ نہیں کہ فرائض خداوندی سے غفلت برتی جائے۔ اور
لوگوں کو معصیت پر جرات دلائی جائے۔ حضرت رسالت مآبؐ سے صحیح حدیث میں مروی ہے جس شخص پر حج بیت اللہ
واجب ہو اور استطاعت کے باوجود ادا نہ کرے وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرتا ہے۔ ان ٹھیکہ دارانِ جنّت سے پوچھنے
والا کوئی نہیں کہ کارخانے لگائے جا سکتے ہیں۔ زمینیں خریدی جا سکتی ہیں۔ اور قوم کی رقوم اور عزائے حسین کی ہزاروں
کی آمدنی کو رنگ رلیوں اور فضول خرچیوں کی نذر کیا جا سکتا ہے تو حج بیت اللہ کی ادائیگی کیوں نہیں کی جاتی کیا ولائے

علی کا تقاضا یہ معلوم نہیں کہ حج واجب کو عمداً بلا عذر ترک کر کے حضرت علی کی زیارت کو جانے والا علی سے لعنت لے کر پلٹتا ہے نہ کہ خوشنودی۔ حضورؐ نے سچ فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے منبر پر بندر ناچیں گے۔ خداوند کریم اُمّتِ اسلامیہ کو ایسے مکار و غدار ملاؤں کے دامِ تزویر سے بچائے۔ یاد رکھئے اللہ کا مقام اپنا ہے نبی کا مقام اپنا ہے اور علیؑ و اولادِ علیؑ کا مقام اپنا ہے۔ نبی و امام کو اللہ کا شریک ماننا شرک ہے اور ایسے لوگوں سے محمدؐ و آلِ محمدؐ ہرگز راضی نہیں ہوں گے بلکہ ان کی زبان سے ایسے عقیدہ والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے اور ہم نے عقائد حقہ کے موضوع پر الگ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار ہے۔ عقائد کی صحت کے لئے ہر مومن مرد و عورت پر اس کا مطالعہ لازمی ہے۔ نیز اس سلسلہ میں ہماری کتاب امامت و ملوکیت اور اسلامی سیادت کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

علمائے اعلام کا فرض ہے کہ دعوتِ توحید کو جاری رکھیں اور اسی قسم کی ہنگامہ آرائیوں سے مرعوب نہ ہوں۔ خدا ان کے ساتھ ہے۔ اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کی غیبی نصرت ان کی پشت پناہ ہے۔ ولائے علیؑ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ عقیدہ و عمل دونوں میں حضرت علیؑ کی ہدایات کو مشعلِ راہ قرار دیا جائے۔ عقیدہ ایسا ہو جس پر علی راضی ہو۔ اور عمل بھی ایسا ہو جس پر علی خوش ہو۔ خداوند عالم ہمیں حضرت علیؑ کے صحیح شیعوں میں سے قرار دے۔ آمین۔

اِلَّا رِجَالًا۔ آیت مجیدہ کی صراحت سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء دیہاتوں سے مبعوث نہیں ہوئے۔ بلکہ شہروں میں بھیجے گئے۔ جیسا کہ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی کے لفظ سے ظاہر ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسالت کا عہدہ قوم جن کو نہیں دیا گیا۔ کیونکہ رجال کا اطلاق بنی آدم پر ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ رسالت کا عہدہ عورتوں کو نہیں دیا گیا۔

لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ۔ تفسیر مجمع البیان میں ابوسعید خدری سے مروی ہے حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ جنت کی ایک بالشت پوری دنیا اور اس کی جملہ نعمات سے بہتر ہے اللھمّ ارزقنی الجنۃ بجاہ محمّد والہ حتی اذا یہ جناب رسالت مآبؐ کے لئے تسلّی و تسکین ہے کہ ہم نے گذشتہ اُمتوں سے عذاب کو ٹالے رکھا اور تیری اُمت سے بھی عذاب کو ٹالتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اتمامِ حجّت کرتے ہیں اور جب نوبت اس حد تک پہنچتی ہے کہ رسول اپنی اُمّت کی اطاعت سے مایوس ہو جائیں اور ان کو بذریعہ وحی و تجربہ یقین پیدا ہو جائے کہ ان کی مکمل طور پر تکذیب ہو چکی ہے اور اُمّت میں سے ایمان کی اُمید کسی سے نہیں ہے تو اس وقت ہماری مدد پہنچتی ہے۔ اور جن کو ہم بچائیں وہی نجات پاتا ہے۔

فَنُجِّیَ: بعضوں نے اس کو نُنجی اور بعضوں نے نُجّی پڑھا ہے۔ اور یہ لوگ دوسرے نون کو اخفا کرتے ہیں اور لکھنے میں بھی اس کو نہیں ظاہر کرتے۔ اور یہ ادغام نہ ہے۔ ادغام نہیں کیونکہ ادغام مماثل یا متقارب میں ہوتا ہے اور نون اور جیم میں نہ مماثلت ہے نہ مقاربت۔ اور جو لوگ نُجّی پڑھتے ہیں وہ باب تفعیل سے ماضی کا صیغہ بناتے ہیں۔

فِیْ قَصَصِھِمْ: یعنی قرآن مجید میں انبیاء کے قصوں کا بیان صاحبانِ عقول کے لئے نصیحت و عبرت کا مقام

عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۗ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا ۗ أَفَلَا

ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے یقیناً دارِ آخرت بہتر ہے ان کے لئے جو ڈریں کیا تم عقل نہیں

تَعْقِلُونَ ﴿١٠٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ

رکھتے ؟ یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہوئے اور انہوں نے یقین کیا کہ وہ جھٹلائے جا چکے ہیں تو انہیں

نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَن نَّشَاءُ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١١٠﴾ لَقَدْ

ہماری مدد پہنچی پس ہم نجات دیتے ہیں جسے چاہیں اور نہیں چوکتا ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے تحقیق

كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ

ان کے قصہ بیان کرنے میں عبرت ہے صاحبانِ عقل لوگوں کے لئے یہ بناوٹی بات نہیں لیکن تصدیق ہے اس کی

وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى

جو اس سے پہلے ہے اور تفصیل ہے ہر شی کی اور ہدایت

وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

اور رحمت ہے ایماندار قوم کے لئے

ہے کہ وہ رسول جس نے یہود و نصاریٰ کے علماء سے صحبت نہ کی اور نہ ان کی زبانی گذشتہ انبیاء کے واقعات سنے پھر نہ کسی درس میں پڑھا۔ نہ کسی استاد سے سیکھا اور باوجود اس کے گذشتہ انبیاء کے صحیح واقعات بیان کرے جو کتب سابقہ میں مصدّقہ ہوں، تو عقلمند لوگوں کے لئے ان کی نبوت و رسالت کی اس سے واضح دلیل اور کیا ہو سکتی ہے ؟

والحمد للہ رب العلمین

بروز ہفتہ پونے سات بجے شام ۶ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

مطابق ۱۵ جولائی ۱۹۶۷ء سورہ یوسف

کی تفسیر ختم ہوئی

سُورَۂ رَعدْ

اس سورہ کی کل آیات تنتالیس ہیں۔ اور بسم اللہ کو ملا کر چوالیس ہیں۔
بعض کے نزدیک یہ سورہ مکیہ ہے سوائے آخری آیت کے اور بعض کے نزدیک پورا سورہ مدینہ ہے سوائے دو آیتوں کے ایک وَلَوْاَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ الخ اور دوسری اس کے بعد والی۔

۱۔ ابی بن کعب سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا جو شخص سورہ رعد کی تلاوت کرے گا تمام گذشتہ و آیندہ ہونے والے بادلوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج ہوں گی اور بروز محشر اللہ کے عہد کو پورا کرنے والوں میں محشور ہوگا۔ (مجمع البیان وصافی)

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جو سورہ رعد کی زیادہ تلاوت کرے گا وہ بجلی کی موت نہ مریگا اور اگر مومن ہوگا تو بلا حساب جنّت میں داخل ہوگا اور اپنے خاندان و برادری کے جملہ جان پہچان والوں کے حق میں اس کی شفاعت مقبول ہوگی (مجمع البیان وصافی)

۳۔ نماز عشاء کے بعد تاریک شب میں آگ کی روشنی پر لکھ کر اگر ظالم وجابر بادشاہ کے دروازہ پر لٹکائی جائے تو وہ ہلاک ہوگا اور اس کی سلطنت ختم ہو جائے گی (البرہان نقلاً من خواص القرآن)

۴۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے تاریک رات میں نماز عشا کے بعد لکھ کر جابر و ظالم بادشاہ کے دروازہ پر لٹکائی جائے تو اس کی رعایا و فوج اس پر بغاوت کرے گی اور اس کی کوئی بات نہ مانی جائے گی۔ اور اس کی عمر کوتاہ ہوگی۔ ویسے بھی کسی ظالم یا کافر یا بے دین کے دروازہ پر اس کا لٹکانا اس کی ہلاکت کا موجب ہے۔ باذن اللہ (البرہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓمّٓرٰ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ

المرا یہ کتاب کی آیتیں اور وہ جو تجھ پر اتاری گئی تیرے پروردگار سے حق ہے

وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱﴾ اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ

لیکن اکثر لوگ یقین نہیں کرتے اللہ وہ ہے جس نے بغیر ستون کے آسمانوں کو

رکوع ۷ موضوع سورہ بیان توحید

الٓمّٓرٰ۔ تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اس کی تاویل یہ منقول ہے۔ اَنَا اللّٰہُ الۡمُحۡیِیۡ الۡمُمِیۡتُ الرَّازِقُ۔ یعنی صرف میں اللہ ہی زندہ کرنے والا مارنے والا اور رزق دینے والا ہوں۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے۔ اَنَا اللّٰہُ اَعۡلَمُ وَ اَرٰی یعنی میں اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہوں۔ سورہ کا عنوان حروف مقطعات کی ترتیب اور معصوم کا توضیحی نوٹ اور اس کے بعد آیات کی تفصیل سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سورہ مبارکہ کا موضوع دیگر اکثر سوروں کی طرح مسئلہ توحید ہے۔ پہلی توجیہ کے اعتبار سے زندہ کرنا مارنا اور رزق دینا ان تین صفتوں کا حصر اللہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور دوسری توجیہ کے لحاظ سے حاضر و ناظر ہونے کی صفت کو اس کی ذات میں منحصر کیا گیا ہے۔

تِلۡکَ اٰیَاتُ الۡکِتَابِ:۔ کتاب سے مراد قرآن ہے۔ اور الف ولام عہد خارجی کے لئے ہے۔ یعنی جس کتاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ اُسی کتاب کی آیات ہیں۔ اور الذی کا عطف کتاب پر بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس صورت میں یہ محلاً مجرور ہوگا اور اس کا عطف آیات پر بھی ہو سکتا ہے پس محلاً مرفوع خبر واقع ہوگا۔ پہلی ترکیب کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا۔ یہ کتاب کی آیتیں ہیں۔ اور اُس کی آیتیں ہیں جو تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ اور دوسری ترکیب کے لحاظ سے معنی وہی ہوگا جو تحت اللفظ مذکور ہے۔ یعنی یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور وہ ہے جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اتاری گئی۔ اور الحق مرفوع ہے۔ کیونکہ مبتدا محذوف ھُوَ کی خبر ہے۔ یعنی یہ حق ہے۔ اور حق اور صدق کے درمیان فرق ابھی ابھی بیان کیا جا چکا ہے۔ صنہ

اَللّٰہُ الَّذِیۡ:۔ چونکہ معرفت آثار سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر کسی چیز کے آثار کا علم بڑھتا جاتا ہے اُسی قدر اس چیز کی معرفت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پس پروردگار عالم نے ان آیاتِ مجیدہ میں اپنے آثار کا تذکرہ فرمایا۔

ا۔ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ اس کو سہارا دینے کے لئے کوئی ستون

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

بلند کیا جیسے تم دیکھتے ہو پھر اس کا اقتدار عرش پر ہے اور اس نے مطیع کیا سورج اور

وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

چاند کو ہر ایک کی رفتار ایک معلوم وقت تک ہے وہ امر کی تدبیر کرتا ہے آیات کو تفصیل وار واضح کر

نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تَرَوْنَهَا عَمَد کی صفت ہو یعنی اُس نے آسمانوں کو ایسے ستون کے بغیر بلند کیا ہے جسے تم دیکھ سکو۔ یعنی جس ستون پر آسمانوں کو بلند کیا گیا ہے اس کو تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ ستون قدرتِ پروردگار ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى:۔ اس مقام پر ثُمَّ ترتیب کے اظہار کے لئے نہیں ہے بلکہ محض عطف کو ظاہر کرتا ہے اور اگر ترتیب ہی مراد لی جائے تو مقصد اس طرح ہوگا کہ ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے کے بعد ان میں تصرف وحکومت کے لئے کرسیٔ اقتدار کا مقام عرش کو قرار دیا جس طرح پُوری مملکت پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد دار السلطنت کو محل اقتدار مقرر کیا جاتا ہے۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ:۔ (۲) اللہ نے سورج کو پیدا کرنے کے بعد ایک مخصوص مدار پر مخصوص رفتار سے مخصوص مدت تک اس کو مسخر ومطیع کیا ہے۔ (۳) اسی طرح چاند کو بھی اللہ نے خاص دائرہ کے اندر خاص رفتار سے ایک معیّن مقدار تک مسخر فرمایا ہے۔ سورج کی رفتار بارہ برجوں میں اُس کا قیام دن و رات کا گھٹاؤ بڑھاؤ موسموں کی تبدیلیاں اور اس کے نظام کی بقاو دوام بلکہ نظامِ شمسی کا تفصیلی مطالعہ جس کے کُنہ تک رسائی کسی عام انسان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اسی طرح نظامِ قمری کی جزئیات اور اس کے اندر ہزارہا دقائق وحقائق واسرار و رموز کا ودیعت ہونا جن میں کسی حد تک دسترس حاصل کرنے کے بعد بڑے بڑے مہندس منجم اور علم الافلاک کے ماہرین بلا دریغ بول اُٹھتے ہیں مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ اے اللہ تو نے ان میں سے کسی شے کو بلا فائدہ نہیں پیدا کیا واقعًا ان چیزوں کا ادنیٰ مطالعہ بھی خالقِ صانع کی حکمت علم قدرت اور تدبیر اتم کے یقین کے لئے کافی ہے (۴) آسمانوں اور آفتاب و ماہتاب کی تسخیر کے بعد چوتھی چیز کو جو آثار سابقہ کا نتیجہ اور ان کا لازمہ ہے۔ بیان فرمایا یُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ یعنی وہی اللہ جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند فرمایا۔ اور سورج چاند کو مسخر کیا وہی ان کی تدبیر کرنے والا ہے۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ:۔ مذکورہ بالا چار آثار کو واضح کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ میں اپنی قدرت وحکمت کے آثار کو تفصیل وار بیان کرتا ہوں تاکہ تمہارا قیامت پر یقین پختہ ہو جائے اور تم سمجھ سکو کہ جو اللہ اتنے بڑے آسمانی شمسی وقمری بلکہ عالمی نظام کی تخلیق و تدبیر پر قادر ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر کیسے قادر نہیں ہے؟ پس اس طرح تدبر کرنے سے اپنی بازگشت کا یقین آسان ہوگا۔

وَهُوَ الَّذِيْ۔ پچھلی آیت میں چار نشانیاں اپنی توحید کی بیان فرمائیں جو ارباب عقل و دانش کے لئے ناقابلِ تردید براہین

لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۞۲ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ

کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو اور وہ وہ ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس پر پہاڑ

فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ

ٹھہرائے اور نہریں اور ہر قسم کے پھلوں کے اس میں جوڑے جوڑے پیدا کیے

اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۞۳

وہ ڈھانپتا ہے رات کو دن سے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو سوچیں

ہیں لیکن چونکہ ان کا تعلّق اجرام علویہ سے تھا اور ان کے حقائق و دقائق کو تفصیل وار جاننے سمجھنے کے لئے علم الافلاک اور علم النجوم کی ضرورت تھی۔ بنا بریں مطلب کو آسان کرنے اور دلیل توحید کو عامۃ الناس کے عقول کے لئے قابلِ قبول کرنے کے لئے آثارِ توحید کا سہل تر پہلو اختیار فرمایا جس میں ہر عالم وجاہل شہری و دیہاتی چھوٹا بڑا مرد و عورت اور ذہین و غبی معمولی توجہ کرنے کے بعد توحید پروردگار کا یقین پیدا کر سکیں۔ پس اس نے پانچویں نشانی یہ بیان فرمائی کہ اللہ وہ ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور بچھایا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نہج البلاغہ میں زمین و آسمان کی خلقت کے متعلق مفصل بیان منقول ہے کہ پانی کو ہواؤں نے حرکت دی۔ اور اس کی جھاگ سے زمین کی خلقت ہوئی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے پہل کعبہ کی زمین سطح آب پر بچھائی گئی اور پھر ساری زمین کو پھیلایا گیا۔ آیت مجیدہ میں مدّ کی لفظ اسی معنی کی تائید کرتی ہے۔ بہر کیف زمین کی موجودہ صورت اور ہئیت کذائیہ کی طرف سرسری نظر ڈالنے والا اس کے خالق صانع حکیم کی توحید پر ایمان کو راسخ کر سکتا ہے۔ یہ نہ اس قدر نرم ہے کہ انسان اس میں دھنس جائے اور نہ اتنی سخت ہے کہ چلنے میں پاؤں کو زخمی کرے۔ نہ اتنی سرد ہے کہ رہنے والی مخلوق کو منجمد کر دے اور نہ اس قدر گرم ہے کہ بسنے والوں کو جلا دے۔ پس متوسط انداز سے اس نے پیدا کی ہے۔ کہ جمیع ذی روح اس کی گود میں آسانی سے بود و باش رکھ کر اس سے نفع اندوز ہو سکتے ہیں۔ غاروں میں بسیرا کرنے والوں کے لئے غاریں بنانا سہل اور گھر بنانے والوں کے لئے گھر تعمیر کرنا آسان ہے۔ پھر ہر قسم کے بسنے والوں کے لئے غذائی پیداوار کا انتظام اسی کی ہی بدولت ہے۔ اور دَورِ حاضر کی تحقیقات نے زمین سے جن مفید و کار آمد خزائن کا سراغ لگایا ہے درحقیقت یہ معرفتِ پروردگار کی راہیں ہیں جنہیں ہموار کیا جا رہا ہے۔ اور ان کی جزئیات کا احاطہ تو سوائے پروردگار کے کوئی کر سکتا ہی نہیں۔

وَجَعَلَ فِيْهَا :۔ (۶) یہ چھٹی نشانی ہے کہ زمین کے اضطراب کو ختم کرنے کے لئے اس نے وزنی پہاڑ اس پر کھڑے کر دیئے اور حضرت امیر علیہ السّلام نے نہج البلاغہ میں اس مطلب کو خوب واضح فرمایا ہے جس سے آیت مجیدہ کی تفسیر کھلتی ہے۔ اس ظاہری مفاد کے علاوہ پہاڑوں کی خلقت میں جو لاتعداد دقیق حکمتیں اور حدا حصاد سے باہر اسرار و رموز کے مخفی خزائن پنہاں

ہیں جن کا معمولی علم طبقات الارض کے ماہرین کو عطا ہوا ہے۔ توحید و تمجید پروردگار کے لئے ناقابلِ تردید برہان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

وَاَنْهٰرًا:۔ (۷) ساتویں نشانی دریاؤں نہروں اور چشموں کی تخلیق ہے۔

وَمِنْ کُلِّ:۔ (۸) پھلوں اور میوہ جات کو اُس نے پیدا کیا۔ اور لطف یہ کہ ہر پھل کو جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ بعض رنگ کے لحاظ سے سیاہ و سفید مثلاً بعض ذائقہ کے اعتبار سے تلخ و شیریں۔ بعض موسم کے لحاظ سے کہ گرم موسم کا اور سرد موسم کا اور بعض مزاج کے اعتبار سے خشک و تر یا گرم و سرد۔ پس اکثر مفسّرین نے پھلوں کے جوڑا جوڑا ہونے کی یہ تاویل کی ہے لیکن جدید تحقیقات سے جو نئے نئے انکشافات سامنے آئے ہیں اُن میں علم نباتات کے ماہرین کا یہ قول بھی ناقابلِ انکار ہے۔ کہ جس طرح پروردگار نے ہر ذی روح مخلوق کو جوڑا جوڑا نر و مادہ کے لحاظ سے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح نباتات کا جوڑا جوڑا بھی نر و مادہ کے اعتبار سے ہے اور نباتات کی کوئی قسم ایسی نہیں جو نر و مادہ کے حکم سے مستثنیٰ ہو۔ البتہ بعض نباتات کے نر و مادہ کی پہچان پھل سے ہوا کرتی ہے جیسے کھجور اور بعض کی شاخوں سے مثلاً شیشم کہ اس کے نر کی شاخیں سخت سیدھی اور اوپر کی طرف جاتی ہیں۔ اور مادہ کی شاخیں نرم کج اور نیچے کی طرف مائل ہوا کرتی ہیں۔ اسی طرح بعض میں پتوں کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جن میں فرق اتنا دقیق ہے کہ ماہرین نباتات بھی اس کا سراغ نہیں لگا سکے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی پودے کے بعض اجزاء نر اور بعض مادہ ہوں یا بعض شگوفے اور غنچے نر اور بعض مادہ ہوں۔ اور ماہرین علم نبات کا کہنا ہے کہ جس طرح ذی روح مخلوق کی نسلی بقاء کے لئے نر و مادہ کی ملاوٹ ضروری ہے اسی طرح نباتات میں یہی حالت ہے۔ پس بعض میں نر کا بیج مادہ کے بیج سے ملتا ہے۔ بعض نباتات میں خوشبو نر کی مادہ تک منتقل ہوتی ہے بعض میں زمین کے اندر جڑوں کی ملاقات یہ کام کرتی ہے۔ اور موسم بہار جو عام طور پر نباتات کی سرسبزی و شادابی کا زمانہ ہوتا ہے اور یہی نباتات کے پھلنے پھولنے اور پھیلنے کا موسم ہوتا ہے تو خداوند عالم کے نظام اتم و اکمل کا کرشمہ ہے کہ اس زمانہ میں ہواؤں کی زیادتی ہوتی ہے اور دیگر فوائد و مصالح کے علاوہ اس میں ایک ناقابلِ فراموش مصلحت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے نر نبات کا اثر مادہ نبات تک بآسانی پہنچ سکتا ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو کوئی پھل پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا ہی نہیں۔

چنانچہ سورہ حجر میں ارشاد فرماتا ہے وَاَرْسَلْنَا الرِّیَاحَ لَوَاقِحَ۔ مفسّرین نے اس سے یہ مقصد لیا ہے کہ ہواؤں کو ہم نے بھیجا تاکہ بادلوں کو پانی کا حامل بنائیں۔ لیکن اگر اس سے عام معنی مراد لیا جائے کہ ہواؤں کو ہم نے حاملہ بنانے کے لئے بھیجا تاکہ بادلوں کے علاوہ تمام نباتات کو بھی شامل ہو جائے تو زیادہ موزوں ہو گا۔ اور یہ بات مشاہدہ سے ثابت ہے کہ کھجوروں کے جس باغ میں نر کھجور کا پودا نہ ہو اُس باغ کا پھل کمزور ہوا کرتا ہے۔ عراق میں عام دستور ہے کہ پھل کے موسم میں نر کھجور کے بند خوشے کو چیر کر اُس سے نر کا بورہ نکالتے ہیں۔ پس مادہ کھجور کے بند خوشے کو چیر کر اس میں ڈالتے ہیں۔ اور اس کا نام تابیر ہے۔ اور جن کھجوروں کی تابیر کی جائے اُن کا پھل موٹا میٹھا اور لذیذ ہو جاتا ہے جس کی بدولت

تابیر شدہ باغ کی قیمت اور غیر تابیر شدہ کی قیمت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی اپنے مقام پر تجربہ سے ثابت کیا ہے کہ کھجوروں میں تابیر یعنی نر کے بیج کا مادہ کے پھل سے ملانا پھل کی عمدگی و نفاست کا باعث ہوتا ہے۔ اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ باقی درختوں کا بھی یہی عالم ہوگا جس کی تفصیلات کے جاننے سے ہم قاصر ہیں۔ بہرکیف خداوند کریم نے پھلوں کے جوڑا جوڑا کرنے کو اپنی توحید و عظمت کی دلیل قرار دیا ہے جس کا سمجھنا اور یقین کرنا ہر شخص کے لئے آسان ہے

يُغْشِي اللَّيْلَ ۔ (۹) رات کو دن سے ڈھانپ دیتا ہے یا دن کو رات سے ڈھانپ دیتا ہے۔ یہ دونوں معانی ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں یہ اس کی لازوال مصلحت ہے کہ ذی روح مخلوق سارے دن کی چہل پہل کام کاج اور جملہ مصروفیات سے تھکی ماندی ہو کر چونکہ سکون و آرام کی حاجت مند تھی۔ پس اس نے دن پر رات کا پردہ ڈال دیا تاکہ سکون حاصل کر کے یہ تازہ دم ہو جائیں۔ پھر وقت مقرر کے بعد دوبارہ دن کو ظاہر کر دیا تاکہ تساہل و غفلت میں پڑا رہنے کی بجائے ضروری آرام کے بعد اُٹھ کھڑے ہوں۔ اور کسب معاش یا نیل کمال کے لئے اپنی کوششوں کو جاری کر دیں۔ اور جس حد تک کل پہنچے تھے اُس سے آگے قدم رکھ کر ترقی کے زینوں کو طے کر سکیں۔ اگر شب و روز کا یہ تبادلہ نہ ہوتا تو نظام کائنات میں ابتری ہی ابتری رہتی۔ اس کے علاوہ دن اور رات میں گھٹاؤ بڑھاؤ کبھی رات زیادہ کبھی دن زیادہ اس طرح کہ گھٹنے والے کی کمی بڑھنے والے کی زیادتی کے برابر رہے اور پھر اس پر موسموں کی تبدیلی کا راز یہ قدرتِ پروردگار کے ایسے اسرار و رموز ہیں جن کو اس کی توحید و عظمت کی بولتی ہوئی زبان ہی کہنا چاہیئے ہم اس کی مزید تفصیل پہلے کسی جلد میں ذکر کر چکے ہیں

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ۔ ان نشانیوں کے گنوانے کے بعد عقول انسانیہ کو متنبہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ ان بیان کردہ علائم و نشانات میں فکر کرنے والوں کے لئے یقین بہم پہنچانے کی نشانیاں موجود ہیں۔ وَلَا رَيْبَ فِيْهِ ۔

وَفِي الْاَرْضِ (۱۰) یہ دسویں نشانی اس قدر عام فہم ہے کہ ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں چند اُمور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ایک یہ کہ زمین کے ٹکڑے ایک دوسرے کے بالکل قریب قریب ہونے کے علاوہ آثار و خواص میں الگ الگ ہیں۔ کوئی زرخیز ہے کوئی شور ہے کوئی حصہ کسی نبات کے قابل ہے کوئی دوسری کے لئے موزوں ہے۔ کسی کا پھل میٹھا برآمد ہوتا ہے اور کسی کا پھیکا ہوتا ہے۔ اور کسی سے آمدنی خاطر خواہ اور تسلّی بخش حاصل ہوتی ہے۔ اور کسی سے فصل اچھا نہیں نکلتا۔ وعلیٰ ہذا القیاس متعدد فرق ہیں جو طبقات الارض کا علم رکھنے والے جان سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ زمین کے قریب قریب کے ٹکڑوں میں مختلف قسم کے باغات جو انگوروں کھجوروں اور دوسری کھیتوں پر مشتمل ہوتے ہیں کاشت کئے جاتے ہیں اور زمین ہر پودے کی خدمت و نشو و نما میں اس کا مناسب کردار ادا کرتی ہے تیسرے یہ کہ کھجوروں میں بعض پودوں کی اصل ایک ہوتی ہے۔ اور بعض الگ الگ تنہ رکھتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ ان سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے۔ اور لطف یہ کہ زمین ایک پانی ایک لیکن ہر پھل کا رنگ الگ حجم الگ خاصیت

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّ

اور زمین میں قریب قریب کے ٹکڑے اور باغات انگوروں کے اور کھیتیاں اور کھجوریں ہیں جو ایک

نَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا

اصل کی اور الگ اصول والی ہیں جو ایک پانی سے سیراب کی جاتی ہیں اور ہم فضیلت دیتے ہیں بعض کو

عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ط إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

بعض پر ذائقہ میں تحقیق اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں

الگ مزاج الگ اور ذائقہ الگ الگ صرف یہ نہیں بلکہ ایک ہی جنس کے پھلوں میں بہت کچھ اختلاف موجود ہوتا ہے۔ حجم رنگ خاصہ مزاج اور ذائقہ میں ایک ہی جنس کے افراد ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتے ہیں اور ہر زمین پر بود باش رکھنے والا اس امر سے بخوبی واقف ہے پس اس سے زیادہ توحید پروردگار اور اس کی صنعت و حکمت اور علم و قدرت کی دلیل کیا دی جا سکتی ہے اسی لئے تو آخر میں فرمایا کہ عقل رکھنے والوں کے لئے اس میں بہت کچھ آیات و نشانیاں موجود ہیں۔ ان آیات میں خداوند کریم نے دس نشانیاں گنوائی ہیں (۱) آسمانوں کی خلقت (۲) سورج کی خلقت و تسخیر (۳) چاند کی تسخیر (۴) تدبیر الامور (۵) بساط زمین کا بچھانا (۶) پہاڑوں کی خلقت (۷) دریاؤں کی پیدائش (۸) پھلوں، میووں کے مختلف اقسام کی تخلیق (۹) دن رات کا چکر (۱۰) زمین و پانی کی وحدت کے باوجود نباتات کا اختلاف وغیرہ۔

تعجب ہے عقل کے اندھے لوگوں پر جو اس قسم کی واضحات کو چھوڑ کر شبہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور توحید پروردگار کے ساتھ کھلی ہوئی بغاوت کا ارتکاب کر کے مسلمان کہلوانے سے شرم نہیں کرتے۔ میں نے شیعہ منبر پر شیعی عقائد کا ستیاناس کرنے والے بعض جیب تراش ملاؤں کو توحید کے خلاف زہریلے جملے اگلتے دیکھا ہے کہ خدا نے محمدؐ و آل محمدؐ کو پیدا کیا اور انہوں نے سب کائنات کو پیدا کیا۔ میں نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار میں اس قسم کے مشرکانہ خیالات کو براہین سے رد کیا ہے لیکن ناخدا ترس اور بے لگام مولویوں کے لئے اگر اللہ کا کلام فائدہ مند نہیں ہو سکتا تو میرے بیان سے وہ خاک اثر لیں گے۔ ہاں حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے وہ ہمیں گالیاں دینا ہی جانتے ہیں ایسے لوگوں کے پاس صرف فرسودہ و بیہودہ خیالات کا پلندہ اور شبہات و توہمات فاسدہ کا ذخیرہ ہے۔ علاوہ ازیں منبر پر منہ ٹیڑھا کرنا آنکھ ہاتھ کا اشارہ کرنا، ناچنا۔ کودنا اور عوام الناس کو اچھال اچھال کر داد لینا۔ اور واہ واہ کی خراج تحسین سے تسکین قلب حاصل کرنا ان کا مآل تقریر ہے وہ علمی میدان

یَعۡقِلُوۡنَ ④ وَاِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ قَوۡلُهُمۡ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَ

کے لئے اور اگر آپ کو تعجب ہو تو ان کی یہ بات اور تعجب ناک ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں

اِنَّا لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے یہ لوگ اپنے پروردگار کے منکر ہیں اور ایسے لوگوں کی

ہیں قدم رکھنا نہیں جانتے صرف علماءِ اعلام کو وہابی کہہ کر انہیں بدنام کرنا ہی اپنا کمال سمجھتے ہیں۔

کیا توحید خالق سے بغاوت کرنے کے لئے اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ کا سہارا لینا ان کو آتا ہے اور قرآن مجید کی سینکڑوں آیتیں جن میں تمام کائنات کے ذرّہ ذرّہ کی تخلیق کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے ان کی نظر سے نہیں گذریں اور کیا هَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰهِ کا خدائی چیلنج ان کو معلوم نہیں اور حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب بے سروپا خطبۂ بیان کے اقتباسات یاد ہیں جن میں توحید خالق کو للکارا گیا ہے اور قرآن مجید کی صریح اور واضح آیات نظر سے نہیں گذریں جن میں توحید خالق کی ناقابلِ تردید براہین موجود ہیں۔ اور خدا کی جانب سے اہلِ فکر و نظر اور اربابِ عقل و دانش کو بار بار غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ نیز فرضی خطبہ بیان کی بجائے اگر نہج البلاغہ کے خطبات کا مطالعہ کیا جائے جن میں مختلف اشیاء کی خلقت کو حضرت امیر علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے تو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور توحید خالق کی ادلّہ و براہین کا مواد جس قدر حضرت امیر علیہ السّلام کے خطبات سے مل سکتا ہے تمام دنیا کے موحدین اس کا عشر عشیر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگ حضرت علی پر ظلم کرنیوالے ہیں جو خدا کے مقابلہ میں حضرت علی کو کائنات کا خالق و رازق ٹھہرا کر ان کو خدا کا شریک بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ خطبہ بیان کا سہارا لے کر حضرت علی کو خلقت کائنات کا مدعی قرار دیتے ہیں حالانکہ حضرت علی اور تمام معصومین ایسے لوگوں سے بری ہیں وہ خود اللّٰہ کے عبادت گذار بندے تھے اور تمام بندوں کو عبدیت کا درس دینے والے تھے۔

اس میں شک نہیں ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ جس کے پاس دلیل موجود نہ ہو۔ اور جس کا دامن کسی ٹھوس و پائدار برہان سے خالی ہو وہ اپنی ڈھٹائی پر باقی رہنے اور عوام میں اپنے وقار کا بول بالا کرنے کے لئے مدّمقابل کو گالی گلوچ کا نشانہ بنانا اور اس پر کیچڑ اچھالنا ہی اپنا کامیاب حربہ سمجھتا ہے۔ خلافت کے اثبات کے مقام پر ببانگِ دہل کہنے والے چونکہ ہمارا امام کھرا ہے لہذا ہم کسی کو کسی مجلس سے نہیں روکتے۔ بے شک چل پھر کر مذاہب کی سیر کرکے دیکھیں۔ اگر علی کے مقابلہ میں کوئی دوسرا امام نہ ملے تو علیؑ کو ہی امام تسلیم کریں اور دوسروں کے پاس جانے سے وہی روکتا ہے جس کے پاس مال کھرا نہ ہو۔ جیسا کہ بازار میں عام دوکانداروں کا دستور ہوا کرتا ہے آئیے

الاغلٰل فی اعناقھم ۚ و اولٰٓئک اصحٰب النار ۚ ھم فیھا خٰلدون ﴿۵﴾

گردنوں میں طوق ہوں گے اور ایسے لوگ دوزخ میں جائینگے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے

ویستعجلونک بالسیئۃ قبل الحسنۃ وقد خلت من قبلھم

اور جلدی کا عذاب چاہتے ہیں رحمت سے پہلے حالانکہ گذر چکے ہیں ان سے پہلے عذاب کے

المثلٰت ؕ وان ربک لذو مغفرۃ للناس علی ظلمھم ۚ وان

واقعات (جو باعث عبرت ہیں) اور تحقیق تیرا رب لوگوں کے لئے بخشش والا ہے باوجود ان کے ظلم کے اور تحقیق

مسئلہ توحید کے متعلق بھی اعلان کیجئے کہ بیانِ توحید ہر ایک سے سُنو جس کی توحید کھری ہو قبول کرو لیکن یاد رکھیئے کہ دامن توحید خالق کو تار تار کرنے والے ہرگز یہ جرأت نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ الٹا کھوٹے سودے والے دو کاندار کی طرح دوسروں کی بات سُننے سے روکتے ہیں کہ فلاں سے بچ کر رہو فلاں کی مجلس نہ سُنو ورنہ وہ تم کو علی کا دشمن بنا دیں گے۔ خدا کی قسم یہ مکارانہ چال اور عیارانہ طرز عمل صرف اپنے وقار ناپائدار کی بحالی اور عوام کی جیب تراشی سے چند روز خوش حالی حاصل کرنے کے لئے ہی ہے ورنہ وہ بھی دل سے جانتے ہیں کہ کل کائنات کا خالق رازق محی وممیت اور مدبر عالم صرف اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ جیسی واضح دلیلوں کے بعد بھی توحید خالق میں شک کرنا یا اس کا انکار کرنا واقعاً باعث تعجب ہے۔ چنانچہ جناب رسالتمآبؐ کو پروردگار نے تسلّی دی۔ اور فرمایا کہ بے شک ایسے لوگوں پر تعجب کرنا بجا ہے لیکن یہ بات اور زیادہ قابل تعجب ہے جو کہتے ہیں کہ خاکستر ہو جانے کے بعد ہم دوبارہ زندہ کیسے ہوں گے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ جو خدا تم عدم سے پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے کیا وہ مرنے کے بعد دوبارہ ان کو از سر نو خلق نہیں کر سکتا۔ حالانکہ پہلی دفعہ کا پیدا کرنا دوبارہ زندہ کرنے سے مشکل ہوا کرتا ہے۔

یَسْتَعْجِلُوْنَکَ:۔ مقصد یہ ہے کہ وہ نیکی جس کی جزا بہشت ہے۔ اُسے چھوڑ کر کفر و انکار کی برائی کی طرف سبقت کرتے ہیں یا بعض سرپھرے لوگ اپنے حسد وعناد کی آگ میں جل بھن کر جنت کی خواہش کی بجائے عذاب کو اپنے منہ سے طلب کرنے کی جرأت کرتے ہیں حالانکہ سابقہ واقعات سے ان کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے نہ کہ اس کی خواہش۔

وَاِنَّ رَبَّکَ:۔ سید مرتضٰے سے منقول ہے کہ یہ آیت مجیدہ اہل قبلہ میں سے گنہگاروں کے لئے بخشش کا مژدہ اپنے دامن میں رکھتی ہے۔

شَدِیْدُ الْعِقَابِ تک پہلے حصہ میں بخشش کی پیش کش ہے اور آخری حصہ میں عذاب کی تہدید ہے اور جناب رسالتمآبؐ

سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا کہ اگر اللہ کا درگذر اور اس کی بخشش نہ ہوتی تو کسی انسان کی زندگی خوشگوار نہ رہتی اور اگر اس کی تہدید و وعید نہ ہوتی تو ہر شخص نیکی کرنے میں سست اور گناہوں سے نڈر ہو جاتا۔

لَوْ لَآ اُنْزِلَ صلاا لوگوں کی چونکہ بالعموم دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جو منصفانہ طور پر حقائق مبنی سے دلچسپی رکھتے اور حق کو بلادریغ قبول کر لیتے ہیں۔اور دوسرے وہ جو معاندانہ روش سے ہر بات کو ٹھکرانا ہی جانتے ہیں۔ایسے لوگ کسی کی صداقت کے اثبات کے لئے دلیل و برہان پر کان نہیں دھرتے بلکہ بات بات پر معجزہ طلب کرنے کے درپے رہتے ہیں۔چنانچہ مشرکین مکہ کی حضورؐ سے بار بار کی اعجاز طلبی اسی منعکس ذہن کی پیداوار تھی۔خداوند کریم کی جانب سے بطور تنبیہ و ارشاد متعدد بار ان کو تدبر و تفکر کی دعوت دی گئی اور توحید پر انتہائی آسان اور قابل قبول انداز بیان سے ناقابل تردید براہین پیش کی گئیں لیکن وہ آخر تک طالب اعجاز ہی رہے۔اور یہی وجہ ہے کہ منصف طبائع کو معقول دلیل سے اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔بخلاف اس کے ہٹ دھرم عنادی اور جہال طبقہ اعجاز نمائی سے بھی مطمئن نہیں ہوتا۔پس وہ ایک معجزہ کے بعد دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا علیٰ ہذا القیاس معجزات ہی طلب کرتے رہتے ہیں۔اور ان میں بھی موشگافیاں کر کے لیت و لعل میں وقت گذارتے ہیں۔اور لوگوں میں صرف انتشار پھیلانا ہی جانتے ہیں۔پس ایسوں کا علاج یا تو فوری عذاب سے ہو سکتا ہے۔جیسے گذشتہ بعض انبیاء کی اُمتوں کا حشر ہوا۔اور یا ڈنڈے سے کلمہ حق کو منوا لیا جاتا ہے تاکہ انتشار کا سدباب ہو سکے۔چنانچہ مشرکین مکہ کا اسلام فتح مکہ کے بعد اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔اس آیت مجیدہ میں خداوند کریم کفار کے اسی اعجاز نمائی والے مطالبہ کو دہرا رہا ہے جس طرح کہ پہلی آیت میں فرمایا کہ اب یہ لوگ عذاب ہی مانگتے ہیں اور کچھ نہیں۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ صلاا کفار کے سوال کے جواب میں آیت مجیدہ کے ظاہر کے رو سے خدا نے یہی جواب دیا کہ آپ کا کام ہے میرے عذاب سے لوگوں کو ڈرانا اور ہر قوم کو ہدایت کرنا اور بس علاوہ ازیں آیات و معجزات کا ظاہر کرنا یہ آپ کا کام نہیں بلکہ میرا کام ہے۔

دلیل خلافت

علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ نے آیت مجیدہ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ کو دلیل خلافت علی قرار دیا ہے اور اس بارے میں بروایت جمہور ابن عباس سے حدیث نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اَنَا الْمُنْذِرُ وَعَلِیٌّ الْھَادِیْ۔یعنی منذر میں ہوں اور ہادی علی ہے۔فضل بن روزبہان ناصبی نے اس حدیث کا کتب اہل سنت میں ہونے سے انکار کیا ہے۔لیکن صاحب دلائل الصدق نے متعدد کتب عامہ سے حوالہ جات پیش کر کے دشمن علی کے منہ پر ایسا طمانچہ رسید کیا ہے جس کا جواب نہیں (۱) کنز العمال ج ۲ ص۱۵۷ عن الدیلمی (۲) تفسیر درمنثور میں سیوطی نے چار حدیثیں نقل کی ہیں دو ابن عباس سے ایک ابو بردہ اسلمی سے اور چوتھی خود حضرت علی علیہ السلام سے،اور ان سب کا مقصد واحد یہی ہے کہ آیت مجیدہ میں منذر سے مراد حضرت رسالتمآبؐ ہیں۔اور ہادی سے

مراد حضرت علی ہیں (۳) حاکم نے اسی حدیث کو مستدرک میں ذکر کیا ہے (۴) ملا سلیمان حنفی نے ینابیع المودت میں اس کو لکھا ہے۔ (۵) تفسیر کبیر میں رازی نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ابوالقاسم حسکانی کی شواہد التنزیل سے مروی ہے ابو بردہ اسلمی روایت کرتا ہے کہ حضورؐ نے پانی منگوایا اور وضو کیا اور علی کا ہاتھ پکڑا بس اپنے سینے پر رکھ کر فرمایا اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ پھر ہاتھ کو علی کے سینے کی طرف بڑھا کر فرمایا وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ پھر ارشاد فرمایا لوگوں کے لئے روشنی کا مینار ہدایت کا محل اور مومنوں کا امیر تو ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ایسا ہی ہے۔ بہر کیف کتب شیعہ وسنّی میں بتواتر وارد ہے کہ آیت مجیدہ میں ہادی سے مراد علی ہے لہذا آیت حضرت علیؑ کی خلافت پر نص ہے کیونکہ رسالت مآبؐ کے بعد جو تمام امت کا ہادی ہوگا وہی خلیفہ بلافصل ہوگا اور اس استدلال میں کسی ذی ہوش کے لئے مجال انکار نہیں ہے۔

کوئی زمانہ حجّت خدا سے خالی نہیں ہوتا

آیت مجیدہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ زمین کسی وقت حجّت خدا سے خالی نہیں رہتی چنانچہ تفسیر صافی میں اصول کافی سے مروی ہے کہ امام محمدّ باقر علیہ السلام نے فرمایا حضرت رسالت مآبؐ منذر ہیں اور ہر زمانہ میں ہم میں سے ایک ہادی کا ہونا ضروری ہے جو رسالت مآبؐ کے لائے ہوئے دین کی طرف لوگوں کی رہبری کرے پس حضورؐ کے بعد ہادی علی ہے اور پھر یکے بعد دیگرے اوصیاء ہادی ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر زمانہ کا امام اس زمانہ والوں کے لئے ہادی ہے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ ان لوگوں کی تردید کر رہی ہے جو ہر زمانہ میں وجود امام کو ضروری نہیں جانتے۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دن حضور رسالت مآبؐ نے خطبہ میں حمد وثناء پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا اے لوگو! میں عنقریب تم سے جدا ہونے والا ہوں۔ وَاِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابُ اللهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلُبَیْتِیْ مَآاِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا فَتَعَلَّمُوْا مِنْهُمْ وَلَا تُعَلِّمُوْهُمْ فَاِنَّهُمْ اَعْلَمُ مِنْكُمْ لَا تَخْلُوا الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَلَوْخَلَتْ اِذًا لَسَاخَتْ۔ ترجمہ۔ اور میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی عترت اہل بیت جب تک ان دونو کے ساتھ تم تمسک رکھو گے گمراہ نہ ہو گے پس ان سے سیکھنا لیکن ان کو سکھانے کی جرأت نہ کرنا کیونکہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور زمین ان سے خالی نہ ہو گی۔ اگر خالی ہوئی تو تباہ ہو جائے گی۔

پھر اپنے پروردگار سے مناجات کرتے ہوئے کہا اے اللہ! میں جانتا ہوں کہ علم ضائع نہ ہو گا اور تو زمین کو اپنی حجت سے خالی نہ چھوڑے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ظاہر ہو اور اس کی بات ماننے والا کوئی نہ ہو یا لوگوں کی سے پوشیدہ رہ کر فریضہ تبلیغ انجام دیتا رہے اور ہدایت کے بعد تو اپنے اولیاء کو گمراہ نہیں ہونے دیتا۔ بے شک وہ

رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٦﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ

تیرا رب سخت سزا دینے والا ہے — اور کافر لوگ کہتے ہیں — کیوں نہیں اتری اس پر

عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿٧﴾

کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے — آپ صرف ڈرانے والے ہیں — اور ہر قوم کے ہادی

عدد کے لحاظ سے کم ہیں لیکن اللہ کے نزدیک قدر و منزلت کے لحاظ سے اعظم ہیں پس یہ کہہ کر منبر سے نیچے تشریف لائے

حضرت حسن مجتبےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضورؐ کیا آپ کی ذات گرامی تمام مخلوق کے لئے حجت نہیں ہے ؟ آپ نے فرمایا میرے پیارے حسن ! اللہ فرماتا ہے اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ پس میں منذر ہوں اور علی ہادی ہے میں نے عرض کی آپ تو فرما رہے تھے کہ زمین کسی وقت حجت سے خالی نہیں ہوتی آپ نے فرمایا ہاں درست ہے میرے بعد علی حجت اور امام ہوگا اس کے بعد تو حجت اور امام ہوگا تیرے بعد حسین امام و حجت و خلیفہ ہوگا اور مجھے خدائے لطیف و خبیر نے خبر دی ہے کہ حضرت حسین کی پشت سے بچہ ہوگا جو اپنے دادا کے ہم نام علی نامی ہوگا پس اپنے باپ حسین کے بعد وہ اس کا قائم مقام اور زمانہ کا امام ہوگا پھر اس کی صلب سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو میرا ہم نام اور میرے مشابہ ہوگا اُس کا علم اور حکم میرے علم اور حکم کی طرح ہوگا پس وہ اپنے باپ کے بعد حجت خدا اور امام خلق ہوگا اور خدا اس کی صلب سے ایک بچہ پیدا کرے گا جس کا نام جعفر ہوگا اور اپنے اقوال و افعال میں پورے اہل زمانہ سے صادق ترین ہوگا پس وہ اپنے باپ کے بعد حجت خدا اور امام زمان ہوگا پھر اس کا فرزند موسیٰ بن عمران کا ہم نام موسیٰ جو عبادت میں اپنی نظیر آپ ہوگا وہ اپنے باپ کے بعد حجت اور امام ہوگا پھر اس کا فرزند علی اللہ کے علم کی معدن اور اس کی حکمت کا مخزن حجت خدا اور امام الخلق ہوگا پھر اس کا فرزند محمد اپنے باپ کے بعد امام و حجت ہوگا پھر اس کا فرزند علی اپنے باپ کا قائم مقام اور امام الخلق و حجت اللہ ہوگا پھر اس کا فرزند حسن حجت اور امام زمانہ ہوگا پھر حسن کا فرزند حجت قائم اپنے شیعوں کا امام اور اپنے دوستوں کا فریاد رس ہوگا وہ پردہ غیبت میں رہے گا جس کو دیکھا نہ جا سکے گا اور غیبت اس قدر طویل ہو گی کہ بعض لوگ مایوسی کا شکار ہو کر اس کے وجود پر ایمان لانے سے دستکش ہو جائیں گے اور بعض اپنے ایمان پر ثابت قدم رہیں گے ۔ الحدیث

بروایت عیاشی تفسیر برہان میں عبدالرحیم قصیر سے مروی ہے میں ایک روز حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا آپ نے مجھ سے دریافت کیا کہ قول خدا اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ میں منذر رسولؐ خدا اور ہادی علی ہیں تو یہ بتاؤ کہ اس زمانہ میں ہادی کون ہے ؟ وہ کہتا ہے میں نے طویل خاموشی کے بعد سر اٹھایا اور عرض کی میں آپ پر فدا ہوں یہ آیت آپ لوگوں کے حق میں ہے اور آپ ہی یکے بعد دیگرے اس کے وارث ہیں یہاں

تک کہ اس وقت حضور والا آپ ہی اس کے مصداق ہیں پس آپ ہادی ہیں تو فرمانے لگے بے شک تو نے درست کہا ہے اے عبدالرحیم! قرآن زندہ ہے مردہ نہیں پس یہ آیت زندہ ہے مردہ نہیں اگر کوئی آیت جو کسی خاص آدمی کے حق میں اتری ہو اور وہ مر جائے پس آیت بھی مر جائے تو اس صورت میں تو سارے کا سارا قرآن مردہ ہو جائے گا۔ لیکن قرآن زندہ ہے لہذا اس کے مصداق یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں اور بعد والے اس کے ویسے ہی مصداق ہوتے ہیں جیسے کہ گذشتگان اس کے مصداق تھے عبدالرحیم کہتا ہے امام نے فرمایا قرآن کی تاویل اس طرح جاری ہے جس طرح شب و روز جاری ہیں اور جس طرح شمس و قمر جاری ہیں اور یہ آیتیں ہمارے آخری پر اسی طرح صادق آتی ہیں جس طرح ہمارے پہلے بزرگوار پر صادق آئیں۔ ہم نے اس قسم کی بعض احادیث اور اس مطلب کی مزید وضاحت تفسیر کے مقدمہ میں کر دی ہے۔

حدیث ثقلین بھی اس امر پر شاہد بیّن ہے کیونکہ حضور جب امت کی ہدایت کے لئے دو چیزیں چھوڑ کر گئے ہیں تو اس کا مفہوم یہی ہے کہ جب تک قرآن رہے گا عترت ساتھ ساتھ رہے گی اور جب تک امت رہے گی یہ دونوں ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے اور ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں لَنْ يَّفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے حتی کہ حوض کوثر پر میرے پاس اکٹھے پہنچیں گے اور آپس میں نہ جدا ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب تک ایک باقی ہوگا دوسرا بھی ساتھ ساتھ باقی رہے گا۔ پس اگر قرآن مجید قیامت تک زندہ ہے اور ہادی ہے تو ضروری ہے کہ عترت کا کوئی فرد اس کے ساتھ ساتھ زندہ اور ہادی ہو اور ہمارے اس دور میں حضرت حجت صاحب الزمان امام العصر مہدی علیہ السلام موجود ہیں جو پردۂ غیبت میں امت اسلامیہ کی مشکلات کو حل کرنے کے کفیل ہیں۔ اگر امام غائب کے وجود کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس قسم کی احادیث کی صداقت مخدوش ہو جائے گی نیز آیت مجیدہ مذکورہ بھی مصداق سے خالی رہ جائے گی۔ پس آیت مجیدہ جس طرح ہر دور میں امامت کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے اسی طرح دور حاضر میں وجود امام غائب پر بھی نص کی حیثیت رکھتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ فَرَجَہٗ۔

رکوع نمبر ۸ بیان توحید

اَللّٰہُ یَعْلَمُ۔ آیت مجیدہ میں چند معلومات کا تذکرہ ہے کہ وقتی طور خدا اس کی بعض جزئیات کا علم کسی نبی یا اس کے وصی کو عطا فرماتا ہے پس وہ اس حد تک جان سکتا ہے جہاں تک خدا نے اس کو علم عطا فرمایا ہو (۱) ہر مادہ خواہ اس کا تعلق کسی نوع سے ہو اس کے شکم میں بچہ ہے یا کوئی اور چیز پھر بچہ ہونے کی صورت میں نر ہے یا مادہ خوبصورت ہے یا بدصورت، نیک ہے یا بد غرضیکہ اُس کی پوری کیفیات و جزئیات کے ساتھ اس کا علم صرف پروردگار کو ہی حاصل ہے (۲) بعض اوقات بچہ رحم مادر سے مدت مقررہ سے پہلے پیدا ہو جاتا ہے اور غیض کا معنی کم ہونا اور گھٹ جانا ہے۔ مثلاً بعض عورتیں نو ماہ

اللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ کُلُّ اُنۡثٰی وَ مَا تَغِیۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَ مَا تَزۡدَادُ ؕ

اللہ جانتا ہے جو حمل اٹھاتی ہے ہر مادہ اور جو کم کرتے ہیں رحم اور جو زیادہ کرتے ہیں

وَ کُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَہٗ بِمِقۡدَارٍ ﴿۸﴾ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ الۡکَبِیۡرُ

اور ہر چیز اس کے پاس مقدار سے ہے وہ غیب وشہادت کے جاننے والا بزرگ

کی مدت پوری ہونے پر بچہ جنتی ہیں اور بعض اس سے پہلے جن لیتی ہیں اور مدت حمل کی اس کمی کو اور اس کی مقدار کو اور اس کی علت وسبب کو خدا ہی جان سکتا ہے (۳) وہ جو مدت مقررہ پر زیادتی آجاتی ہے مثلاً بعض عورتیں نو ماہ کی مدت سے کچھ دن مزید گزار کر بچہ جنتی ہیں پس اس مقدار کو اور اس کی زیادتی کی علت کو تمام جزئیات کے ساتھ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور مروی ہے کہ ایام حمل میں عورت کو اگر حیض آجائے تو جس قدر ایام حیض کے ہوں گے اسی قدر ایام کا مدت حمل پر اضافہ ہو جائے گا۔ بہرکیف ان تفصیلات کو کماحقہ پروردگار ہی جان سکتا ہے یا وہ جن کو اس کی جانب سے اس کا علم عطا کیا گیا ہو۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ ہر شے کی میرے پاس مقدار بالکل معین ہے یعنی کسی کی مدت معینہ کا پورا ہونا کسی کا کم ہونا اور کسی کا بڑھ جانا جن میں سے ہر ایک کی کمی یا زیادتی کی مقدار کا پورا اور صحیح علم پروردگار عالم کو ہی ہے۔

لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ ضمیر غائب کے مرجع میں اختلاف ہے لیکن زیادہ موزوں یہی ہے کہ اس کا مرجع اللہ کو قرار دیا جائے اور معقبات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو دن رات باری باری سے انسان کے اعمال کی نگہداشت کرتے ہیں۔ اور مروی ہے کہ وہ چار ہیں۔ دو رات کے لئے اور دو دن کے لئے چنانچہ علی الصبح چاروں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ رات کے فرشتوں کے جانے کا وقت اور دن کے فرشتوں کے آنے کا وقت وہی ہے اس لئے اول وقت میں صبح کی نماز پڑھی جائے تو رات اور دن کے چاروں فرشتے اس کے عمل خیر کے گواہ ہوں گے۔ ارشاد قدرت ہے۔ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا ۔ بعض روایات میں ہے کہ ان سے وہ فرشتے مراد ہیں جو بلاکتوں اور مصیبتوں سے انسان کی حفاظت پر مامور ہیں اور مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ کا یہ مقصد نہیں کہ خدا کی جانب سے آئی ہوئی مصیبتوں سے وہ حفاظت کرتے ہیں کیونکہ خدا کی جانب سے آنے والی مصیبت سے کوئی بچا سکتا ہی نہیں بلکہ یہاں بامر اللہ مراد ہے یعنی خدا کے امر سے وہ انسانوں کی حفاظت پر موکل ہیں۔ اور جب خدا کی جانب سے اس پر امتحان یا سزا یا عبرت کے طور پر کوئی دکھ مصیبت آئے تو وہ الگ ہو جاتے ہیں۔ اور منقول ہے کہ ہر انسان پر حفاظتی فرشتے دس دس موکل ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں کعب سے منقول ہے کہ اگر تمہارے کھانے پینے کے اوقات میں اور تنہائیوں کے عالم میں خدا نے تم پر فرشتے نہ موکل کئے ہوتے جو ہر حال میں تمہاری نگہداشت کرتے ہیں تو قوم جن تم

الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾ سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَ

بلند ہے۔ برابر ہے کہ تم میں سے کوئی چپکے بات کرے یا اعلانیہ کرے خواہ

مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ

کوئی رات کو چھپا کر کرے یا دن میں چل پھر کر کرے اس کی جانب سے

مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ط

ملائکہ معین ہیں اس کے آگے اور پیچھے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں خدا کے حکم سے

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ط وَ

تحقیق اللہ نہیں تبدیل کرتا قوم کی حالت جب تک وہ خود اپنے نفسوں میں تبدیلی نہ کریں اور

کو ختم کر دیتی۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ۔ قدریہ فرقہ اپنے مسلک کے لئے اس آیت کو بطور حجت پیش کرتا ہے کہ انسان کی تقدیر اس کے اپنے ہی ہاتھ میں ہے کہ خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالتوں کو نہ بدلیں۔ اور سفینۃ البحار میں امام رضا علیہ السلام حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں کہ قدریہ لوگ اپنے مسلک کے اثبات کے لئے آیت کے پہلے حصہ کو پیش کرتے ہیں جس سے انسان کا مختار ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ اس کی تقدیر اس کے اپنے قبضہ میں ہے حالانکہ اسی آیت کے آخری حصہ میں اللہ کے ارادۂ ازلیہ کی حکومت بھی ثابت ہے۔ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ الخ یعنی جب قوم پر عذاب اور سختی نازل کرنا چاہے اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا مقصد یہ ہے کہ اللہ ازل سے تمام پیدا ہونے والی مخلوق اور اس کے انجام خیر یا بد کو جانتا ہے۔ اگرچہ انسان کو اعمال کی بجا آوری میں مکمل اختیار حاصل ہے پس عذاب کے استحقاق کے بغیر وہ کسی پر عذاب نہیں بھیجتا۔ لیکن جن لوگوں کے متعلق اس کے علم ازلی میں عذاب کا استحقاق موجود ہے انہوں نے دنیا میں اپنے اختیار سے ایسے کام کرنے ہیں۔ جن کی بدولت وہ عذاب کا حقدار ہوگا اور اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کے علم ازلی کے ماتحت انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے۔ کیونکہ اللہ کا علم انسان کے اختیار میں کوئی پابندی نہیں لاتا۔ جس طرح فرعون کے متعلق اس کو علم تھا کہ یہ بحالتِ کفر مرے گا لیکن پھر بھی موسٰے و ہارون کو حکم دیا کہ اس کو نرم لہجہ سے سمجھاؤ شاید سمجھ جائے اگر اللہ کے علم ازلی کے ماتحت وہ مجبور سمجھا جاتا تو اس کے لئے موسٰی و ہارون کو بجائے تبلیغ بھیجنا عبث ہوتا اور اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ بہر کیف خداوند کریم کی بے حد حساب نعمات کو دیکھ کر مغرور نہیں

إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن

جب چاہتا ہے اللہ کسی قوم کی سزا تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور نہ ان کا اس کے علاوہ کوئی ناصر

وَّالٍ ⑪ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنشِئُ

ہوتا ہے　وہ وہ ہے جو تم کو بجلی دکھاتا ہے خوف اور طمع کی صورت میں اور پانی

ہونا چاہیئے بلکہ اُن کا حق شکر ادا کر کے اُن نعمات کی بقا اور زیادتی کی کوشش کی جائے ورنہ ممکن ہے کہ نعمات کا شکر ادا نہ کرنا اُن کے زوال کا باعث ہو جائے۔ اور آیت مجیدہ اسی طرف متنبہ کر رہی ہے۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب تمہاری طرف نعمتوں کی آمد ہو تو بے شکری کر کے بعد میں آنے والیوں کی رکاوٹ کے موجب تم خود نہ بنو۔ ہم نے تفسیر انوار النجف کی دوسری جلد میں قضاء و قدر کے عنوان سے یہ مسئلہ مفصل بیان کیا ہے۔

عطائے نعمت اور زوالِ نعمت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ خدا بغیر استحقاق کے اپنے فضل و کرم سے نعتیں نازل فرماتا ہے جن کی بقا ان کے شکر سے وابستہ ہوتی ہے۔ اور اسی طرح ان میں زیادتی بھی شکر پر موقوف ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ کہ اگر تم نے شکر کیا تو میں ان میں زیادتی کر دوں گا۔ پس بغیر استحقاق کے ابتداءً عطا فرمانا اُس کا فیض ہے اور شکر سے ان کی بقا یا زیادتی کو وابستہ کرنا اُس کی حکمت ہے۔ اسی طرح زوالِ نعمت یا نزولِ مصیبت آزمائش یا عبرت یا تنبیہ وغیرہ کے لئے بعض اوقات ہوتی ہے لیکن اُس کا باقی رہنا یا ٹل جانا اس کی بلند حوصلگی یا صبر و تحمل یا شکر نعمات کے وجود و عدم پر موقوف ہوتا ہے بنا بریں ممکن ہے آیت مجیدہ کے آخری حصہ کا معنی یہ ہو عبرت و نصیحت یا آزمائش وغیرہ کے لئے خدا جس کو مبتلائے مصیبت کرے۔ اُس کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور پہلے حصہ کا مطلب یہ ہو کہ خدا ان کی بدحالی و مصیبت کو نہیں دور کرتا جب تک وہ صبر و تحمل سے اپنے پروردگار کے سامنے گڑگڑا کر دفع مصیبت کے لئے کوشاں نہ ہوں یا اپنی مصائب و فلاکت و ہلاکت سے نجات کے لئے اسباب فلاح کی طرف بتائیدِ خداوندی خود عملی تحریک نہ کریں۔

پس گویا خوش حالی پر بقا یا خوش حالی کا زوال انسان کے اپنے اختیار شکر و بے شکری سے بھی وابستہ ہے اور خوشحالی کی آمد یا مصائب کی آمد اس کی حکمت کے پیش نظر بھی ہوتی ہے جس کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

يُرِيكُمُ الْبَرْقَ۔ جب بادلوں میں بجلی کی چمک ظاہر ہوتی ہے تو اس میں لوگوں کے لئے خوف و ہراس بھی ہوتا ہے اور بارش سے زمین کی آبادی اور خوشحالی کا لالچ بھی ہوتا ہے یا یہ کہ مسافروں کے لئے راستہ گم کرنے کا خوف ہوتا ہے اور زمینداروں کے لئے خوشحالی کی نوید مسرت ہوتی ہے۔

السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ

اٹھانے والے بادل پیدا کرتا ہے اور رعد اس کی حمد کی تسبیح کرتا اور سب فرشتے اس کے خوف سے

خِيفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ

(تسبیح کرتے ہیں) وہ بجلیوں کو بھیجتا ہے تو وہ اس پر پڑتی ہیں جس پر وہ چاہے اور وہ لوگ اللہ کے بارے میں

تنبیہ :۔ آیت مجیدہ میں بطور حصر بیان کیا گیا ہے کہ بادلوں کا پیدا کرنے والا بارش برسانے والا اور تاریک گھٹا ٹوپ بادلوں سے بجلی کی چمک ظاہر کرنے والا صرف اللہ ہی ہے کہ رعد کی کڑک درحقیقت اس کی عظمت شان اور تنزیہ ذات کی تسبیح ہے اور ان امور پر موکل فرشتے یا تمام ملائکہ اس کے جلال و ہیبت کے سامنے لرزاں و ترساں اس کی حمد و ثنا میں رطب اللسان ہیں اور وہی ذات ہے جو صاعقہ بھیج کر جسے چاہے عذاب میں مبتلا کرتی ہے اس بیان کے بعد تنبیہ کے طور پر فرماتا ہے کہ یہ چیزیں دیکھ بھال کر بھی لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ اس کی گرفت سخت ہے۔

افسوس! لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا اور عظمت پروردگار کی معرفت سے بیگانے ہو گئے شبانہ روز اور صبح و مسا اس کی عظمت شان پر تکوینیات عالم کے ہر چار سو ناقوس بج رہے ہیں لیکن لوگوں کے کان ان کی آوازوں سے ناآشنا ہیں وہ ٹس سے مس تک نہیں ہوتے انبیاء و آئمہ علیہ السلام کی جانب سے بارہا لسانی و عملی طور پر ہدایات پہنچیں۔ اور حجت تمام ہو چکی لیکن اوہام پرست اذہان نے توجہ نہ دی۔ انہوں نے حق کی آواز پر کان دھرنے کی بجائے توہمات کی بے سروپا اور بے تکی آوازوں کو جذب کیا اور حقیقت کی طرف چشم بصیرت کھولنے کی بجائے توہم پرستوں کی اندھا دھند تقلید کو مآل مذہب قرار دیدیا۔

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو بادل پر تعینات ہے وہ بادل کو چلاتا ہے۔ اور اپنے خوفناک آواز سے اُسے جھڑکتا ہے اور اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور حضورؐ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر لوگ میرے اطاعت گزار ہوتے تو میں رات کو بارش بھیجتا اور دن کو سورج کی روشنی سے ان کو خوشنود کرتا اور رعد کی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچتی اور حضور کا دستور تھا جب رعد کی آواز سنتے تھے تو کہتے تھے۔ سُبْحَانَ مَنْ يُّسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ۔ اور مروی ہے کہ بادلوں کو چلانے والے فرشتے کے ہاتھ میں ایک تازیانہ ہے جو برق سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ چمک اسی سے ظاہر ہوتی ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت قرب الاسناد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن پر ہر قسم کی موت آسکتی ہے لیکن صاعقہ آسمانی سے مومن نہیں مرتا بشرطیکہ اس کی زبان پر اللہ کا ذکر ہو۔ دوسری روایت

فِي اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ﴿١٣﴾ لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ

جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ سخت گیر ہے اس کو پکارنا حق ہے اور جو لوگ پکارتے ہیں اس کے

مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ

سوا (کسی کو) وہ ان کی کسی حاجت کو پورا نہیں کر سکتے ان کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی دور سے پانی

فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۚ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿١٤﴾

کی طرف ہاتھ پھیلائے تاکہ وہ اس کے منہ تک پہنچے حالانکہ وہ نہیں پہنچ سکتا اور کافروں کا پکارنا (بتوں کو) بے سود ہی ہے

ہیں آپ نے فرمایا کہ مومن گر کر ڈوب کر اور درندے سے زخمی ہو کر مر سکتا ہے لیکن اگر اللہ کے ذکر سے اس کی زبان معطر ہو تو صاعقہ آسمانی سے اس پہ ہرگز موت نہیں آ سکتی اور تفسیر مجمع البیان میں اسی مضمون کی ایک حدیث امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے۔

وَهُمْ يُجَادِلُونَ :- یعنی جاہل لوگ آیات خداوندی کا آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے باوجود توحید پروردگار کے معاملہ میں جھگڑا کرتے ہیں۔ اور ابن عباس سے مروی ہے زید بن قیس اور عامر بن طفیل ایک مرتبہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے ظاہراً وہ توحید کے بارے میں مجادلہ کرنا چاہتے تھے اور ان کی پالیسی یہ تھی کہ باتوں باتوں میں اچانک حملہ کر کے دھوکے سے فانوس نبوت اور مشعل رسالت کو خاموش کر دیا جائے چنانچہ عامر نے زید سے کہا کہ میں سامنے بیٹھ کر توحید کے مسائل میں بحث کروں گا تو پیچھے سے آ کر تلوار سے ان کا کام تمام کر دینا چنانچہ اسی منصوبہ کے ماتحت عامر نے حضورؐ کے ساتھ توحید کے موضوع پر مجادلہ شروع کر دیا اور زید تلوار لیکر پیچھے سے آ گیا چنانچہ اس نے ارادۂ فاسد کے تحت تلوار کو نیام سے نکالنا چاہا پس ایک بالشت کے برابر تلوار نکلی اور پھر رک گئی اس نے ہر چند چارہ کیا لیکن ناکام رہا۔ عامر اس کو بار بار اشارے کرتا تھا لیکن وہ اپنے مقام پر بے بس تھا اتنے میں حضورؐ نے مڑ کر دیکھا تو وہ تلوار کو بے نیام کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا پس آپ نے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے ان دونوں کے شر سے تو خود ہی محفوظ رکھ پس زید پر اللہ نے بغیر بادل کے گرمی کے دن میں صاعقہ نازل کیا کہ وہ وہیں جل کر خاکستر ہو گیا اور عامر بھاگ گیا اور یہ کہہ کر گیا کہ اے محمد تو نے اپنے رب سے دُعا کی کہ اس نے میرے ساتھی زید کو مار دیا ہے اب میں اس کے انتقام کے لئے تیرے خلاف ایک نوعمر شاہسواروں کی فوج لاؤں گا آپ نے فرمایا مجھے تیرے شر سے اللہ ہی بچائے گا چنانچہ وہ بنی سلول کی ایک عورت کے ہاں مہمان ہوا پس اس کے دو زانوؤں پر غدودیں نکل آئیں اور اُسی عارضہ سے مر گیا۔

تفسیر برہان میں بروایت امالی شیخ انس بن مالک سے منقول ہے کہ حضورؐ نے عرب کے فرعونوں میں سے ایک فرعون کی طرف توحید کا دعوت نامہ بھیجا۔ اُس نے قاصد سے کہا کہ بتاؤ تمہارا خدا سونے کا ہے یا چاندی کا یا لوہے کا تو قاصد

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا

اور اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اطاعت سے یا مجبوری سے

وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ

اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کہہ دو کون ہے رب آسمانوں

نے واپس آکر اطلاع دی پس آپؐ نے اس کو دوبارہ بھیجا پس اُس کافر نے دوبارہ وہی الفاظ دہرائے ابھی وہ بات کر رہا تھا کہ آسمان سے صاعقہ گرا اور اُس کے سر پر پڑا پس وہ وہیں ڈھیر ہو گیا اور یہ آیت اتری۔

دُعا کرنا اور پکارنا

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ۔ اللہ حق ہے اور اُسی سے دُعا کرنا اور اُس کو پکارنا ہی حق ہے جار و مجرور کو مقدم کر کے حصر فرما دیا کہ دعوتِ حق صرف اُسی کی ذات میں ہی محصور ہے اُس کے علاوہ کسی کو پکارنا اور اُس سے دعا مانگنا حق نہیں ہے بلکہ باطل ہے اور اگلے حصہ میں صاف اعلان فرمایا ہے کہ جو لوگ اس کے سوا کسی کو پکارتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کو کچھ بھی نہیں دے سکتے پس غیر اللہ کو پکارنے والے کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی شخص دُور سے پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر خواہش کرے کہ وہ پانی میرے منہ میں آجائے تو ایسی صورت میں نہ پانی اس کے منہ میں آتا ہے اور نہ اس کی پیاس بجھتی ہے پس جس کو دیتا ہے اللہ ہی دیتا ہے اس کے علاوہ نہ کوئی کسی کو دیتا ہے نہ دے سکتا ہے۔

اِسی بنا پر محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو دعا کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ ہر مشکل و مصیبت میں اور ہر ضرورت و حاجت میں اللہ کی طرف رجوع کرو اور اُسی کو زاری و عاجزی سے پکارو لیکن درمیان میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کو بطور وسیلہ کے پیش کرو۔ اور یہ طریقہ بھی بتایا کہ اپنی دعاؤں کے اول و آخر میں درود شریف پڑھو کیونکہ درود ایک ایسی دُعا ہے جو کبھی ردّ نہیں ہوتی پس جب دُعا کے ہر دو طرف درود ہو گا تو اس کے صدقہ میں درمیان کا حصہ یعنی دعا بھی مقبول ہو جائے گی پس جو لوگ اس طریقہ سے دعا کریں گے۔ قرآن صامت اور قرآن ناطق ہر دو کی ہدایت پر ان کا عمل ہو گا اور جو لوگ کسی پیر و مرشد یا نبی و امام کو ہی مشکل و مصیبت میں اپنی دعاؤں کا ملجا و ماویٰ قرار دیں اور ان کو وسیلہ کی بجائے مستقل حاجت روا اور مشکلکشا تسلیم کریں۔ آیت مجیدہ کی رُو سے اُن کا یہ اقدام سراسر غلط بلکہ کفر ہے اور اس کا انجام ناکامی اور آخرت کی ذلّت کے سوا کچھ نہیں۔ نیز آل محمد علیہم السلام کی فرمائش کے بھی خلاف ہے پس نہ ایسے شخص سے خدا راضی ہے اور نہ آل محمدؐ راضی ہوں گے عقائد کی تفصیل ہماری نو تصنیف عقائد کی کتاب لمعۃ الانوار میں دیکھئے۔

سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے

لِلّٰهِ يَسْجُدُ۔ جس طرح پہلی آیت میں جار و مجرور کا مقدم کرنا دعا کا حصر اللہ میں بتاتا ہے اسی طرح آیت میں جار و مجرور یعنی للہ کا مقدم ہونا جواز

سجدہ کا حصر اللہ میں کرتا ہے یعنی ذاتِ خداوندی کے علاوہ کوئی بھی لائق سجدہ نہیں ہے پس آسمانوں اور زمین میں بسنے والی جملہ علوی وسفلی مخلوق کا سجدہ صرف اللہ کی ہی ذات کے لئے ہے۔

سجدہ کی چونکہ دو قسمیں ہیں (۱) سجدہ تکوینی (۲) سجدہ تشریعی

سجدۂ تکوینی۔ یعنی بغیر اختیار کے اپنے خالق و مالکِ حقیقی کے سامنے جھک جانا۔ چنانچہ کائنات کی ہر علوی و سفلی نوری وخاکی، مادی وروحانی اور ذی روح و بے روح مخلوق اپنے حدوث و وجود میں اپنے کمال و زوال میں اور اپنے تغیر و انقلاب میں بے بسی و بے چارگی کے پیش نظر ہمہ تن اس کی عظمت و رفعت جلال و سلطنت اور قدرت وحکمت کے سامنے محو سجود ہے۔ اُس نے جس طرح چاہا جب چاہا جہاں چاہا اور جتنی مدت کے لئے چاہا پیدا کر دیا پیدا ہونے والی مخلوق میں چون وچرا کی مجال نہیں اور یہی بے بسی اس کی بارگاہ میں سجدہ تکوینی ہے کہ مخلوق کو نہ اپنے حسن و قبح میں اختیار ہے نہ قد وقامت میں مجال مقال ہے۔ اسی طرح بیماری تندرستی بچپنہ جوانی بڑھاپا اور موت وحیات وغیرہ کہ پیدا ہونا اپنے اختیار میں اور نہ مرنا اپنے بس میں ہے۔ پس سب مخلوق کی یہ کیفیت و حالت بلکہ ان کا سراپا وجود اپنے خالق مدبر کے سامنے سجدہ تکوینی ہے۔

سجدۂ تشریعی۔ اپنے ارادہ واختیار سے اپنے خالق و مالک اور فیاض محسن کے سامنے مخصوص طریقہ سے جھکنے کا نام ہے جو صرف ذی روح بلکہ اربابِ عقول کے شایان شان ہے جن وملک وانسان اگرچہ ان میں سے ہر ایک کی نوعیتِ سجدہ الگ الگ ہی ہے۔

پس آیت مجیدہ میں طوعاً سے مراد سجدۂ تشریعی ہے جس سے مُراد ملائکہ اور باقی مکلفین جنوں اور انسانوں کا سجدہ مراد ہے اور کرھاً سے مُراد سجدہ تکوینی ہے جو کفار کی ہیئت کذائیہ سے آشکار ہے یعنی یہ کہ اُن کی مقام تخلیق و دیگر تکوینیات میں بے بسی ان کا سجدہ ہے پس جس طرح سجدہ تکوینی اللہ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہو سکتا اسی طرح سجدہ تشریعی بھی اس کے علاوہ کسی کے لئے زیبا نہیں اور مطلق سجدہ کا جواز اللہ کے لئے ہی ہے اور اس کے غیر کے لئے سجدہ کرنا موجب کفر و شرک ہے۔

بعض لوگ سجدۂ تعبدی اور سجدۂ تعظیمی میں فرق کرتے ہیں کہ سجدہ تعبدی اللہ کے لئے مخصوص ہے اور سجدہ تعظیمی غیر کے لئے جائز ہے اور اس کی تائید میں آدم کے سامنے ملائکہ کا سجدہ اور یوسف کے سامنے بھائیوں کا سجدہ پیش کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے سجدہ میں آدم محض بحیثیت قبلہ کے تھے درحقیقت ان کا سجدہ اللہ کے لئے تھا اور ممکن ہے ان کے سجدہ سے مُراد آدم کی فضیلت کو تسلیم کرنا اور ان کے علم و کمال کے سامنے جھک جانا ہو اسی طرح حضرت یوسف ؑ کے آگے بھائیوں کا سجدہ شکر پروردگار کی خاطر تھا کیونکہ اس سجدہ میں حضرت یعقوب ؑ بھی شامل تھے اور ان کا یوسف کے لئے سجدۂ تعظیمی یقیناً غلط اور خلاف عقل ہے کیونکہ یوسف پر یعقوب کی تعظیم واجب تھی نہ کہ سلطنت مل

وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا

اور زمین کا کہہ دو اللہ کہہ دو کیا تم نے بنائے ہیں اس کے علاوہ حاکم ؟ جو نہیں

يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى

اپنے نفسوں کے لئے مالک نفع و نقصان کے کہہ دو کیا برابر ہیں

جانے کے بعد یعقوب پر بھی بیٹے کا سجدہ تعظیمی ضروری تھا۔ بلکہ روایات تو بتلاتی ہیں کہ حضرت یعقوب جب کنعان کو چھوڑ کر مصر پہنچے اور یوسف استقبال کے لئے تشریف لے گئے چونکہ باپ کی خاطر گھوڑے سے نہ اُترے اس لئے خداوندکریم نے اُن کی نسل سے نبوت کو ختم کردیا توجس خدانے یعقوب کے سامنے یوسف کا گھوڑے پر سوار رہنا گوارا نہ کیا وہ خدا یوسف کے سامنے یعقوب کا سجدہ تعظیمی کیسے برداشت کرسکتا ہے؟ اسی طرح ایک غریب خود دار باپ اگرچہ بے علم بھی ہو لیکن اس کی ضمیر کے خلاف ہے کہ اپنے امیر و مالدار بیٹے کو جھک کر ملے اگرچہ وہ درجۂ رفیعہ پر ہی فائز کیوں نہ ہو تو حضرت یعقوبؑ کی ضمیر نبوت نے کیونکر گوارا کیا کہ اپنے بادشاہ بیٹے کے سامنے تعظیماً سربسجود ہوں اور یوسف پیغمبر نے کیسے برداشت کیا کہ سفید ریش اور نبی باپ اس کے آگے جھکا ہوا ہو۔ بہرکیف تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کا سجدہ ذات پروردگار کے لئے شکر کا سجدہ تھا حضرت یعقوب کا سجدہ شکر مصیبت فراق سے نجات کے لئے اور بھائیوں کا سجدۂ شکر اپنے غلط کردار سے معافی مل جانے کے لئے تھا۔ ہم نے سجدۂ آدم اور سجدۂ یعقوب و اولاد یعقوب کو اپنے اپنے مناسب مقامات پر بھی بیان کیا ہے اور غیراللہ کے لئے سجدہ کا عدم جواز ہم نے اپنی نو تصنیف کتاب لمعۃ الانوار میں ثابت کیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

پس بعض جہلاء کا کہنا کہ آئمہ کے لئے سجدہ تعظیمی ہوسکتا ہے ان کی شریعت مصطفویہ پر دیدہ دلیری ہے اسی بنا پر تو ضرائح مقدسہ آئمہ میں جاکر جب دو رکعات نماز ہدیہ پڑھی جاتی ہے یا باقی نوافل و فرائض پڑھنے کا خیال ہو تو پشت سر نماز پڑھنا مکروہ بتایا گیا ہے بلکہ قبر معصوم کے سر کی جانب نماز ادا کرنا بہتر ہے قبر کے پیچھے کھڑے ہو کر اسی غرض سے روکا گیا ہے کہ سجدۂ غیراللہ سے مشابہت نہ ہوجائے۔ بہرکیف غیراللہ کا سجدہ کرنا کفر ہے اور جناب رسالتمآبؐ سے صریح طور پر منقول ہے کہ اگر غیراللہ کا سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ یقیناً اس سجدہ سے مراد سجدۂ تعظیمی ہے ورنہ سجدۂ تعبدی کا تو شوہر کے لئے سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس شریعت اسلامیہ میں تعظیم کا طریقہ سلام ہے اور آل محمدؐ کی تعظیم اُن پر درود بھیجنا اور ان کے اوامر اور نواہی میں ان کی اطاعت کرنا ہے۔

ظِلٰلُهُمْ۔ اس کا معنی ہے سایہ اور مُراد جسم ہے یعنی ان کے جسم صبح و شام اللہ کا سجدۂ تکوینی کرتے ہیں۔ آیت

الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا

اندھا اور بینا یا کیا برابر ہیں تاریکی اور روشنی یا کیا بنائے

لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ

انہوں نے اللہ کے لئے شریک کہ پیدا کیا انہوں نے اسکی پیدا شدہ مخلوق کی طرح ؟ تاکہ مشتبہ ہوگئی ان پر پیدادار کہہ دو کہ اللہ

ع۱۵ اسکے اختتام پر سجدہ کرنا مستحب ہے۔ سجدہ قرآنی کا بیان تفسیر کی جلد ۶ ص۱۵۷ پر ملاحظ فرمائیں۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ۔ آیت مجیدہ میں پروردگار عالم نے سوال وجواب کے اچھوتے انداز میں دلیل وبرہان کے زیر سایہ اپنی ربوبیت وخالقیت کو واضح فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔ ان سے پوچھو آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے ؟ پھر جواب کی تعلیم دی کہ خود ہی جواب دو کہ وہ اللہ ہے۔ اب تنبیہ اور توبیخ کے لہجہ میں استفہام انکاری کے طریقہ سے دلیل کا ضمنی ذکر کر دیا کہ کیا انہوں نے ایسوں کو اولیا ربنا رکھا ہے جو دوسروں کے لئے تو بجائے خود اپنی ذات کے لئے بھی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں کیونکہ عہدۂ ربوبیت تو اُس ذات کے لئے سزاوار ہے جو اپنے مربوب ومخلوق کو نفع یا نقصان پہنچا سکے تاکہ اس کو عبادت کے لئے استحقاق حاصل ہو لیکن جو اپنے لیے بھی نفع ونقصان کا مالک نہ ہو وہ کسی دوسرے کی بگڑی بنانے پر یا بنائی بگاڑنے پر کیسے قدرت رکھ سکتا ہے پس اس کو ولی وحاکم یا ربّ مان کر عبادت کا سزوار جاننا کہاں کی عقلمندی ہے ؟ پس ایسا کرنے والا شخص یقیناً کور بصیرت اور عقل کا اندھا ہے۔ چناں چہ دوبارہ تنبیہ کے طور پر فرمایا کیا اندھا وبینا برابر ہیں ؟ یہ الفاظ باپ وداد کی تقلید میں اندھا دھند غیر اللہ کو رب سمجھ کر ان کی پوجا کرنے والوں کے لئے مہمیز فکر ہے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر تقلید کی تاریکی سے نجات پا کر عقل وفکر کی پشت پر سوار ہو کر نور ایمان حاصل کر کے دائرہ توحید خداوندی میں قدم رکھیں اور اسی کو اپنے نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر اس کی عبادت کریں۔

اَمْ جَعَلُوْا۔ یہاں پھر استفہام انکاری کے لہجہ میں تنبیہ وتوبیخ ہے اور ضمنی طور پر مسئلہ خلق کی وضاحت ہے کہ کیا انہوں نے ایسے شریک بنا رکھے ہیں جنہوں نے مخلوق پیدا کی جس طرح کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا پس حقیقی خدا اور ان کے درمیان ان کے لئے فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے ؟ پس ان کو واضح طور پر واشگاف الفاظ میں ببانگ دہل اعلان کر کے کہہ دو کہ ہر علوی وسفلی خشک وتر نوری وخاکی جاندار وبے جان ذوی العقل وبے عقل بری وبحری اور ارضی وسماوی غرضیکہ جس کو شئی کہا جاتا ہے ان کا خالق صرف اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی بھی کسی شئی کا خالق نہیں ہے۔ نہ اس کو آلات کی ضرورت نہ اسباب کی حاجت اور نہ معاون ومددگار کی خواہش ہے وہ ہر شئی پر قاہر وغالب ہے نہ وہ مادہ وطبیعت کا محتاج ہے اور نہ ہیولےٰ وصورت کی اس کو حاجت ہے۔ پس وہ جس طرح چاہے جب چاہے جس کے

جانے سے بعد یعقوب پر بھی بیٹے کا سجدہ تعظیمی ضروری تھا۔ بلکہ روایات تو بتلاتی ہیں کہ حضرت یعقوب جب کنعان کو چھوڑ
کر مصر پہنچے اور یوسف استقبال کے لئے تشریف لے گئے چونکہ باپ کی خاطر گھوڑے سے نہ اُترے اس لئے خداوند کریم

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

ہے پیدا کرنے والا ہر شی کا اور وہ ایک اکیلا ہر پر قہار ہے اس نے نازل کیا آسمان سے

مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا

پانی پس جاری ہوئیں وادیاں اپنے اپنے اندازہ سے تو اٹھایا سیلاب نے ابھری ہوئی جھاگ کو اور جس پر ایندھن

وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ

ڈالتے ہیں آگ میں زیور یا برتن ڈھالنے کی خاطر اسی سے بھی جھاگ ابھرتی ہے

متعلق چاہے ارادہ کرتا ہے اور شی ویسے ہو جاتی ہے جس طرح وہ چاہتا ہے۔

علامہ طبرسی اعلی اللہ مقامہ مجمع البیان میں فرماتے ہیں۔ اِنَّ اَکْثَرَ اَصْحَابِنَا لَا یُطْلِقُوْنَ عَلٰی غَیْرِہٖ سُبْحَانَہٗ اِنَّہٗ یَخْلُقُ اَصْلًا۔ الخ۔ تحقیق ہمارے اکثر علماء غیر اللہ کے لئے اس لفظ کا اطلاق بھی جائز نہیں جانتے کہ وہ خلق کرتا ہے آگے چل کر فرماتے ہیں وَمَعْنَی الْخَلْقِ عِنْدَھُمُ الْاِخْتِرَاعُ وَلَا یَقْدِرُ الْعِبَادُ عَلَیْہِ۔ کیوں کہ خلق کا معنی ان کے نزدیک ہے ایجاد کرنا اور اس چیز پر بندے قدرت نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ صرف اللہ کا کام ہے۔

یہ آیت مفوضہ اور غالی قسم کے لوگوں کے لئے تنبیہ و سرزنش ہے جو محمد و آل محمدؐ کو خالق مانتے ہیں اور اس بارے میں بے ہودہ رکیک اور کمزور استشہادات بھی پیش کرتے ہیں جن کا مبنیٰ آیات متشابہات یا ضعیف روایات کو قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ آیات محکمات واحادیث متواترہ میں صریح و واضح طور پر تخلیق کا حصر اللہ جل شانہ کی ذات میں کیا گیا ہے جس طرح کہ اس مقام پر آیت کا صاف و صریح منطوق ہے۔ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ اے محمدؐ کہہ دو کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام نے ان لوگوں سے برأت کا اظہار فرمایا ہے۔ بلکہ ان پر لعنت بھیجی ہے جو ان کو خالق کہیں آج کل کی مسموم فضا میں جب کہ جبہ و عمامہ میں ملبوس غداران مذہب، دامن توحید کو تار تار کرنے کے درپے ہیں اور انتہائی ڈھٹائی و بے حیائی سے برسر منبر توحید کو للکار کر کہتے ہیں کہ خدا نے محمد و آل محمدؐ کو پیدا کیا اور باقی انہوں نے سب کچھ پیدا کیا اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہوئے ذرہ بھر نہیں شرماتے حالانکہ وہ اس قسم کے دعویٰ سے بالکل بری الذمہ تھے وہ اللہ کے عبادت گذار اور اس کی عظمت کے سامنے سجدہ ریز تھے وہ خود بھی اس کی عبدیت کو اپنے لئے مایۂ فخر سمجھتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی عبدیت کا پیغام پہنچاتے تھے۔ ہم نے لمعۃ الانوار میں اس مسئلہ کی کافی وضاحت کی ہے۔ مذہب کے غدار غلط کار مولویوں کی چرب لسانی نے عوام کے اذہان میں مذہبی عقائد کی داغ بیل ایسے غلط طریقہ سے رکھی ہے

زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۭ فَاَمَّا

اسی طرح ایسے ہی خدا بیان کرتا ہے حق و باطل کی مثالیں پس لیکن

الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاۗءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي

جھاگ تو ہو جاتی ہے باطل لیکن وہ جو نفع دیتی ہے لوگوں کو تو وہ ٹھہر جاتی ہے زمین

الْاَرْضِ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ

میں اسی طرح بیان کرتا ہے خدا مثالیں ان لوگوں کے لئے جو بات مانتے ہیں

کہ اب جو وہ قرآن کو سنتے ہیں تو ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ جاتے ہیں کہ ہمیں کیا سنایا گیا اور قرآن کیا کہتا ہے۔ چنانچہ بعض سادہ لوح فریب خوردہ لوگ اپنے عقائد کی تصحیح کی بجائے قرآن کی صحت کا انکار کرنے لگتے ہیں جس طرح خود فریب کار مولوی اپنے عقائد کی اصلاح کی بجائے قرآنی آیات کی تاویل کر لیتے ہیں چنانچہ شہر جھنگ کے ایک معزز جناب شیر افضل جعفری کہنے لگے میں نے ایک اچھے خاصے سمجھدار شیعہ سے قرآن کی تعلیم کے ترک پر اظہار افسوس کیا تو وہ کہنے لگا جعفری صاحب قرآن کو ہم کس لئے پڑھیں وہ تو ہمارے مذہب کے مخالف ہے اور خدا کی قسم ہنسنے کا نہیں بلکہ رونے کا مقام ہے کہ جس مذہب کا تمسک قرآن و اہلبیت کے ساتھ ہے اس مذہب کے افراد عقائد کی درستی کی بجائے قرآن کو اپنے غلط عقائد کے خلاف پا کر اس سے دستبرداری کا اظہار کریں خدا کی قسم اس کی تمام تر ذمہ داری اُن جیب تراش ملاؤں پر عائد ہوتی ہے جو اپنے لقمہ تر کی خاطر جذبات کی رو میں قرآنی تعلیمات کے خلاف زہر اُگل کر عقائد مذہب کا ستیا ناس کرتے ہیں۔

اَنۡزَلَ[۱۲۲] - اس مقام پر خداوند کریم نے حق و باطل کی وضاحت کے لئے دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی مثال یہ کہ جس طرح خدا آسمان سے پانی نازل کرتا ہے تو نہریں اپنی اپنی حیثیت سے پانی کو اپنے دامن میں لے کر بہتی ہیں اور پانی کا بہتا ہوا دھارا جھاگ کو اپنے اُوپر اُبھارتا چلا جاتا ہے اسی طرح خدا نے اسلام کو بھیجا۔ پس جس کے دل و دماغ میں صلاحیت اچھی تھی تو وہ معرفت و ایقان کی منازل اچھی طرح طے کر کے آگے بڑھا اور جس کا ظرف کمزور تھا اس نے تھوڑی معرفت حاصل کی۔ بہرکیف ہر ایک نے اپنی وسعت کے مطابق اس کو قبول کیا۔ یا یہ کہ خدا نے قرآن کو اُتارا تو لوگوں نے اپنے اپنے ظرفوں کی حیثیت سے اس کے مطالب نکالے کیا اور اسی نسبت سے شک و وہم جھاگ اور خس و خاشاک کی طرح اُوپر بہتا ہوا چلا گیا۔

وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ[۱۲۳] - ضمیر غائب کا مرجع ما ہے اور یہ خبر مقدم ہے اور اس کا مبتدا موخر ہے۔ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ - اور یہ موصوف و صفت ہیں اِيْقَاد کا معنی جلانے کے لئے لکڑیاں ڈالنا اور ترجمہ یہ ہے کہ وہ دھاتیں

الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ

اپنے رب کی نیک جزا ہے اور جو لوگ نہیں مانتے اس کی تو اگر ان کے لئے زمین کی تمام چیزیں

جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ

ملکیت میں ہوں اور اتنا اور بھی ساتھ مل جائے تو سب کو اپنے عذاب کا فدیہ دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ ایسے

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع

لوگوں کا حساب سخت ہوگا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بری جائے قیام ہے

سونا چاندی وغیرہ جن پر لکڑیاں ڈالتے ہو پگھلانے کے لئے آگ میں زیور یا گھریلو سامان برتن وغیرہ بنانے کے لئے ان پر بھی پانی کی طرح جھاگ یعنی ردی مادہ اُبھر آتا ہے۔ اِبْتِغَآءُ مصدر ہے لیکن اسم فاعل مبتغین کے معنی میں یُوْقِدُوْنَ سے حال واقع ہے اور یہ دوسری مثال ہے کہ حق قرآن اور اسلام کو سونے سے تشبیہ دی گئی ہے اور آگ پر پگھلانے کے بعد اُوپر اُبھرنے والے ردی مادہ کو شکوک و شبہات سے تشبیہ دی گئی ہے۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ[۲۳] - پس جس طرح پانی کے اوپر کی جھاگ اور دھاتوں سے الگ ہونے والے ردی مواد نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور نفع مند چیزیں زمین میں یا کٹھالی میں ٹھہر جاتی ہیں اسی طرح حق قرآن اور اسلام مومنوں کے دلوں میں ٹھہر جاتے ہیں اور شکوک و شبہات کی جھاگ اور میل کچیل ختم اور نیست و نابود ہو جاتی ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں قتادہ سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے اس مقام پہ ایک ضرب المثل میں تین مثالیں جمع فرمائی ہیں (۱) نزول قرآن کو آسمان سے نازل ہونے والے پانی سے تشبیہ دی ہے اور دلوں کو وادیوں اور نہروں سے مشابہ قرار دیا۔ پس جو اس کے معانی میں تفکر و تدبر زیادہ کرے وہ معرفت و ایقان کی دولت اپنے اندر زیادہ جمع کر لیتا ہے۔ جس طرح بڑی نہر کے اندر زیادہ پانی جگہ لیتا ہے اور جو شخص حق کی اجمالی تصدیق پر راضی ہو کر بیٹھ جائے۔ اور تحقیق و تدقیق کی قوت کو آگے بڑھنے کے لئے استعمال نہ کرے تو اس کی مثال چھوٹی نہر کی ہے جس کے اندر تھوڑا پانی سماتا ہے (۲) خیالات فاسدہ اور وساوس شیطانیہ کو پانی کے اُوپر آجانے والی جھاگ سے تشبیہ دی ہے اور یہ جھاگ مٹی کے خبیث اور ردّی مادہ کی بدولت ہوتی ہے نہ کہ پانی اس کو اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اسی طرح قرآن کے نزول سے جو دل اور نفس میں شکوک و شبہات اور وساوس پیدا ہوتے ہیں وہ نفوس انسانیہ اور قلوب بشریہ کی وجہ سے ہوتے ہیں نہ کہ قرآن وحق میں ان کا وجود ہوتا ہے۔ پس جس طرح پانی کے اوپر آنے والی جھاگ ایک وقت کے بعد ختم اور باطل ہو جاتی ہے اور پانی صاف و شفاف رہ جاتا ہے اسی طرح یہ شکوک و شبہات بھی باطل ہو جاتے ہیں اور دل میں حق اور ایمان خالص رہ جاتا ہے۔

أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ

کیا وہ جو جانتا ہے کہ تیرے اوپر جو اتری ہے تیرے رب کی جانب سے حق ہے مثل اس کے ہو سکتا ہے جو اندھا

أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ يُوفُونَ

ہو پس صاحبان عقل ہی نصیحت لیتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کیے

بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا

ہوئے وعدوں کی وفا کرتے ہیں اور نہیں توڑتے عہد کو اور وہ جو ملاتے ہیں اس کو جس کے ملانے

(۲۱) حق کو سونے یا چاندی سے تشبیہ دی ہے جس سے زیور یا برتن بنتے ہیں۔ پس آگ میں ڈالنے سے پانی کی جھاگ کی طرح اس سے بھی خبیث اور ردی مادہ خارج ہو جاتا ہے۔ پس کفر اس ردی مادہ سے مشابہ ہے اور ایمان وحق جوہر خالص سے مشابہ ہے۔ جو دلوں میں گھر کر لیتا ہے۔

گویا مومن کے صاف دل پر جب قرآن اترتا ہے تو وہ جگہ بنا لیتا ہے اور فائدہ دیتا ہے جس طرح پانی زمین کو آباد کرتا ہے اور کافر کے خبیث قلب پر قرآن کی وجہ سے شکوک ابھرتے ہیں جس طرح پانی پر جھاگ ہوتی ہے۔ پس جس طرح جھاگ غیر مفید ہے اسی طرح کافر کے لئے شکوک وشبہات غیر مفید ہیں اور بروایت احتجاج طبرسی حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ کفار وملحدین کے اعتراضات جھاگ کی طرح ہیں جو تحقیق کی طاقت سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں جس طرح پانی کی جھاگ کو ہوا مٹا دیتی ہے اور قرآن وحق قلوب صافیہ میں معرفت وعرفان کی پیداوار بڑھاتے ہیں جس طرح پانی زمین کو آبادی کا موقع دیتا ہے۔

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا [۲۲] بعض مفسرین اس کو جملہ مستانفہ مانتے ہیں اور بعض اس کو پہلی آیت سے متصل قرار دیتے ہیں کیونکہ اس جگہ بھی مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں ان کے لئے جنت ہے۔ جس طرح سابق مثال میں خالص پانی اور خالص سونا فائدہ مند ہوتا ہے اور جو لوگ اللہ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو بروز محشر ان پر جو عذاب آئے گا اگر وہ پوری روئے زمین کے مالک ہو جائیں اور اسی قدر اور ملکیت بھی ان کے پاس ہو تو عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب کی سب فدیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں گے لیکن اس وقت یہ چارہ جوئی فائدہ مند نہ ہو گی اور ان کو جہنم کی بھٹی میں دھکیل دیا جائے گا جس طرح سابق مثال میں جھاگ اور مادہ فاسد کوئی فائدہ نہیں دیا کرتا۔

رکوع ۹

أَفَمَن يَعْلَمُ۔ مقصد یہ ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کی تاویل یہ منقول ہے کہ علیؑ اور اس کا غیر برابر نہیں پس تا قیامت مومن ومنافق برابر نہیں۔ مسلم وکافر

أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ

کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور ڈرتے ہیں سخت

سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ

حساب سے اور جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضامندی کے لئے اور

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ

قائم کیا نماز کو اور خرچ کیا اُس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا چھپ کر اور ظاہر اور دور کرتے ہیں

برابر نہیں۔ اور تفسیر برہان میں اولوالالباب سے شیعان علی مراد لئے گئے ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک گھنٹہ کا تفکر ایک سال کی عبادت سے افضل ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ اولوالالباب ہی تفکر کرتے ہیں۔

وفائے عہد اور صلہ رحمی

اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ[۱۱۵]۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ خدا نے اپنے بندوں سے دو طرح کے عہد لئے ہیں۔ ایک عہد عقلی اور دوسرا عہد شرعی۔ پس عہد عقلی یہ ہے کہ خدا نے چونکہ عقل کو رسول باطنی قرار دیا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے محسن و خالق و مالک کی ہر طرح اطاعت کر کے اس کی خوشنودی حاصل کی جائے اور عہد شرعی یہ ہے کہ نبی بھیج کر اتمام حجت ہو چکا ہے اور تمام ایمان والوں سے نبی نے اپنی اطاعت کا عہد لیا ہے کہ اس کے اوامر کی اتباع کریں گے۔ اور اس کے نواہی سے اجتناب کرینگے اور اس آیت مجیدہ کی تاویل آل محمدؐ کے حق میں ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں معصوم سے مروی ہے کہ عہد سے مراد وہ عہد ہے جو عالم ذر میں حضرت امیر علیہ السلام کی ولایت کے متعلق کیا گیا تھا۔ پس اللہ نے عالم ذر میں عہد لیا تھا اور جناب رسالت مآبؐ نے غدیر کے دن اسی عہد کی تجدید کی تھی اور اس عہد کو نہ توڑنے کی تاکید کی گئی۔ چنانچہ بعد میں میثاق کا تکرار بھی تاکید کے لئے ہے۔ حالانکہ ضمیر غائب سے مقصد پورا ہو سکتا تھا۔

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ[۱۱۵]۔ یعنی وہ صلہ رحمی کرتے ہیں جہاں اللہ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور اہل بیت اطہار سے روایات متواترہ منقول ہیں کہ اس مقام پر آل محمدؐ کی صلہ رحمی مقصود ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ خبردار! یہ نہ سمجھو کہ آل محمدؐ کو صلہ رحمی کے بعد اپنی قرابت سے صلہ رحمی کی ضرورت نہیں بلکہ آل محمدؐ سے بھی صلہ رحمی کرو اور اپنی قرابت سے بھی قطع رحمی نہ کرو۔ نیز قرابت داروں کے علاوہ تمام مومنین کو ایک دوسرے سے صلہ رحمی کرنا چاہیئے تاکہ ایک دوسرے کے دُکھ سکھ میں ہمدردی اور مواسات کو ضروری قرار دیں۔

تفسیر مجمع البیان اور دیگر کتب حدیث و تفسیر میں مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بوقت وفات ستر دینار کی تھیلی حسن بن حسین بن علی بن حسین کی طرف بھیجی یہ آپ کا چچازاد تھا افطس کے لقب سے مشہور تھا۔ ایک

بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنَّاتُ

نیکی کے ذریعہ سے برائی کو ان کا انجام جنت کا گھر ہوگا ہمیشہ کے

عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ

باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے نیک بزرگ اور ان کے ازواج

وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ

اور اولاد اور فرشتے ان پر داخل ہوں گے ہر دروازہ سے

کنیز نے عرض کی کہ حضور وہ تو آپ کو اچھا نہیں سمجھتا پس آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر اس کو خاموش کر دیا بروایت سماعہ آپ نے فرمایا۔ زکوٰۃ کے علاوہ صلہ رحمی بھی انسان کے مال میں فرض و واجب ہے اور جس شخص نے اپنے فرائض ادا کر دیئے۔ اس کا حق ادا ہو گیا (برہان) نیز آپ سے مروی ہے کہ صلہ رحمی مال کو بڑھاتی ہے اعمال کا تزکیہ کرتی ہے حسابِ قیامت کو آسان کرتی ہے۔ مصیبت کو دُور کرتی ہے اور عمر کو بڑھاتی ہے۔ ایک روایت میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے والدین سے نیکی کرنا اور صلہ رحمی کرنا حسابِ آخرت کی منزل کو آسان کریں گے۔

سُوْٓءَ الْحِسَابِ[۱۲۶]۔ اس کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) حساب میں باریکی کرنا اور ذرّہ ذرّہ کا حساب لینا۔ اور اس کا ترجمہ ہم نے سخت حساب کیا ہے اور آئمہ کیطرف سے مومنوں کو سخت حساب سے باہمی معاملات میں منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان و مجمع البیان میں ہے ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک آدمی کی شکایت کی۔ چنانچہ اتفاق سے وہ بھی اُسی وقت آن پہنچا پس آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ شخص تیرا شکوہ کر رہا ہے اُس نے جواب میں عرض کی حضور! میں نے اس پر زیادتی کوئی نہیں کی بلکہ اپنا لین دین کا حساب اس سے لیا ہے البتہ حساب میں کسی چیز سے درگذر نہیں کیا گیا بلکہ میں نے کوڑی کوڑی کا حساب لیا ہے یہ سنتے ہی امام عالی مقام کا چہرہ غصہ سے تلملا اٹھا سیدھے ہو بیٹھے اور ارشاد فرمایا کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو نے کوڑی کوڑی کا حساب لے کر کوئی بُرا نہیں کیا۔ خداوند کریم اسی کو قرآن مجید میں سوء الحساب سے تعبیر فرما رہا ہے۔ پس جس نے اپنے مومن بھائی سے اس طرح حساب لیا گویا اس نے اس کے ساتھ بُرا کیا۔ پس مومن کے ساتھ مومن کا سلوک یہ ہونا چاہیئے کہ اپنے حق سے کچھ نہ کچھ تسامح اور درگذر کرلے تو بہتر ہے تاکہ سخت حساب کی بجائے نرم حساب کا پہلو ہو جائے۔

(۲) کافروں سے سُوءُ الحساب یہ بھی ہوگا کہ ان کی نیکیاں قابل جزا نہ ہوں گی اور بُرائی کوئی بھی معاف نہ ہوگی۔

بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

(یہ کہتے ہوئے) کہ تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر کیا ہے پس ان کا

عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾

جنت کا گھر بہترین انجام ہو گا

۱۲۵ ممکن ہے بُرے حساب سے مُراد بُرا ٹھکانہ ہو گویا مجاز مرسل کے طریقہ سے جزا کو حساب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا[۱۲۶] یعنی اپنے اُوپر آنے والے مصائب میں صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور جن جن چیزوں سے خدا نے منع فرمایا تو صبر و ضبط سے کام لے کر اپنے نفس کو حلال پر صابر و شاکر رکھا نیز جن چیزوں کا خدا نے حکم دیا ان کی بجا آوری میں صبر و استقلال اور ثبات قدمی کا مظاہرہ کیا اور یہ سب کچھ رضائے پروردگار کی خاطر کیا کوئی دوسری غرض ملحوظ خاطر نہ تھی۔ یہ یاد رہے کہ نیت خیر سے کار خیر قابل تعریف ہوتا ہے ورنہ اگر نیت فاسدہ سے کار خیر سرزد ہو تو وہ لائق مذمت و نفرین بن جاتا ہے۔ مثلاً ایک فقیر و مسکین لاوارث عورت پر نیت خیر سے قربۃً الی اللہ خرچ کرنا موجب ثواب ہے لیکن اسی کار خیر میں اگر نیت یہ ہو کہ وہ زنا میں میرا ساتھ دے گی تو ایسی صورت میں اس کا یہ خرچ کرنا قابل مذمت و باعث گناہ ہو گا۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہم صابر ہیں لیکن ہمارے شیعہ زیادہ صابر ہیں کیونکہ ہم نے صبر کیا اپنے علم کے ماتحت اور ہمارے شیعہ جو صبر کرتے ہیں وہ صرف ہماری اطاعت کیلئے ہے حالانکہ ان کو اس کا علم نہیں ہوتا۔

اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک مصیبت پر صبر کرنا اور یہ صبر حسن اور جمیل ہے یعنی اچھا ہے لیکن اس سے زیادہ اچھا ہے وہ صبر جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے عمل میں لایا جائے۔ اسی طرح ذکر بھی دو قسم کے ہیں ایک مصیبت کے وقت اللہ کا ذکر اور اس سے افضل ہے حرام چیز سے بچنے کے لئے اللہ کو یاد کرنا۔

ایک حدیث میں حضرت امیر علیہ السلام جناب رسالتمآبؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا صبر کی تین قسمیں ہیں (۱) صبر مصیبت پر (۲) صبر اطاعت پر (۳) صبر گناہ سے۔ پس جو مصیبت پر صبر کرے اور دل میں سکون پیدا کرے تو اس کو تین سو درجہ کی بلندی نصیب ہو گی کہ ہر دو درجہ کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہو گا اور جو اطاعت پر صبر کرے اس کو چھ سو درجے عطا ہوں گے کہ دو درجوں کے درمیان تحت الثریٰ سے عرش علا تک کا فاصلہ ہو گا اور جو گناہ سے صبر کرے گا اس کو نو سو درجے عطا ہوں گے کہ دو درجوں کے درمیان کا فاصلہ

اتنا ہو گا جو امکان کی آخری حد ہے۔
ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر مومن اپنی مصیبت پر صبر کرے تو اس کے لئے ایک ہزار شہید کا ثواب ہو گا۔
آپ سے مروی ہے قبر میں نماز مومن کے دائیں زکوٰۃ بائیں اور نیکی واحسان اوپر سایہ فگن ہو گی تو صبر ایک گوشہ میں ہو گا جب فرشتے سوال وجواب کے لئے آئیں گے تو صبر کہے گا اے نماز زکوٰۃ اور مومن کی نیکیاں تم جواب دو جہاں تم عاجز آؤ گے تو میں کافی ہوں گا۔ اسی بناء پر تو ہے کہ جب فرشتے مومنوں کو جنت کی مبارکباد کے لئے آئیں گے تو کہیں گے تم پر سلامتی ہے کہ تم نے صبر کیا تھا۔ پس اس کا انجام یہ ہے کہ اب بہترین گھر میں تم آباد ہو۔
وَيَدْرَءُونَ[۱۳۶]۔ اس کے تین معانی کئے گئے (۱) اگر انسان سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو ساتھ ساتھ کوئی نیکی کر دے تاکہ وہ اس برائی کے انجام بد کے لئے سد راہ ہو جائے (۲) مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی برا سلوک کرے تو اس کی برائی کا بدلہ اپنی جانب سے حسن سلوک کے ساتھ کرے گویا اس کے شر کو اپنی خیر سے دُور کرے (۳) گناہ کے بعد توبہ کرکے اس کی عقوبت سے محفوظ رہے اور اس مقام پر یہ سب معانی مراد لئے جا سکتے ہیں۔
اُولٰٓئِكَ۔ یعنی وہ لوگ جن میں یہ اوصاف پائے جائیں جو ابھی شمار کئے جا چکے ہیں (۱) عہد خداوندی کی وفا کرنا (۲) صلہ رحمی کرنا (۳) خوفِ خدا (۴) خوف یوم الحساب (۵) گناہوں سے صبر کرنا اور عبادت پر ثابت رہنا اور مصائب پر صابر رہنا (۶) نماز قائم کرنا (۷) راہ خدا میں خرچ کرنا (۸) برائی کو نیکی کرکے مٹانا یا توبہ کرنا۔ انہی اوصاف والے لوگ قرآنی اصطلاح میں اولوالالباب یعنی دانشمند شمار ہوتے ہیں۔
وَمَنْ صَلَحَ[۱۳۷]۔ یعنی خدا جنت میں مومن کے کمال سرور کے لئے اس کے نیک ومومن والدین اور بیوی بچوں کو یکجا کر دے گا تاکہ ان کے سب ارمان پورے ہو جائیں۔
اَزْوَاجِهِمْ[۱۳۸]۔ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ سے سوال کیا گیا کہ عورت ومرد جب دونو مومن ہوں تو کیا جنت میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے آپ نے فرمایا خدا حاکم عادل ہے اگر مرد کا درجہ بلند ہو گا تو اس کو اختیار دیا جائے گا اگر وہ چاہے گا تو وہ عورت اس کو عطا کی جائے گی لیکن اگر عورت کا درجہ بلند ہو گا تو عورت کو اختیار دیا جائے گا پس وہ چاہے گی تو وہ مرد اس کو ملے گا اور بروایت خصال حضرت اُم سلمہ سے مروی ہے اُس نے حضور رسالت مآبؐ سے دریافت کیا کہ جس عورت کے دو شوہر ہوں۔ اگر عورت اور اس کے دونو شوہر اہل جنت سے ہوں تو پھر وہ عورت کس شوہر کے پاس جائے گی تو آپؐ نے فرمایا عورت کو اختیار دیا جاتے گا پس وہ ان دونو میں سے اس کو اختیار کرے گی جو اخلاق میں اچھا ہو گا۔ اے اُم سلمہ! حسن خلق دنیا وآخرت کی خیر وخوبی حاصل کر لیتا ہے۔

مِنْ کُلِّ بَابٍ[۱۲۷] - بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ نے ایک طویل حدیث میں ایک جنتی مومن کی خوشحالی بیان فرمائی کہ پھر خدا ایک ہزار فرشتے کو مومن کی مبارکبادی کے لئے بھیجے گا۔ جو اُسے جنت کی مبارک دیں گے اور حور جنت سے اس کی شادی رچائیں گے۔ چنانچہ وہ فرشتے جنت کے پہلے دروازہ پہنچ کر دربان فرشتے سے مومن کی ملاقات کی درخواست کریں گے کہ ہمارے لئے اللہ کے دوست سے اجازت طلب کرو کیونکہ ہم کو خدا نے تہنیت و مبارکباد کے لئے بھیجا ہے وہ کہے گا کہ میں ابھی سنتری فرشتے کو خبردار کرتا ہوں تاکہ تمہاری اطلاع اندر مومن تک پہنچائے۔ اس دربان فرشتے سے سنتری فرشتے تک تین جنتوں کا فاصلہ ہے پس اگلے دروازہ پر جاکر یہ اس کو خبر دے گا کہ اللہ کی جانب سے ایک ہزار فرشتے مبارکباد کے لئے پہلے دروازہ سے باہر داخلہ کی اجازت چاہتا ہے تو وہ سنتری اگلے دروازہ کے چوکیدار کو اطلاع دے گا کہ اس سنتری اور اس چوکیدار کے درمیان دو جنتوں کا فاصلہ ہے۔ پس چوکیدار اس مومن کے مخصوص رہائش گاہ کے دروازہ کے ملازمین کو اطلاع دے گا کہ اللہ کی جانب سے ایک ہزار فرشتے اللہ کے دوست کو مبارکباد کے لئے دروازہ پر اجازت کے خواہاں ہیں۔ پس وہ ملازمین مومن سے اجازت لے کر باہر اطلاع بھیجیں گے اس وقت وہ ایک عالیشان محل میں ہوگا جس کے ہزار دروازے ہوں گے۔ اور ہر دروازہ پر ایک مخصوص ملازم فرشتہ تعینات ہوگا۔ پس تہنیت کرنے والوں کو اجازت ملے گی تو یہ فرشتے محل کے سب دروازے کھول کر کھڑے ہوں گے اور وہ فرشتے ایک ایک ہو کر ایک ایک دروازہ سے گذر کے مومن کے پاس پروردگار کی جانب سے پیغام و سلام پہنچائیں گے اور مبارکباد پیش کریں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ فرشتے ہر دروازہ سے داخل ہو کر سلام کہیں گے کہ یہ تیرا انعام اس لئے ہے کہ تو نے صبر کیا اور یہ جنت کا گھر تیرا اچھا انجام ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ[ص۱۳۱] - ویسے تو ہر عہدِ خداوندی کو توڑنے والے اور قطع رحمی کرنے والے اور فساد بپا کرنے والے آیت مجیدہ کے ہر دور میں مصداق بنتے رہے اور بنتے رہیں گے۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیات تاقیامت زندہ ہیں اور ان کے مصادیق تاقیامت پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن اس آیت مجیدہ کے مصداق اولی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو اس کے رسول کے سامنے تجدید عہد کرنے کے بعد دنیاوی و ظاہری فانی اقتدار کی خاطر توڑ دیا۔ اور اسلام میں فساد کی تخم ریزی کر کے ہمیشہ کے لئے اختلاف و انتشار کا سامان مہیا کیا اور یہ عہد ایک ایک سے تنہا نہیں تھا اور کسی بند مکان میں نہیں تھا بلکہ ایک لاکھ بیس ہزار حاجیوں کے مجمع میں غدیر کے کھلے میدان میں تھا اور صرف علی کی خلافت کا عہد زبانی نہیں تھا بلکہ عملی طور پر بیعت بھی ہوئی اور بخ بخ کی صدائیں بھی فضائے آسمانی میں ایک وقت تک گونجتی رہیں۔ لیکن خدا کی قسم دل لرزتا ہے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہاتھ کانپتے ہیں آنکھیں فرطِ غم سے ڈبڈبا جاتی ہیں اور قلم تھراتا ہے کیسے لکھوں اور کیا لکھوں کہ غدیر میں عہد کرنے والی زبانیں کیونکر انحراف پر مائل ہوئیں۔ بخ بخ کا کلمہ کیوں کر فراموش ہوا اور

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ

اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ کے عہد کو بعد پکا کرنے کے اور توڑتے ہیں جس

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ

کا حکم دیا ہے اللہ نے ملانے کا اور فساد کرتے ہیں زمین میں ایسے لوگوں

لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے بُرا گھر (جہنم) ہے اللہ کھلا دیتا ہے رزق جسے چاہے

يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور تنگ دیتا ہے (جسے چاہے)، خوش ہو گئے (کشادہ رزق والے) دنیاوی زندگی پر حالانکہ دنیاوی زندگی

بیعت کرنے والے ہاتھ کیسے بیعت لینے کے لئے بڑھے۔ اس داستانِ غم کو بیان کرنے سے زبان پر مہر سکوت ہی بھلی ہے بس جو ہوا جس طرح ہوا اور جس لئے ہوا اوراقِ تاریخ میں اس دھاندلی کا غبار اب تک موجود ہے وہ آتشِ حسد جس کا دھواں کبھی علی و بتول کے دروازہ سے اٹھا اور کبھی مخدراتِ آلِ محمدؐ کے خیموں میں شعلوں کی شکل اختیار کر گیا اس کا دبایا ہوا خاکستر اب تک اموی تاریخ ساز تحریرات کی سیاہیوں میں موجود ہے جو کبھی کبھار چنگاریوں کی شکل میں اُبھر کر مشتعل ہونے کی کوشش کرتا ہے ہم نے عہد غدیر اور ولی عہدیٔ امیر اور اس کا ردِّ عمل تفسیر کی پانچویں جلد میں مفصل بیان کیا ہے۔

رکوع نمبر ۱۰

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ [۳۱] ۔ کافر لوگ بہانے بنانے کے لئے کہا کرتے تھے کہ آپ پر ہمارا تجویز کردہ معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا حالانکہ وہ بیسیوں معجزے آپ سے ملاحظہ کر چکے تھے اور خود یہی قرآن بھی کُلاًّ و جزواً معجزہ ہے جس کا مقابلہ کرنا کسی انسان کے مقدر میں نہیں ہے لیکن یہ لوگ ازراہ عناد خواہ مخواہ آپ کو ستانے اور مسلمانوں کو دکھ دینے کے لئے جاہلانہ دستور کو دہراتے ہوئے کہہ دیا کرتے تھے کہ کوئی معجزہ دکھاؤ۔ چونکہ ان کا سوال صرف معاندانہ تھا۔ اس لئے اس کے جواب سے اعراض کیا گیا اور ارشاد فرمایا کہ ہدایت اور گمراہی کے دو نوں راستے تمہارے سامنے ہیں جو جس طرف کو جانا چاہے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ آیت مجیدہ میں ہدایت اور گمراہی کی اللہ کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ قبول کرنے اور نہ کرنے کی بنیادی طاقتیں اس کی عطا کردہ ہیں۔ اگرچہ وہ قبول کرنے یا نہ کرنے میں خود مختار ہیں اور تفسیر کی دوسری جلد میں ہم وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ اس کی ترکیب دو طرح سے ہو سکتی ہے۔

فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ○ ع وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا

آخرت کے مقابلہ میں عارضی فائدہ ہے — اور کافر کہتے ہیں کیوں نہیں نازل کیا گیا اس پر معجزہ

اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

اپنے رب کی طرف سے کہہ دو تحقیق اللہ گمراہی میں رکھتا ہے جسے چاہے اور ہدایت پر

اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿٢٧﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ

لاتا ہے ان کو رجوع کریں — وہ جو ایمان لائیں اور مطمئن ہوں ان کے دل

بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿٢٨﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ساتھ ذکر اللہ کے — آگاہ ہو اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں — وہ لوگ جو ایمان لائیں

(۱) محلاً منصوب ہے مَنْ اَنَابَ سے بدل ہے اور یَھْدِیْ کا مفعول ہے یعنی ہدایت کرتا ہے ان کو جو رجوع کریں یعنی جو ایمان لائیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے ساکن و مطمئن ہوں۔

(۲) محلاً مرفوع ہے کیونکہ مبتدا مبدل منہ ہے اور بعد والا اَلَّذِیْنَ۔ اس سے بدل ہے پس طُوْبٰی لَھُمْ اس کی خبر ہے اور اس صورت میں اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ الخ جملہ معترضہ ہے۔

بِذِكْرِ اللّٰهِ۔ اس مقام پر ذکر سے مراد یاد کرنا اور دل میں اس کے انعامات و اکرامات کا تصور کرنا ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں فرماتا ہے کہ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں اور دوسرے مقام پر مومنوں کی تعریف میں فرماتا ہے اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ یعنی جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے دل دہل جائیں اور کانپ اٹھیں تو کیا یہ دونوں آیتوں کے مفہوم میں منافات نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونو مقامات پر مفہوم الگ الگ ہے کیونکہ اس جگہ مقصد یہ ہے کہ جب مومن اللہ کی نعمتیں کرامتیں اور بے پایاں احسانات دیکھتا ہے تو طبیعت میں اطمینان و سکون پیدا ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر مقصد یہ ہے کہ مومن جب اللہ کا رعب و جلال اور اس کی ہیبت و سطوت کی طرف نظر اٹھاتا ہے تو اس کا دل کانپ اٹھتا ہے اور مومن ہوتا ہی وہی ہے جس کا ایمان خوف اور رجا کے درمیان ہو۔ پس دونو آیتوں میں کوئی باہمی منافات نہیں ہے۔

تفسیر صافی و برہان میں عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ اللہ کے ذکر اور حجاب ہیں اور ان کے ساتھ ایمان والے مطمئن ہیں اور روایات اہل بیت میں ہے کہ آیت مجیدہ میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ سے مراد شیعہ ہیں اور ذکر

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ

اور عمل صالح کریں تو ان کے لئے طوبیٰ ہے اور اچھی بازگشت ہے اسی طرح ہم

اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا

نے تجھے بھیجا ایک اُمّت میں کہ تحقیق گذر چکیں اس سے پہلے اور اُمتیں تاکہ تو تلاوت کرے

سے مراد علی اور اس کی اولاد آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں اور قرآن مجید میں ایک مقام پر ذِکْرًا رَّسُوْلًا کی لفظ بھی ان روایات کی تائید کرتی ہے گویا آیت مجیدہ کا ظاہر وہ تھا جو پہلے بیان کیا گیا ہے اور باطن اور تاویل یہ ہے کہ تا قیام قیامت محمد و آل محمد کے بعد دیگرے اللہ کا ذکر ہیں جو تمسک پکڑنے والوں کے لئے باعث سکون و اطمینان ہیں۔

طُوْبٰى لَهُمْ۔ طُوبیٰ کے متعدد معانی کئے گئے ہیں اور سب کا مآل یہ ہے کہ اس کا انعام جنت ہوگا۔ روایات اہلبیت میں ہے کہ طُوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی اصل حضرت امیر علیہ السلام کے گھر میں ہے اور ہر شیعہ کے گھر میں اس کی شاخ پہنچے گی اور اس کے ایک ایک پتہ کے نیچے ایک پوری امت سما سکے گی۔ مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ اپنی دختر نیک اختر کو بہت پیار کرتے تھے چنانچہ عائشہ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے عائشہ شب معراج جب میں جنت میں داخل ہوا تو مجھے جبریلؑ طوبیٰ کے قریب لے گیا اور اس کا پھل مجھے دیا جو میں نے کھایا اور وہ میری پشت میں جوہر تخلیق بنا۔ پس زمین پر پہنچ کر میں خدیجہ سے ہمبستر ہوا تو وہ جوہر خدیجہ کے شکم میں منتقل ہوا اور جناب فاطمہ پیدا ہوئی۔ پس جب بھی میں فاطمہ کو پیار کرتا ہوں تو شجرہ طوبیٰ کی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر پرندہ سات سو برس پرواز کرتا رہے اس کی اصل کے گرد گھوم نہ سکے گا اور ہر جنتی کے گھر میں اس کی شاخ ہوگی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اس شخص کے لئے طوبیٰ ہے جس نے ہمارے غائب کے زمانہ میں ہماری ولاء سے تمسک پکڑا اور اُس پر ثابت قدم رہا۔

بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ دین والوں کی کئی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ سچ بولنا۔ امانت کا ادا کرنا۔ عہد کی وفا کرنا۔ صلہ رحمی کرنا۔ کمزوروں پر رحم کرنا۔ عورتوں کی بات کم ماننا۔ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا۔ خوش خلقی۔ حلم و حوصلہ۔ علم کی اتباع کرنا اور ہر وہ کام کرنا جو اللہ سے قرب کا باعث ہو ان کے لئے طوبیٰ ہوگا اور طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی اصل نبی علیہ السلام کے گھر میں ہے اور ہر مومن کے گھر میں اس کی ایک شاخ ہے۔ پس مومن جس چیز کی خواہش کرے گا طوبیٰ کی شاخ پر وہ موجود ہو جائے گی۔ اگر تیز رفتار سوار اس کے سائے میں ایک سو سال تک دوڑے تو اس سے باہر نہ جا سکے گا اور اگر کوئی بلند پرواز طائر اس کے نیچے سے اُوپر کی طرف پرواز کرے تو اس کی بلندی تک عمر بھر نہ پہنچ

سکے گا۔ بے شک اللہ کی اس نعمت میں رغبت کرو کیونکہ مومن وہ ہے جس کو اپنا ہی خیال ہو اور دوسرے لوگ اس کی طرف سے راحت میں ہوں۔ پس رات کو مُصلے بچھا کر عبادت پروردگار میں مصروف رہے اور اپنی گردن کی آتش جہنم سے آزادی کا پروردگار سے سوال کرتا رہے۔ پس تم اسی طرح ہو جاؤ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب دو مومن آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت سے پتے گرتے ہیں۔ جب ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں تو فرشتے ان کو خیر کی دُعا کرتے ہیں۔ اور جب دو مومن ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں تو ان کو منادی ندا کرتا ہے کہ تمہارے لیے طوبیٰ ہے۔ اور جب ایک دُوسرے سے جُدا ہوتے ہیں تو دو فرشتے ان کو بشارت دیتے ہیں کہ اے اللہ کے دوستو جنت تمہارے لیے ہے۔

مروی ہے کہ حضورؐ سے طوبیٰ کے متعلق پُوچھا گیا تو فرمایا اس کی اصل میرے گھر میں اور شاخیں جنتیوں کے گھروں میں ہوں گی۔ پھر جب دوبارہ سوال کیا گیا تو فرمایا اس کی اصل علی کے گھر میں اور شاخیں مومنوں کے گھروں میں ہوں گی پس کسی نے دریافت کیا کہ حضورؐ یہ کس طرح ؟ تو آپؐ نے فرمایا تعجب نہ کرو کیونکہ میرا اور علی کا گھر جنت میں ایک جگہ ہوگا اور مروی ہے کہ اس کا پھل جہاں سے توڑا جائے گا اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل موجود ہو جائے گا۔ پس وہ جگہ خالی نہ رہے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص تین مومنوں کو کھانا کھلاتے خداوند کریم اس کو تین جنتوں سے کھانا کھلائے گا۔ ایک فردوس، دوسرے جنّت عدن اور تیسرا طوبیٰ۔

تفسیر برہان میں بروایت موفق بن احمد بلال سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت رسالت مآبؐ ہمارے پاس تشریف لائے کہ ان کا چہرہ مبارک خوشی سے چودھویں کے چاند کی طرح منوّر تھا۔ پس عبدالرحمٰن بن عوف نے دریافت کیا کہ حضورؐ! آپ کی پیشانی میں یہ چمک اور نور کیسا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے اپنے چچا زاد بھائی علی کے متعلق خوشخبری دی ہے کہ اُس نے اس کی شادی میری دختر نیک اختر فاطمہ کے ساتھ کر دی ہے۔ اور خازن جنت رضوان نے بحکم پروردگار طوبیٰ کو حرکت دی تو اس پر اس قدر رقعے پیدا ہو گئے جس قدر تا قیامت میری اہلبیت کے محب ہوں گے اور خداوند کریم نے اس کے نیچے نورانی فرشتے پیدا کیے اور ہر فرشتے کو ایک ایک رقعہ سپرد کر دیا جب قیامت کے روز تمام انسان محشور ہوں گے تو وہ فرشتے ایک ایک رقعہ ہر محب اہل بیت کو دے گا اور وہ جہنم سے برأت نامہ اور جنت کا ٹکٹ ہوگا۔ پس میرے بھائی علی اور میری بیٹی فاطمہ کی وجہ سے میری اُمت کے بہت سے زن و مرد جہنّم سے نجات پائیں گے۔

شانِ نزول | لِتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ۔ آیت نمبر ۳۰ کے متعلق کہتے ہیں کہ صُلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ

عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ

ان پر اس کی جو ہم نے تجھ پر وحی کی درحالیکہ وہ کفر کرتے ہیں رحمٰن کا کہہ دو

هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

وہی میرا رب ہے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اسی پر میں نے توکل کی اور اسی کی طرف میرا پلٹنا ہے

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ

اور اگر تحقیق کوئی قرآن ہو کر چلائے جائیں اس کے ساتھ پہاڑ یا شگافتہ کی جائے زمین

اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ

یا بلوائے جائیں اس سے مردے (تو وہ یہی ہے)، بلکہ سارا معاملہ اللہ کے قبضہ میں ہے کیا نہیں جانتے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا

وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو سب کو ہدایت کر دے اور ہمیشہ

حضورؐ نے علیؓ سے فرمایا لکھو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو سہیل بن عمرو نے کہا ہم رحمان کو نہیں جانتے آپ لکھیں باسمک اللّٰھُمَّ۔ اور یہی زمانہ جاہلیت کا دستور تھا۔ پھر آپ نے فرمایا لکھو ھٰذَا مَا صَالِحَ عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ تو فوراً مشرکین کہنے لگے اگر ہم آپ کو رسول اللہ سمجھیں تو آپؐ سے لڑیں کیوں؟ صاف اپنا نام محمد بن عبداللہ لکھوایئے۔ بعض جوشیلے صحابہ نے جنگ کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا وہی کچھ لکھو جو یہ لکھواتے ہیں۔ پس یہ اتری اور آیت نمبر ۳۱ کا شانِ نزول یہ ہے کہ چند مشرکین کعبہ کے پیچھے بیٹھے تھے پس ایک آدمی بھیج کر انہوں نے رسول اللہ کو اپنے پاس بلایا چنانچہ آپ چلے گئے تو عبداللہ بن امیہ نامی ایک مشرک کہنے لگا اگر آپ چاہتے ہیں کہ تیری تابعداری کریں تو قرآن پڑھ کر مکّہ کے پہاڑوں کو دُور ہٹا دو تاکہ شہری آبادی کے لیے جگہ کشادہ ہو جائے کیوں کہ اب زمین تنگ ہے نیز قرآن کے ذریعے سے زمین کو شگافتہ کر کے چشمے اور نہریں پیدا کر دیجئے تاکہ ہماری زمین آباد ہو کیونکہ اپنے قول کے مطابق آپ کا درجہ داؤد نبی سے کم نہیں ہے اور ہوا کو ہمارے لیے مسخر کر دیجئے تاکہ سامان خورد و نوش لانے کے لئے شام تک بخوبی آمد و رفت کر سکیں کیونکہ اپنے قول کے مطابق آپ کا درجہ سلیمان پیغمبر سے کم نہیں ہے اور ہمارے سامنے اپنے بزرگ قصیّ و دیگر اسلاف کو

يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ

سے کافروں کو پہنچتا رہتا ہے بوجہ اپنے کئے کے کوئی عذاب یا

قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ

اترتا ہے ان کے گھروں کے قریب یہاں تک کہ آجائے وعدہ اللہ کا تحقیق اللہ نہیں وعدہ خلافی

الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ

کرتا اور تحقیق مسخری کی گئی رسولوں سے تجھ سے پہلے تو میں نے ڈھیل دے

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

دی کافروں کو پھر ان کو پکڑ لیا تو کس طرح تھا میرا عذاب ؟

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ

کیا وہ ذات جو نگران ہے ہر نفس پر وہ جو کمائے (اس کی طرح کوئی دوسرا ہوسکتا ہے) انہوں نے

شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ

بنالئے اللہ کے شریک کہہ دو کہ ان کے نام تو بتاؤ کیا خبر دیتے ہو اس کو ایسی بات کی کہ وہ نہیں جانتا زمین میں

کو زندہ کیجئے تاکہ ان لوگوں سے ہم پوچھ لیں کہ آپ سچ فرماتے ہیں یا نہیں۔ پس ہماری تسلی ہو جائے گی کیونکہ حضرت عیسیٰؑ مردوں کو جلایا کرتے تھے اور آپ بقول خود حضرت عیسےٰ سے کم مرتبہ نہیں رکھتے۔ پس یہ آیت کریمہ اُتری۔

اَفَلَمْ يَايْئَسِ ۳۱ - یہاں یاس علم کے معنی میں ہے یعنی مومنوں کو علم ہے کہ اگر خدا چاہے تو جبراً سب لوگوں کو ایمان پر لائے۔ لیکن یہ اس کی مشیت کے خلاف ہے۔

وَلَا يَزَالُ - یعنی کافروں پر کوئی نہ کوئی عذاب آیا رہتا ہے۔ پس وہ اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے یہاں تک کہ فتح مکہ کے وعدہ کا وقت بھی آجائے گا اور خدا اپنے وعدہ کو جھوٹا نہیں کرتا۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے۔ ایک سائل کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ جناب رسالت مآبؐ تمام نبیوں سے اعلم تھے۔ حضرت سلیمان بن داؤد ہُدہُد پر ناراض ہوئے تھے جبکہ وہ غائب تھا کیونکہ ہوا میں پرواز کے وقت وہ پانی کی نشاندہی کرتا تھا اور پرندہ کو خدا نے وہ علم دیا جو سلیمانؑ کو

اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ

یا محمل باتیں کرتے ہو بلکہ زینت دی گئی ہے کافروں کے لئے ان کی فریب کاری اور روکا انہوں نے اللہ کی راہ سے

صُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

لوگوں کو۔ اور جس کو اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا

لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ

ان کے لئے عذاب ہے زندگی دنیا میں اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے

وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ

اور نہیں کوئی اس کو اللہ سے بچانے والا مثال اس باغ کی جس کا وعدہ متقیوں سے کیا

الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ

گیا ہے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ان کے پھل ہمیشگی ہیں اور سایہ بھی

تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ

یہ انجام ہے ان کا جو تقوی کریں اور انجام کافروں کا دوزخ ہے اور جن کو

نہ دیا کیونکہ وہ ہوا کے علاوہ جن وانس پر حکومت کے باوجود پانی کی تلاش میں پرندہ کا محتاج تھا اور رسول خدا کو قرآن دیا جس کے متعلق فرماتا ہے کہ اس کے ذریعے سے پہاڑ چلائے جاسکتے ہیں۔ زمینوں کے فاصلے طے کیے جاسکتے ہیں اور مردے بھی زندہ ہوسکتے ہیں اور سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ ہم ہی وہ ہیں جن کو خدا نے چُن لیا اور ہم ہی اس کتاب کے وارث ہیں۔

رکوع نمبر ۱۱

قُلْ سَمُّوْهُمْ ص ۱۳۶ ۔ یعنی کیا تم ان کو خالق ورزاق کا نام دے سکتے ہو؟ جن کی عبادت کرتے ہو۔ بِمَا لَا يَعْلَمُ۔ خدا کو تم اُس کے شریک کی خبر دیتے ہو جس کو وہ نہیں جانتا یعنی ہے ہی نہیں اگر ہوتا تو وہ جانتا۔

اَمْ بِظَاهِرٍ۔ یعنی ظاہری بوگس اور مہمل باتیں کرتے ہو۔ جن کا واقع میں کوئی معنی نہیں ہے۔
مَثَلُ الْجَنَّةِ۔ مَثَل کا معنی شبہ ہوتا ہے لیکن یہاں اس کا معنی ہے صورت یا تعریف۔ یعنی جنت کی

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ

ہم نے کتاب دی ہے خوش ہوتے ہیں اس سے جو کچھ تم پر نازل ہوا اور ان فرقوں میں سے کئی

مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ

لوگ انکار کرتے ہیں بعض کا کہہ دو کہ بس میں تو مامور ہوں کہ عبادت کروں اللہ کی اور نہ اس کا شریک

بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا

بناؤں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف پلٹنا ہے اور اسی طرح ہم نے اس کو اتارا حکم

عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ

عربی اور اگر تم اتباع کرو ان کی خواہش کی بعد اس کے کہ تجھے علم ہو چکا ہے

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا

تو نہ ہوگا تیرا اللہ سے کوئی مددگار اور نہ بچانے والا اور تحقیق ہم نے تجھ سے

مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ

پہلے رسول بھیجے اور ان کے لئے ہم نے ازواج کا انتظام کیا اور اولاد کا اور نہیں جائز رسول کے لئے کہ

صورت یا اس کی تعریف یہ ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مثل کا لفظ یہاں زائد ہے اور تحسین کلام کے لئے بڑھایا گیا ہے۔

اُکُلُھَا۔ یعنی اس کے پھلوں کی جگہ خالی نہ رہے گی۔ جب ایک پھل توڑا جائے گا تو اس کی جگہ دوسرا موجود ہو جائے گا اور بعضوں نے دوام کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ اس کا ذائقہ منہ سے زائل نہ ہوگا اسی طرح اس کا سایہ دائمی ہوگا گویا جنت کی نعمتوں میں کمی یا انقطاع و بدمزگی قطعاً نہ ہوگی۔

اِتَّقَوْا۔ تقویٰ کا کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ واجبات کو ترک نہ کیا جائے اور حرام کا ارتکاب نہ کیا جائے پھر اس کے اوپر درجہ بدرجہ مراتب ہیں اور حضرت علیؑ سب متقیوں کا امام ہے۔

النَّارُ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے جس کو ستر دفعہ بجھایا گیا اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی آدمی اس کی گرمی کو برداشت نہ کرسکتا اور جب بروز

اَنۡ یَّاۡتِیَ بِاٰیَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ ﴿۳۸﴾ یَمۡحُوا
معجزہ دکھائے مگر خدا کے اذن سے کیونکہ ہر کام کے لئے ایک فیصلہ شدہ وقت ہے اللہ مٹاتا

اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ ۚۖ وَ عِنۡدَہٗۤ اُمُّ الۡکِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَ اِنۡ
ہے جسے چاہے اور ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے اور یا

مَّا نُرِیَنَّکَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُہُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِنَّمَا
تجھے دکھائیں گے بعض وہ جس کا ان سے وعدہ کرتے ہیں یا تجھے (اس سے قبل) موت دیدیں گے

عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ وَ عَلَیۡنَا الۡحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا
پس سوائے اس کے نہیں کہ تیرے اوپر پہنچانا ہے اور ہم پر حساب لینا ہے کیا یہ دیکھتے نہیں کہ

محشر اس کو دوزخ کی آگ پر رکھا جائے گا تو یہ دنیا وی آگ فریاد کرے گی کہ اس کی فریاد کو سن کر ملک مقرب اور نبی مرسل بھی گھبرا جائیں گے۔

وَالَّذِیۡنَ[۱۳۷]۔ یعنی وہ اہل کتاب جو ایمان لا چکے ہیں قرآن کے نازل ہونے پر خوش ہوتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ۔

وَمِنَ الۡاَحۡزَابِ[۱۳۸]۔ یعنی اسلام لانے والوں کے علاوہ باقی اہل کتاب اور جملہ مشرکین قرآن کے بعض احکام کا انکار کرتے ہیں جو ان کے مزاجوں اور رواجوں کے خلاف ہوں۔ مروی ہے کہ رحمٰن کا ذکر تورات میں بہت زیادہ ہے اور قرآن میں چونکہ کم تھا اس لئے اسلام لانے والے یہودیوں کو بھی یہ بات کھٹکتی تھی پس یہ آیت اتری قُلِ ادۡعُوا اللّٰہَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ۔ یعنی اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو دونو جائز ہیں تو اسلام لانے والے خوش ہو گئے لیکن مشرکین کو یہ بات بالخصوص ناگوار گذری اور ان کو احزاب اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے مل جل کر رسولِ خدا کے خلاف ایک حزب قائم کی تھی یعنی منظم متحدہ محاذ قائم کیا تھا۔

وَکَذٰلِکَ۔ یعنی جس طرح سابق انبیاء پر ہم نے کتابیں اتاریں اسی طرح ہم نے تجھ پر بھی حکمت کی کتاب عربی یہاں اتاری۔ یہاں مراد حکمت ہے اور حکم سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس میں حلال وحرام کے احکام موجود ہیں۔

رکوع نمبر ۱۲

اَزۡوَاجًا[۱۳۹] لوگوں نے رسولؐ پر کثرت ازواج کا اعتراض کیا کہ اگر حامل نبوت ہوتا تو فرائض نبوت کی انجام دہی اور اس کی ذمہ داری اس کو شادیوں سے غافل کر دیتی۔ تو خدا نے ان کو اس کا جواب دیا ہے کہ شادی کرنا، یا کثرت ازواج فرائض نبوت کی بجا آوری کے منافی نہیں۔ کیونکہ سابق انبیاء کی ازواج بھی تھیں۔

اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ
ہم زمین کی اطراف کو کم کرتے ہیں اور اللہ

یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾
حکم کرتا ہے کہ اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ
اور تحقیق فریب کیا ان لوگوں نے جو پہلے تھے پس اللہ کے پاس سب

جَمِیْعًا ؕ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَیَعْلَمُ
تجویزیں ہیں وہ جانتا ہے جو کماتا ہے ہر نفس اور عنقریب جان لیں گے

اور ان کی اولادیں بھی تھیں۔ مثلاً حضرت سلیمانؑ نبی کے گھر تین سو بیویاں اور سات سو کنیزیں تھیں اور حضرت داؤدؑ پیغمبر کے گھر میں ایک سو بیویاں تھیں۔ لہٰذا یہ بات قابل اعتراض نہیں ہے۔

مَا كَانَ[۱۳۹] یعنی معجزہ کا دکھانا نبی کا اختیاری معاملہ نہیں ہے کہ جب چاہے اس کو ظاہر کردے بلکہ یہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے اور ہر کام کے لئے ایک وقت معیّن ہے بعض مفسّرین کا کہنا ہے کہ آخری فقرے کا معنی معکوس ہے یعنی لِكُلِّ كِتَابٍ اَجَلٌ یعنی توراۃ زبور انجیل اور قرآن مجید میں سے ہر ایک کے لئے اللہ کے نزدیک ایک وقت مقرر تھا۔

محو و اثبات۔ یَمْحُوا اللّٰهُ[۱۳۹] محو و اثبات کے کئی معانی کئے گئے ہیں (۱) احکام کا محو و اثبات مراد ہے۔ جیسے منسوخ و ناسخ کہا جاتا ہے (۲) کراماً کاتبین کی تحریرات میں سے ان کو مٹایا جاتا ہے جو مباحات ہوں اور باقی کو برقرار رکھا جاتا ہے (۳) اپنے فضل و کرم سے قابل بخشش مومنوں کے گناہ بخشتا ہے اور قابل سزا لوگوں کے گناہ برائے عقوبت اپنے عدل کے ماتحت باقی رکھتا ہے (۴) ہر شے کے متعلق ہے مثلاً رزق و عمر وغیرہ جسے چاہے بڑھا دے جسے چاہے کم کردے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ہونے والے امور و واقعات کے علوم کے متعلق اللہ کے پاس دو دفتر ہیں ایک کتاب محو و اثبات۔ اور دوسری ام الکتاب۔ پہلی کو لوح محو و اثبات اور دوسری کو لوح محفوظ بھی کہا گیا ہے۔ پہلی کتاب کی رُو سے محو و اثبات جاری ہے مثلاً خداوند کریم نے عمر و رزق و بیماری و تندرستی وغیرہ بمع اس کی مدت و اجل کے لکھ دی ہے لیکن ان کا کم و بیش ہونا یعنی محو و اثبات بھی بعض اعمال کے لحاظ سے مقدر کر دیا کہ فلاں شخص فلاں

الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ

کافر لوگ کہ انجام کار اچھا گھر کس کا ہے اور کہتے ہیں وہ جو کافر

كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا

ہیں کہ تو رسول نہیں ہے کہہ دو کہ کافی ہے اللہ گواہ میرے

بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

اور تمہارے درمیان اور وہ جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے

عمل خیر کرے گا تو اس کا رزق یا عمر اتنا بڑھا دیا جائے گا۔ اگر عمل بد کرے گا تو اس قدر کمی کی جائے گی اسی بنا پر تو اس قسم کی دعایں آئمہ سے منقول ہیں کہ اے اللہ اگر میرا نام اشقیاء کے دفتر میں ہے تو اسے نیکوں کی فہرست میں کردے اور جس طرح محو واثبات جاری ہے اسی طرح تقدیم وتاخیر بھی جاری ہے اور اس کا علم بھی اللہ سبحانہ کے پاس ہے اور دعاؤں سے تقدیروں کے بدل جانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ کتاب محو واثبات میں جو مقدر ہے وہ بدل سکتا ہے اور اسی کا علم انبیاء اور اولیاء کو دیا جاتا ہے۔

چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اگر قرآن مجید میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں قیامت تک کے ہونے والے واقعات بتا دیتا۔ میں نے پوچھا حضور! وہ کونسی آیت ہے تو آپ نے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ الخ پڑھی۔

اسی طرح بروایت کافی وعیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ علم دو قسم کے ہیں ایک علم مخزون جو اللہ کے پاس ہے اور اس نے مخلوق میں سے کسی کو اس پر مطلع نہیں فرمایا اور دوسرا علم وہ ہے جو اس نے ملائکہ اور انبیاء کو تعلیم کیا ہے اور اسی سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جو علم اُس کے پاس ہے وہ جس کو چاہے مقدم یا مؤخر کرے اور جسے چاہے محو کرے یا ثابت رکھے۔ اور مقدر بدل جانے کے بعد جو صورت حال ہوتی ہے اس کو اصطلاح جعفریہ میں بدا سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس مسئلہ کی وضاحت تفسیر کی پانچویں جلد ص۱۹۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

محو واثبات اور تقدیم وتاخیر کے بعد جو نتائج ہوتے ہیں ان کا اندراج ام الکتاب میں ہے جس کا علم سوائے پروردگار کے کسی کے پاس نہیں مگر وہ جسے جتنا چاہے دے دے۔ پس کتاب محو واثبات میں جو مقدار رزق یا مقدار عمر وغیرہ درج ہے وہ غیر محتوم ہیں جو دعاؤں یا صدقات وخیرات سے زیادہ ہو سکتی ہے یا بداعمالیوں سے کم بھی ہو سکتی ہیں اور جو ام الکتاب میں مرقوم ہیں ان میں کمی یا بیشی اور تقدیم وتاخیر کا کوئی امکان نہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ بعض چیزیں کتاب محو واثبات

میں بھی ہوں اور بعینہٖ وہ اُمّ الکتاب میں بھی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کتاب محو و اثبات میں کچھ اور ہو۔ اور ام الکتاب میں اس سے اضافہ یا کمی موجود ہو۔

(۵) محو و اثبات کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ توبہ کے بعد گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ان کی بجائے نیکیوں کو بحال رکھتا ہے (۶) زمین کی آبادی کے لئے ایک قرن کو مٹایا دوسروں کو آباد کیا وعلیٰ ہذا القیاس۔

وَ اِمَّا نُرِیَنَّکَ ۔ یعنی مسلمانوں کے ساتھ جو فتوحات کے ہم نے وعدے کئے ہیں ان کی دو صورتیں ہیں یا وہ عین حیات تجھے دکھائیں گے یا تیری وفات کے بعد پورے ہوں گے لہذا ان کی انتظار نہ کیجئے۔ پس تیرا کام تبلیغ کرنا ہے اور حساب میرے ذمہ ہے کہ کفار کو اپنے کئے کا بدلہ دنیا میں دوں یا آخرت میں دوں۔

اَوَ لَمْ یَرَوْا ۔ زمین کی اطراف کو کم کرنے کے کئی وجوہ ذکر کئے گئے ہیں (۱) کفار کو تنبیہ ہے کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم زمین کی اطراف سے زمین پر بسنے والوں کو موت کے ذریعے سے کم کرتے رہتے ہیں ورنہ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو زمین پر انسانوں کی جگہ نہ ہو سکتی گویا جانے والے آنے والوں کے لئے جگہ خالی کر کے جاتے ہیں اور زمین خدا آباد رہتی ہے خداوند علام نے اپنی حکمت و صنعت کی طرف متوجہ فرما کر کفار کو دعوت فکر دی ہے۔ نیز اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ دوسروں کی موت کو دیکھ کر مطمئن نہ رہو کیونکہ ان کی طرح ایک دن تمہاری باری بھی آجائے گی۔ پس اپنے خالق کے پہچاننے میں سستی نہ کرو (۲) زمین کے اطراف کے کم کرنے کا مقصد علماء و فقہاء و صلحاء کی موت ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایک ایسی کمزوری پیدا ہوتی ہے جس کو کوئی شئی پُر نہیں کر سکتی (۳) یہ نہیں دیکھتے کہ ہم آباد زمین کو بنجر بنا دیتے ہیں پس آباد زمین کے اطراف کم ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اس کا اُلٹ ہو جاتا ہے۔

وَقَدْ مَکَرَ ۔ جناب رسالتمآبؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ ہمیشہ لوگ انبیاء سے فریب کاری کرتے رہے ہیں اور اللہ کو ان کی سب مکاریاں معلوم ہیں اور وہ قیامت کو حسب مصلحت اُن کو بدلہ دیگا۔

علم الکتاب علیؑ کے پاس ہے

کفیٰ باللّٰہ ۔ کافروں نے کہا کہ تو رسُول نہیں تو جناب رسالتمآبؐ کو حکم ہوا کہ کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ کا مصداق کون ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں (۱) اس سے مراد اللہ ہے (۲) اہل کتاب میں سے اسلام لانے والے مراد ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور سلمان فارسی وغیرہ (۳) حضرت علیؑ اور اس کی اولاد طاہرین علیہم السّلام مراد ہیں۔ پہلا قول باطل ہے کیونکہ اس کا اللہ پر عطف ہے اور قاعدہ کی رو سے معطوف علیہ الگ الگ دو ہونے چاہئیں۔ دوسرا قول بھی باطل ہے کیونکہ یہ سورہ سب کا سب مکیہ ہے اور اہل کتاب میں سے مُسلمان ہونے والے ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمان ہوئے لہذا ان کی شہادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس تیسرا قول حق ہے کہ اس کا مصداق حضرت علیؑ اور اس کی اولاد آئمہ طاہرینؑ

ہیں۔ اور کتب فریقین میں روایات بکثرت موجود ہیں کہ آیت مجیدہ میں مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰب۔ کا مصداق علی ہے۔
تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد ہم ہیں اور رسولؐ کے بعد اس کا پہلا مصداق حضرت علیؑ ہے جو ہم سے افضل اور اکمل ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے آپ نے اپنے سینے کی طرف ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم کتاب پوری کا علم ہمارے پاس ہے اور شعبی سے منقول ہے کہ رسول کے بعد قرآن کا پورا علم علی اور اس کی اولاد طاہرین کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے اُس نے کہا کہ اگر میں جانتا کہ کوئی شخص مجھ سے کتاب اللہ کا زیادہ عالم ہے تو میں اس کی شاگردی قبول کرتا پس فوراً کہنے والے نے علی کا نام لیا تو ابن مسعود نے کہا کہ میں نے اُس سے حاصل نہیں کیا؟ یعنی میں ان کی شاگردی قبول کر چکا ہوں اور ان سے حسب استعداد علم حاصل کر چکا ہوں۔ علامہ حلیؒ اعلی اللہ مقامہٗ نے آیت مجیدہ کو علی کی خلافت بلافصل کی دلیل قرار دیا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جب علی کا تمام امت سے اعلم ہونا ثابت ہو گیا تو اسے ہی رسول کا قائم مقام اور خلیفہ بلافصل ہونا چاہیئے۔

تفسیر صافی میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا ایک ہے۔ اَلَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ اور دوسرا ہے عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ۔ ان دونو میں کیا فرق ہے آپ نے فرمایا ان دونوں میں اتنا فرق ہے جتنا مچھر کے پَر پر آنے والے پانی اور سمندر کے پانی میں فرق ہے۔ پہلے کا علم (آصف بن برخیا کا علم) مچھر کے پَر والے پانی کے قطرہ کی طرح ہے اور (علی کا علم) ایک موجزن سمندر کی طرح ہے آپ نے فرمایا وہ علم ہمارے پاس ہے۔ ہم نے اپنی تصنیف کتاب لمعۃ الانوار میں حضرت علی کا مقامِ علم وضاحت سے بیان کیا ہے۔

سُورَۂ اِبراھیمؑ

اس میں دو آیتیں مقتولین بدر سے تعلق رکھتی ہیں باقی سورہ مکیہ ہے اسکی آیات کی تعداد بسم اللہ کے علاوہ باون ۵۲ ہے
جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے جس نے سورہ ابراہیم و سورہ حجر کی تلاوت کی اس کو بت پرستوں
اور موحّدوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ اجر عطا ہو گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص ہر جمعہ کو اپنی نماز کی دو رکعتوں میں سورہ
ابراہیم و سورہ حجر کو پڑھے گا فقر، دیوانگی اور اچانک مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

تفسیر برہان میں خواص القرآن سے مروی ہے کہ اس سورہ کو سفید پارچہ پر لکھ کر بچہ کو باندھی
جائے تو رونے سے، ڈرنے سے اور ام الصبیان سے محفوظ رہے گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ سفید پارچہ پر لکھ کر چھوٹے بچے کے بازو پر باندھی جائے تو وہ
رونے ڈرنے اور دیگر امراض سے محفوظ ہو گا نیز اس کا دودھ چھڑانا آسان ہو گا۔

تفسیر مجمع البیان میں ابوالدرداء سے منقول ہے جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا جب پسّو
مچھر اور کھٹمل وغیرہ تکلیف دیں تو ایک پیالہ میں پانی لو اور اس سورت کی آیت نمبر ۱۲ کو سات دفعہ
پڑھو اور اس کے بعد کہو فَاِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَكُفُّوْا شَرَّكُمْ وَاَذَاكُمْ عَنَّا۔
پس اس پانی کو اپنی خواب گاہ کے ارد گرد چھڑک دو تو رات کو ان کی ایذا رسانی سے محفوظ رہو گے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

(ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ

آلر یہ کتاب ہم نے تیری طرف اتاری تاکہ نکالے لوگوں کو (کفر کی) تاریکیوں سے طرف نور (ایمان)

اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝١

کے ان کے رب کے اذن سے (یعنی) طرف راستے (اللہ کے) جو عزیز و حمید ہے

اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ

وہ اللہ جس کے لئے ہے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور ویل ہے

لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝٢ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ

کافروں کے لئے سخت عذاب ہے جو پسند کرتے ہیں زندگیٔ دنیا کو آخرت کے مقابلہ

الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا

میں اور روکتے ہیں اللہ کے راستہ سے اور کجروی چاہتے ہیں

عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝٣ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ

ایسے لوگ بڑی گمراہی میں ہیں اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول

رکوع نمبر ۱۳

اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ۔ یہ نور سے بدل ہے یعنی وہ نور اللہ کا راستہ ہے جو عزیز و حمید ہے پس نبی لوگوں کو کفر کی تاریکی سے اللہ کے راستہ کی دعوت دیتا ہے۔ بعد میں لفظ اللہ ممکن ہے کہ حمید سے بدل ہو۔ اور ممکن ہے مبتدا ہو اور الذی اس کی خبر ہو پس بدل ہونے کی صورت میں مجرور پڑھا جائے گا اور مبتدا ہونے کی صورت میں مرفوع ہوگا۔

وَيَبْغُوْنَهَا۔ ضمیر مونث کا مرجع سبیل ہے۔ اور سبیل کا لفظ مذکر و مونث دونو طریقوں سے جائز ہوتا ہے یعنی وہ اللہ کے سیدھے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے ٹیڑھے راستے تلاش کرتے پھرتے ہیں یا یہ کہ وہ دنیا کو غلط اور ناجائز طریق سے حاصل کرتے ہیں ورنہ اگر حلال طریق سے حاصل کریں تو پھر ان کی یہ محبت آخرت کی محبت سے منافات نہیں رکھتی۔

اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

مگر اپنی قوم کی زبان سے تاکہ ان کو سمجھا سکے پس گمراہی میں چھوڑتا ہے اللہ جس کو چاہے اور ہدایت کرتا

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى

ہے جسے چاہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اور تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ کو

بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ

اپنی نشانیوں کیساتھ کہ نکالو اپنی قوم کو (کفر کی) تاریکیوں سے نور (ایمان) کی طرف اور ان کو یاد دلاؤ

بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤ وَ

اللہ کے ایام تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گذار کے لئے اور

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰكُمْ

جب موسیٰ نے کہا تھا اپنی قوم کو یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی کہ اس نے تم کو نجات دی

مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ

آل فرعون سے جو چکھاتے تھے تم کو سخت عذاب اور ذبح کرتے تھے تمہارے

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ

بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری لڑکیوں کو اور اس میں تم پر تمہارے رب کی

فَيُضِلُّ اللّٰهُ۔ اللہ کی طرف نسبت مجازاً ہے کیونکہ طاقتوں کے دینے والا وہی ہے۔

بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ۔ اس کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں (۱) ان کو وہ وقائع بتاؤ جو گذشتہ ایام میں سابقہ امتوں کے ساتھ گذرے (۲) ان کو اللہ کی نعمتوں کی یاددہانی کراؤ جو تمام ایام میں ان پر ہوئیں (۳) ان کو اللہ کا قانون بتاؤ جو نیکوں اور بدکاروں کے ساتھ برتا جاتا ہے (۴) تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت قائم آل محمدؐ کا زمانہ ہے۔

بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ بلا کا معنی احسان بھی ہے جس طرح تحت اللفظ ترجمہ کیا گیا ہے اور اس کا معنی آزمائش و مصیبت بھی ہوا کرتا ہے یعنی فرعونیوں کا تمہارے ساتھ یہ برتاؤ تم پر اللہ کی جانب سے سخت امتحان و آزمائش کا دور تھا تفسیر کی دوسری

رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٦﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

طرف سے بڑا احسان ہے اور جب تم کو اپنے رب نے خبر دی کہ اگر تم شکر کرو گے تو ہیں زیادہ دوں گا

وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ﴿٧﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ إِن

اور اگر تم نے کفر کیا تو میرا عذاب بھی سخت ہے اور فرمایا موسے نے اگر کفر کرو تم

تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ

اور تمام زمین والے تو تحقیق اللہ سب سے بے نیاز

حَمِيدٌ ﴿٨﴾ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ

لائق حمد ہے کیا تمہارے پاس نہیں پہنچی خبر ان کی جو تم سے پہلے تھے قوم نوح

وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ

عاد وثمود اور وہ لوگ جو ان کے بعد تھے جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا

جلد میں مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔

رکوع نمبر ۱۴ لَئِن شَكَرْتُمْ صہ۱۵۲ کتب تفاسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس شخص پر خدا کی نعمت ہو پس وہ اس کا دل سے اعتراف کرے اور زبان سے اس کی حمد کرے تو ابھی اس کی بات ختم نہیں ہوتی کہ خدا اس میں زیادتی کا فیصلہ کر دیتا ہے نیز آپ سے مروی ہے کہ چھوٹی یا بڑی نعمت پر الحمد للہ کہہ دے تو اس نے اسکا شکر ادا کر دیا اور بعض روایات میں شکر کا معنی ہے حرام سے بچنا۔ تفسیر برہان میں امالی شیخ سے بروایت ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک روز مسجد نبوی میں رسالت مآبؐ تشریف فرما تھے اور مہاجرین وانصار میں سے صحابہ کا جم غفیر موجود تھا بدری وشجری سب موجود تھے۔ خدا کی نعمات کا ذکر چلا تو آپؐ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ بتاؤ تم پر خدا کی پہلی نعمت کونسی ہے۔ پس سب نے جان ومال ورزق واولاد وازواج کو گننا شروع کر دیا۔ جب خاموش ہوئے تو آپ علی کی طرف متوجہ ہوئے کہ ساتھیوں کی باتیں سن چکے ہو اب تم بتاؤ اللہ کی پہلی نعمت کونسی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں کچھ نہ تھا اور اس نے وجود عطا فرمایا۔ آپ نے فرمایا پھر دوسری؟ آپ نے جواب دیا کہ اس نے مجھے زندگی بخشی۔ آپ نے فرمایا تیسری؟ علی نے جواب دیا اس نے مجھے اچھی شکل وصورت عطا کی۔ آپ نے فرمایا کہ چوتھی؟ علی نے جواب دیا اس نے مجھے فکر کرنیوالا

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ

ان کے پاس رسول آئے واضح دلیلیں لے کر تو انہوں نے (غصہ سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹا اور

وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا

کہنے لگے تحقیق ہم نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور تحقیق ہم کو شک ہے جس

تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۹﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ

کی طرف تم بلاتے ہو تو ان کو رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے

شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ

جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ وہ بخشے تمہارے گناہ

ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ

اور مہلت دیتا ہے ایک وقت مقررہ تک کہنے لگے تم تو ہماری طرح کے

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

انسان ہی ہو تم چاہتے ہو کہ روک دو ہمیں اس سے جس کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا

بنایا غافل نہیں بنایا۔ آپ نے فرمایا کہ پانچویں؟ اُس نے مجھے سوچنے کی قوتیں عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ چھٹی؟ اُس نے مجھے اپنے دین کی ہدایت کی کہ میں گمراہ نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ساتویں؟ تو علی نے جواب دیا کہ اُس نے میرے لئے بازگشت ایسی بنائی کہ وہاں فنا نہ ہوگی۔ پھر آٹھویں؟ اُس نے مجھے آزاد بنایا غلام نہیں بنایا۔ نویں؟ اُس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں میرے لئے پیدا کیں۔ دسویں؟ اُس نے مجھے مرد اور حاکم بنایا عورت نہیں بنایا آپ نے فرمایا۔ آگے چلو تو علی نے عرض کی حضورؐ! خدا کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں۔ پس آپؐ ہنس پڑے اور فرمایا تجھے یہ علم و حکمت مبارک ہو تو ہی تو میرے علم کا وارث اور امت کا معلم ہے جو تیری اتباع کرے گا وہ صراطِ مستقیم پر ہو گا اور جو تجھے چھوڑ دیگا وہ ذلیل ہو گا۔ (ملخصاً)

فَرَدُّوْٓا۔ اس کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں (۱) وہ جو تحت اللفظ موجود ہے (۲) ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ (۳) اپنے ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیئے تاکہ نہ بول سکیں (۴) ان کے اپنے ہاتھ پکڑ کر ان کے منہ پر رکھ دیئے۔

لَفِيْ شَكٍّ۔ یعنی تمہاری دعوت سے ہم کو شک ہے کہ شاید تم اپنے اقتدار کی خاطر ایسا کرتے ہو تو فرمایا واضح دلیلوں

فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٠﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا

تو کوئی واضح معجزہ لے کر آؤ کہا ان کو رسولوں نے ہم تمہاری طرح بشر ہی ہیں لیکن

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَمَا

خدا احسان کرتا ہے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے اور ہمارے

كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

بس میں نہیں کہ لائیں کوئی معجزہ مگر ساتھ اذن خدا کے اور اوپر اللہ کے ہی مومنوں کو

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا

توکل کرنی چاہیئے اور ہم کیوں نہ اللہ پر توکل کریں حالانکہ اس نے ہمیں ہدایت فرمائی راستے

سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

کی ہم صبر کریں گے اوپر اس کے جو تم ہم کو ستاؤ اور اللہ پر توکل کرنے والوں کو توکل کرنی

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿١٢﴾ ع وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ

چاہیئے اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو ہم تم کو ضرور نکال دیں گے

کے بعد اللہ میں شک کی کونسی گنجائش ہوسکتی ہے۔

اِنْ اَنْتُمْ۔ قرآن بتلاتا ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جو بشر نہ ہو اگرچہ رسول ان کو سمجھاتے رہے کہ تمہاری طرح ہم بشر ہیں لیکن ہم پر خدا کا احسان ہے کہ ہم کو اس نے رسول بنا کر بھیجا ہے لیکن وہ بضد رہے کہ جو رسول ہو بشر ہو ہی نہیں سکتا۔ آخر کار عذاب میں گرفتار ہوئے لیکن اپنی ضد کو نہ چھوڑا۔

رکوع نمبر ۱۵

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ ضـ ۱۵۔ چاہ کن را چاہ در پیش والی بات ہے جو دوسرے کے لئے کنواں کھودتا ہے۔ وہ خود اس میں گرتا ہے اسی طرح جو دوسرے کو برباد اور بے گھر کرنا چاہے وہ خود برباد اور بے گھر ہوتا ہے اور وہ مظلوم ہی ظالم کے گھر میں آباد ہوجاتا ہے چنانچہ اس قسم کے ہزاروں واقعات سنے اور دیکھے ہیں اور حدیث میں ہے وَمَنْ اٰذٰی جَارَہٗ وَرَثَہُ اللّٰہُ دَارَہٗ جو اپنے ہمسایہ کو تکلیف دے خدا اس ہمسایہ کو ہی اس کا وارث بنا دیتا ہے اور آیت مجیدہ اسی مطلب کی ترجمانی کر رہی ہے۔

مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ

اپنے شہر سے یا واپس آجاؤ ہمارے دین پر تو وحی کی ان پر ان کے رب نے کہ ہم ضرور

لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

ہلاک کریں گے ظالموں کو اور تم کو سکونت دیں گے زمین کی ان کے بعد

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَ خَافَ وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾ وَ اسْتَفْتَحُوْا

یہ اس کے لئے ہے جس کو حساب کا ڈر ہو اور میری گرفت سے خوف کرتا ہو اور انہوں نے فتح

وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآىٕهٖ جَهَنَّمُ وَ یُسْقٰی

طلب کی اور ناکام ہوا ہر متکبر شخص اس کے آگے جہنم ہے اور پلایا جائے گا

مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ﴿۱۶﴾ یَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ وَ یَاْتِیْهِ

اس کو پیپ بدبودار اس کے گھونٹ گھونٹ لے گا اور پی نہ سکے گا اور اس پر موت

الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَ مِنْ وَّرَآىٕهٖ عَذَابٌ

ہر طرف سے آئے گی اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے آگے اور سخت عذاب

مِنْ وَّرَآىٕهٖ۔ یہ لفظ لغات اضداد میں سے ہے آگے اور پیچھے دونو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

مَآءٍ صَدِیْدٍ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد زانیوں کی شرمگاہ کا غلیظ پانی اور جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جب یہ پانی ان کو دیا جائے گا تو وہ ناپسند کریں گے جب منہ سے لگائیں گے تو منہ جل جائے گا اور کھوپڑی اتر جائے گی جب پئے گا تو انتڑیاں ٹوٹ جائیں گی اور یہ دُبر کے راستے سے نکل جائے گا اور آپ نے فرمایا جو شخص شراب پئے چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور اسی حال میں مرے گا تو اس کو جہنم میں یہی پانی پلایا جائے گا۔

یَاْتِیْهِ الْمَوْتُ۔ یعنی ہر طرف سے عذاب اس کو گھیرے گا کہ دنیا میں اس کا معمولی حصہ بھی موت کا باعث بن جاتا لیکن وہاں وہ عذاب میں بتلا رہے گا اور موت نہ آئے گی کیونکہ موت عذاب میں تخفیف کا باعث ہو جاتی ہے

مَثَلُ الَّذِیْنَ۔ یعنی کفار کے اعمال بروز محشر قابل جزا نہ ہوں گے پس ان کے پاس سوائے حسرت کے اور کچھ نہ ہوگا۔

غَلِيظٌ ﴿١٧﴾ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ

ہوگا مثال ان کی جنہوں نے کفر کیا اپنے رب سے ان کے عمل مثل اس خاکستر کے ہیں

اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا

جس کو ہوا اڑا لے جائے تیز آندھی کے دن نہ نفع حاصل کرسکیں گے اپنے کمائے

عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿١٨﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ

سے کچھ بھی یہ محرومی بہت سخت ہے کیا تم دیکھتے نہیں تحقیق اللہ نے پیدا کیا

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ

آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اگر وہ چاہے تو تم کو ختم کردے اور نئی مخلوق کو

جَدِيدٍ ﴿١٩﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿٢٠﴾ وَبَرَزُوا لِلَّهِ

لے آئے اور نہیں یہ بات اللہ پر ناشدنی اور لوگ نکل آئیں گے اللہ

جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا

کے سامنے سب تو کہیں گے کمزور بڑے بڑوں کو تحقیق ہم تو تمہارے پیچھے چلتے تھے

بِالْحَقِّ۔ یعنی آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش عبث نہیں ہے بلکہ خدا نے اپنی مشیت اور حکمت سے ہی اس کو درست اور بجا خلق فرمایا ہے۔

دردِ دل

خداوند علیم وحکیم نے تقریباً ہر سورۂ قرآنی میں اکثر مقامات پر جہاں بھی اپنے وجود پر دلیل و برہان قائم فرمائی ہے اور اپنی عبادت کے لئے لوگوں کو دعوت دی ہے اپنا خالق ہونا ضرور بیان کیا ہے تاکہ لوگ مسئلہ خلق کو سمجھ کر دعوتِ توحید کو سمجھیں لیکن دورِ حاضر میں قوم شیعہ پر سخت ترین آزمائش کا مقام ہے کہ قومی و مذہبی منبر پر ایسے طالع آزما بدضمیر دین فروش اور مذہب کے اصول و فروع سے اعلانیہ بغاوت کرنے والے لوگ مسلط ہو چکے ہیں جن کے ہاتھ میں مذہب ایک کھلونے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور ان کی نگاہوں میں دین کا لباس صرف سادہ لوح انسانوں سے مفاد حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس سلسلہ میں بعض علماء سوء بھی شامل ہیں جنہوں نے منظم طور پر دین کی بنیاد کو کھوکھلا کرنے کا پروگرام مرتب کیا ہے اس سے قبل علمائے اعلام اس بات

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قَالُوْا

پس کیا تم بچاؤ گے ہمیں اللہ کے عذاب سے کچھ تو وہ کہیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں بچا لیا تو ہم بھی

لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ

تم کو بچالیں گے برابر ہے کہ ہم جزع فزع کریں یا صبر کریں ہمارا

صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۠ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا

چھٹکارا نہیں ہے اور ابلیس کہے گا جب فیصلہ ہو

قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ

جائے گا کہ تحقیق اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور

سے نالاں تھے کہ نااہل لوگوں نے گانے کو فضائل آل محمدؐ کے بہانے سے مذہبی و دینی رواج سمجھ رکھا ہے کہ ہر گلوکار منبر حسینی پر سوار ہو گیا اب جبہ پوش علماء سوء نے دین سے باغی کرنے کے لئے منبر حسینی کو آلہ کار بنا لیا ہے چنانچہ آیات قرآنیہ کی کھل کر مخالفت کی جاتی ہے اور حد یہ کہ خدا کی خالقیت اور رازقیت بلکہ اس کی جملہ صفات مخصوصہ کو چیلنج کیا جاتا ہے اور آل محمدؐ کو خدا کا شریک ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے بلکہ ببانگ دہل یہ فقرے کسے جاتے ہیں کہ خدا نے ان کو پیدا کیا اور انہوں نے سب مخلوق کو پیدا کیا حالانکہ آل محمدؐ خود ان مشرکانہ عقائد سے بری و بیزار ہیں اور ایسے عقائد والوں پر وہ لعنت کرتے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ علماء سوء کے خطابیات سے متاثر ہو کر گلوکار طبقہ نے بھی کھل کر توحید سے نبرد آزمائی کو اپنا محبوب مشغلہ بنا لیا ہے۔ غلط سلط روایات کو اساس مذہب قرار دیکر عوام کیلئے گمراہی کا سامان خوب فراہم کیا گیا ہے۔ اسی داستان کو قرآن دہرا رہا ہے کہ کمزور عوام اس قسم کے متکبرین علمائے سوء اور دیگر پیشوایان قوم اور صاحبان منبر حضرات سے خواہش کریں گے کہ ہم نے تمہارے پیچھے پڑ کر اپنے دین کا ستیاناس کیا تھا کیا اب تم ہم کو عذاب سے چھڑا سکتے ہو تو وہ کہیں گے کہ ہم خود مبتلائے عذاب ہیں تو تم کو کیسے چھڑائیں؟ آخر میں مایوس ہو کر کہیں گے کہ ہماری جزع فزع سے کچھ نہیں بنتا لہٰذا ہمارے لیے کوئی چھٹکارا نہیں ہے۔ بے شک دنیا میں علمائے اعلام اگر توحید پروردگار کا علم بلند کریں اور آئمہ طاہرین کے ارشادات کو پیش کریں تو دین سے باغی گروہ ان کو وہابی و دشمن اہل بیت کے بُرے القاب سے یاد کر کے عوام کو ان کے خلاف بھڑکا لیتا ہے اور اپنا دنیاوی مفاد حاصل کرنے میں اُسے کامیابی حاصل ہو جاتی ہے لیکن بارگاہِ پروردگار میں جب یہ معاملہ پیش ہو گا تو وہاں سوائے یاس و حسرت کے اور کچھ ان کے پاس نہ ہو گا۔

وَعَدْتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ

میں نے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا نہیں کیا اور میں نے تم کو زبردستی سے نہیں کہا تھا مگر یہ کہ میں نے

دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ ۖ مَا

صرف دعوت دی اور تم نے قبول کر لی پس مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے نفسوں کو ملامت کرو اب نہ

أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۖ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ

میں تمہاری فریاد سن سکتا ہوں اور نہ تم میری سن سکتے ہو میں تو انکاری ہوں اس کا جو تم نے مجھے شریک بنا لیا

مِنْ قَبْلُ ۗ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۲﴾ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ

اللہ کا اس سے پہلے تحقیق ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہوگا اور داخل کئے جائیں گے وہ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

جنہوں نے ایمان کے ساتھ نیک عمل کئے بہشت میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿۲۳﴾

وہ اللہ کے اذن سے اس میں ہمیشہ رہیں گے ان کا آپس میں تحیۃ سلام ہوگا

رکوع نمبر ۱۶

وَقَالَ الشَّيْطَانُ - تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ابلیس کو ستر طوق اور ستر جولانوں کے ساتھ محشور کیا جائے گا۔ لیکن ایک دوسرے شخص کو ایک سو بیس طوقوں اور جولانوں کے ساتھ لایا جائے گا۔ تو شیطان ازراہ حیرت پوچھے گا۔ یہ دوسرا میرا ثانی کون ہے تو کہا جائے گا یہ وہ ہے جس نے عملی پر بغاوت کی تھی شیطان کہے گا مجھے تو اس دن سے اس کی معرفت ہو گئی تھی جب مجھے کہا گیا تھا کہ میرے خالص بندوں پر تجھے دسترس حاصل نہ ہوگی۔ تو مجھے نے ان کی دشمنی کا بھار کیسے اٹھا لیا تو وہ کہے گا کہ تیرے کہنے سے میں نے یہ کام کیا تھا پس شیطان کہے گا اللہ نے جو وعدہ کیا تھا وہ ٹھیک تھا اور میرا وعدہ غلط ہے الخ۔ بیشک ہر وہ آدمی جو شیطان کی دعوت پر اللہ کے دین اور دین والوں سے دشمنی کرے گا تو شیطان بروز قیامت اس سے بیزار ہوگا اور یہ شخص خوار اور شرمسار ہوگا۔

شجرہ طیبہ اور شجرہ خبیثہ اَلَمْ تَرَ ص ۱۵۴ - ان آیتوں میں کلمہ طیبہ سے مراد کلمہ توحید و نبوت و ولایت ہے یعنی

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

کیا تم دیکھتے نہیں کس طرح بیان کی اللہ نے مثال کلمہ طیبہ (ایمان) کہ وہ مثل پاکیزہ درخت کے ہے

أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِي

جس کی اصل ثابت ہو اور اسکی شاخ آسمان میں ہو کہ دے وہ

أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ

اپنا پھل ہر وقت باذن پروردگار اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے لئے تاکہ

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٥﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ

وہ نصیحت حاصل کریں اور مثال کلمہ خبیثہ (کفر) کی مثل درخت خبیث کے ہے جو

اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ يُثَبِّتُ اللَّهُ

اکھاڑا جائے زمین کے اوپر سے جس کی کوئی جڑ نہ ہو اور ثابت کرتا ہے اللہ

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ

ایمان والوں کو ساتھ قول ثابت کے زندگی دنیا میں اور آخرت میں

وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿٢٧﴾ أَلَمْ تَرَ

اور راہ حق سے دور کرتا ہے ظالموں کو اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے کیا تم نے نہیں دیکھا

ایمان کی تعبیر ہے کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ سے مراد ہے۔ عقیدہ کفر۔ پس کلمہ طیبہ کی مثال عقول انسانیہ سے مطلب کو قریب تر کرنے کے لئے پاکیزہ درخت کو قرار دیا جیسے کھجور کا درخت مثلاً کہ اس کی جڑیں زمین میں ثابت ہوتی ہیں کہ تیز سے تیز آندھیاں اور طوفان اس کو گرا نہیں سکتے اور اس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں اور اذن پروردگار سے وہ چھ ماہ کے بعد پکتا ہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ ویسے تو حین کا معنی ہے وقت خواہ کوئی سا وقت ہو لیکن یہاں چھ ماہ کا عرصہ مراد ہے کیونکہ کھجور کا پھل چھ ماہ میں پکتا ہے اسی طرح ہر میوہ کے لئے اپنا اپنا وقت ہوا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ علامہ حلّی سے قواعد میں مذکور ہے اگر کوئی شخص نذر کرے کہ میں ایک حین تک روزہ رکھوں گا تو چھ ماہ کے

روزے اس پر واجب ہوں گے۔ اور اسی آیت مجیدہ کی ذیلی احادیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔ پس اسی طرح ایمان کی اصول مومن کے دل میں اس طرح ثابت ہوتی ہیں کہ کفر والحاد کی تیز سے تیز تر آندھیاں اور دین سے باغی عناصر اور علمار سُوء کی چکنی چپڑی باتیں غرضیکہ اہل باطل کے باطل پرور اور ایمان سوز نعرے اور ان کی بے انتہا دھاندلیوں اور بدتمیزیوں کے طوفان مومن کے دل میں جمے ہوئے اصُول عقائد کو متزلزل نہیں کر سکتے پس اس کی شاخیں یعنی مقام عمل میں اس کا ثواب آسمان تک پہنچتا ہے اور وہ اس کی برکات ولذات سے ہر وقت بہرہ ور ہوتا رہتا ہے۔ احادیث آئمہ میں متواتر طور پر اس کی تاویل یہ بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضور رسالت مآبؐ نے فرمایا میں شجرۂ طیبہ کی اصل ہوں علی فرع ہے اور آئمہ اس کی شاخیں ہیں اور آئمہ کا علم اس کا پھل ہے اور شیعان آل محمدؐ اس کے پتے ہیں آخر میں آپ نے فرمایا۔ جب کوئی شیعہ پیدا ہوتا ہے تو اس درخت میں ایک نیا پتہ اُگ آتا ہے اور جب کوئی شیعہ مرتا ہے تو اُس کا ایک پتہ گر جاتا ہے۔

اِسی طرح کلمہ خبیثہ یعنی کلمہ کفر کی مثال ہے زمین پر پڑی ہوئی وہ ردی بوٹیاں جن کی جڑیں نہیں ہوتیں وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک آسانی سے منتقل ہو جاتی ہیں اور ہواؤں کے معمولی جھونکے ان کو تہس نہس کر دیتے ہیں اور احادیث آئمہ میں متواتر منقول ہے کہ اس کی تاویل بنی امیہ میں ہے۔

عالم برزخ کا حال

وَيُثَبِّتُ اللّٰهُ۔ یعنی مومنوں کو خدا قول ثابت پر یعنی کلمہ ایمان پر ثابت رکھتا ہے پس وہ دنیا میں بھی لغزش نہیں کرتا اور آخرت کی نعمات سے بھی ہمکنار ہوتا ہے چنانچہ تفاسیر میں بحوالہ کافی شریف سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ انسان کی موت کے وقت اس کے مال اولاد اور عمل کی صورتیں اس کے سامنے آتی ہیں پس مال سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ میں نے بڑی محنت سے تجھے جمع کیا تھا اب تو میری کیا مدد کرے گا تو وہ جواب دے گا کہ مجھ سے صرف کفن ہی لے سکتا ہے اور بس۔ پھر اولاد کی طرف مخاطب ہو گا کہ میں نے زندگی بھر تمہاری خدمت کی اب تم میری کیا مدد کرو گے تو وہ جواب دیں گے کہ ہم قبر میں دفن کر کے واپس آجائیں گے۔ پھر عمل سے خطاب کرے گا کہ خدا کی قسم میں تجھ سے لاپرواہ تھا اور تو مجھے اس وقت تاوان معلوم ہوتا تھا لیکن اب امداد کا محتاج ہوں کیا تو کچھ کر سکے گا تو جواب ملے گا کہ قبر و حشر اور دربار خداوندی میں تیرے ساتھ ہوں گا۔ پس اگر وہ مومن ہو گا تو بہت شائستہ اور خوبصورت منظر کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور اُس کو جنت کی بشارت دے گا۔ مومن پوچھے گا تو کون ہے؟ تو وہ جواب دے گا میں تیرا نیک عمل ہوں۔ وہ غسل دینے والے اور میت کو اٹھانے والوں کو پہچانتا ہے اور ان کو جلدی کی تلقین کرتا ہے۔ پس جب قبر میں پہنچتا ہے تو دو فرشتے آتے ہیں جن کے بال اور دانت زمین تک پہنچتے ہیں ان کی آواز رعد کی کڑک اور ان کی آنکھیں بجلی کی چمک پیدا کرتی ہیں اور بروایت عیاشی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ منکر و نکیر کمر تک اس میں روح داخل

اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾

ان لوگوں کو جنہوں نے تبدیل کیا اللہ کی نعمت کو کفر سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر ہیں

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا

یعنی دوزخ جس میں جلیں گے اور وہ بڑا ٹھکانا ہے اور انہوں نے بنائے اللہ کے شریک

لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾

تاکہ گمراہ کریں اس کے راستہ سے کہہ دو کہ فائدہ اٹھالو پس تحقیق تمہاری بازگشت جہنم ہے

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

کہہ دو میرے ان بندوں کو جو ایمان لائے کہ قائم کریں نماز کو اور خرچ کریں اس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے

کرکے اس کو سیدھا بٹھائیں گے اور پوچھیں گے تیرا رب کون ہے؟ کہے گا کہ اللہ۔ وہ پوچھیں گے تیرا نبی کون ہے؟ جواب دے گا کہ محمد مصطفیٰ ہے اور پوچھیں گے تیرا دین کیا ہے؟ کہے گا کہ اسلام ہے۔ پھر پوچھیں گے کہ تیرا امام کون ہے؟ تو جواب دے گا کہ علی ہے پس ندا آئے گی کہ میرا بندہ سچ کہہ رہا ہے اس کو جنت کا بستر دے دو۔ اور جنت کا لباس بھی پیش کرو اور اس کی قبر میں جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔ پس پہلی روایت کی بنا پر وہ فرشتے اس کو کہیں گے خدا تجھے ثابت رکھے اور اسی کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو قول ثابت پر دنیا و آخرت میں۔ پھر قبر میں نظر کی حد تک وسعت دی جائے گی اور وہ اس کی قبر میں جنت کا دروازہ کھول دیں گے اور کہیں گے کہ آرام سے سو جا جس طرح بے فکر جوان سویا کرتے ہیں اور اگر وہ کافر ہو گا تو وہ عمل بُری شکل میں اس کے پیش ہو گا اور دوزخ کی بشارت دے گا اور قبر میں فرشتے اس سے رب نبی اور دین کے متعلق پوچھیں گے تو وہ کہے گا مجھے کوئی پتہ نہیں ہے پس اس کے سر پہ جہنم کا گرز ماریں گے کہ تمام ذی روح سوائے جنوں اور انسانوں کے اس کی آواز سن کر گھبرا جائیں گے پس اس کے لئے جہنم کا دروازہ کھلے گا جہنم کا فرش اور جہنم کا لباس اس کو دیا جائے گا جہنم کے سانپ بچھو اس کو کاٹتے رہیں گے اور اس کا دماغ ناخنوں کے راستے سے پگھل کر باہر آئے گا اور تا قیام قیامت اسی میں گرفتار رہیگا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

رکوع نمبر ۱۷

الغرض۔ ان لوگوں کی مذمت ہے جنہوں نے نعمت پروردگار کے بدلہ میں بجائے شکر کے کفران نعمت کیا۔ تفسیر برہان میں ہے بروایت اصبغ بن نباتہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ بندوں پر اللہ کی عطا کردہ نعمت ہم ہیں اور قیامت کے روز جو کامیاب ہو گا پس وہ ہماری وجہ سے ہی ہو گا۔

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

چھپ کر بھی اور ظاہر بھی پہلے اس کے کہ آئے وہ دن جس میں نہ سودا بازی ہوگی اور نہ دوستانہ مراسم

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ

فائدہ دیں گے اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا آسمان سے پانی پس پیدا کیا

بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي

اس کے ذریعہ سے پھلوں سے تمہارا رزق اور مطیع کیا تمہارے لئے کشتیوں کو کہ چلیں سمندر میں اس کے

الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ

اذن سے اور مطیع کیا تمہارے لئے دریاؤں کو اور مطیع کیا تمہارے لئے سورج اور چاند

وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ

کو عادت جاریہ کے ساتھ اور مطیع کیا تمہارے لئے رات اور دن کو اور تمہیں دیا ہر اس چیز

كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ

سے جو تم نے سوال کیا اس سے اور اگر گننے لگو اللہ کی نعمتوں کو تو شمار نہ کر سکو گے تحقیق

الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا

انسان بہت ظلم کرنے والا بے شکرا ہے اور جب کہا ابراہیم نے اے رب کر اس شہر کو امن والا

الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

شہر اور بچا مجھے اور میری اولاد کو اس سے کہ عبادت کریں بتوں کی

وَیُنْفِقُوْا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے مستحب صدقات خفیہ دیئے یا نوافل خفیہ ادا کئے جائیں تاکہ ریاکاری کی تہمت سے بچ جائے اور فرائض کو اعلانیہ ادا کیا جائے تاکہ تارکِ واجبات نہ سمجھا جائے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ۔ خدا نے اپنی معرفت کے لئے پھر مسئلہ خلق کو دہرایا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا الخ۔ اور تمام چیزوں کے شمار کے بعد دیدہ دانستہ انکار کرنے والوں یا اور تاویل نکالنے والوں کو ظالم اور کفار کے لفظ سے یاد

رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ

اے رب تحقیق انہوں نے گمراہ کیا بہتوں کو لوگوں سے پس جو میری اتباع کرے گا

مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٦﴾ رَّبَّنَا إِنِّي

تو وہ مجھ سے ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو تو ہی بخشنے والا رحیم ہے اے رب تحقیق میں نے

أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ

ٹھہرائی ہے اپنی اولاد ایک وادی غیر آباد میں تیرے عزت والے گھر کے پاس

رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي

تاکہ قائم کریں نماز کو پس کر لوگوں کے دلوں کو کہ مائل ہوں ان کی

إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾

طرف اور ان کو رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ شکر گذار ہوں

فرمایا۔

وَاٰتَاکُمْ۔ یعنی انسان جو جو چیزیں مانگتا ہے۔ مثلاً رزق۔ تندرستی۔ مال۔ گھر۔ دولت اور بیوی بچے وغیرہ اس نے یہ سب عطا فرمائی ہیں بلکہ اگر شمار کرنا چاہو تو اس کی نعمات حد و حساب سے باہر ہیں۔ غالباً مقصد یہ ہے کہ جو چیزیں مانگتے ہیں اس نے بے مانگے عطا فرمائی ہیں پس وہ لائق شکر ہے۔

رکوع نمبر ۱۸

رَبِّ اجْعَلْ۔ اس مقام پر بلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ سے فارغ ہو چکے تو یہ دعا مانگی۔ اس کی تفصیل تفسیر کی دوسری جلد صفحہ ۲۱ پر مذکور ہے۔ وہاں بلداً نکرہ مستعمل ہے اور یہاں البلد الف و لام عہد خارجی سے معرفہ کیا گیا ہے کیونکہ نکرہ جب مکرر ذکر کیا جائے تو دوسری دفعہ اس پر الف و لام کا داخل کرنا قاعدہ عربی کا تقاضا ہے۔

وَاجْنُبْنِی۔ چونکہ آپ نے جب اولاد کے لئے امامت کی دعا کی تھی اور جواب ملا تھا کہ وہ ظالموں کو نہیں مل سکتی تو چونکہ شرک سب ظلموں سے بڑا ظلم ہے اس لئے اپنی اولاد کے لئے شرک سے بچنے کی دعا کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو اس میں شریک کرنے کا مقصد صرف ثابت قدمی کی توفیق طلب کرنا ہے جس طرح اِھْدِنَا میں ہدایت پر برقرار رہنے کی دعا مطلوب ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ ان بتوں نے بہت سوں کو گمراہ کر رکھا ہے مقصد یہ ہے

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

اے رب تحقیق تو جانتا ہے جو ہم چھپائیں یا ظاہر کریں اور نہیں مخفی رہتی اللہ پر کوئی چیز

فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ

زمین میں نہ آسمان میں حمد ہے اس اللہ کی جس نے بخشا مجھے بڑھاپے میں

اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ

اسمٰعیل اور اسحٰق تحقیق میرا رب دعا کا سننے والا ہے اے رب کر مجھے ادا

مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا

کرنے والا نماز کا اور میری اولاد میں سے اے رب تو قبول کر دعا کو اے رب

کہ ان کی وجہ سے بہت سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ پس نسبت مجازی ہے جس طرح خدایا قرآن کی طرف یہ نسبت مجازہوا کرتی ہے۔

اَسْكَنْتُ۔ اسمٰعیل اور اس کی والدہ ہاجرہ کو مکہ کی زمین میں ٹھہرانے کا قصّہ تفسیر کی دوسری جلد صہ ۲۱۳ پر گذرا ہے۔

بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا مانگی اس وقت یہ گھر نہ بنا تھا بلکہ جب اسمٰعیل جوان ہوئے تو کعبہ کی تعمیر کی گئی۔ پس مقصد یہ ہے کہ تیرے بننے والے گھر کے قریب میں اپنی ذرّیت کو چھوڑ کر جا رہا ہوں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ بات معلوم تھی کہ یہاں بیت اللہ بننا ہے یا یہ کہ بیت اللہ پہلے موجود تھا پس طسم وجدیس کے قبیلوں نے منہدم کر دیا تھا یا یہ کہ طوفان نوح کے زمانہ میں اُوپر اٹھالیا گیا تھا پس یہاں گھر سے مراد ہے گھر کا مقام وقوع۔ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً۔ لوگوں کے دلوں کو مائل کرنے کی دُعا اس لئے کی تاکہ ان کی روزی کشادہ ہو ورنہ اگر لوگوں کے دل حج و عمرہ کی غرض سے یا تجارت کی نیت سے اس طرف مائل نہ ہوں تو وہاں کے لوگوں کے لئے زندگی مشکل ہو جائے۔ مِنَ النَّاسِ۔ پر من بعضیہ لگا دیا۔ پس دعا کو مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا ورنہ یہود و نصاریٰ و مجوس کی کثرت سے مکہ میں جگہ تنگ ہو جاتی اور حضرت ابراہیم کی دعا کا نتیجہ ہے کہ ہر موسم میں مکہ میں ہر ملک کا تازہ پھل موجود ہوتا ہے۔

عَلَى الْكِبَرِ۔ بڑھاپے کے زمانہ میں آپ کو اولاد عطا ہوئی۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ہے جب آپ کی عمر

اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

مجھے بخش اور میرے والدین کو بخش اور مومنوں کو جس دن قائم ہو حساب

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ۥ اِنَّمَا يُؤَخِّرُ

اور نہ سمجھو خدا کو غافل اس سے جو ظالم کرتے ہیں سوائے اس کے نہیں ان کو

هُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ

مہلت دیتا ہے اس دن کے لئے جس دن ٹکٹکی باندھیں گی آنکھیں جلدی کرنے والے ہوں گے سروں کو

رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾

اوپر بلند کرنیوالے ہوں گے کہ ان کی نظر (ہول محشر سے) واپس نہ پلٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

اور ڈراؤ لوگوں کو جس دن آئے گا ان پر عذاب تو کہیں گے وہ جو ظالم ہیں

رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ

اے پروردگار ہمیں مہلت دے ایک وقت قریب تک ہم تیری بات مانیں گے اور رسولوں

الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾

کی اطاعت کرینگے (تو جواب ملے گا) کیا تم قسم نہیں کھائی تھی پہلے (دنیا میں) کہ تمہارا یہاں سے جانا نہ ہوگا

۹۹ برس تھی تو حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے اور جب آپ کی عمر ۱۱۲ برس تھی تو حضرت اسحٰق پیدا ہوئے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل حضرت اسحٰق سے سن و سال میں ۱۳ برس بزرگ تھے اور بعض روایات میں حضرت اسحٰق کا بڑا ہونا بھی مذکور ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کا ایک تیسرا لڑکا بھی بعض کتب میں منقول ہے جس کا نام مدین تھا۔

مروی ہے کہ جب آپ نے دعا مانگی کہ لوگوں کے دلوں کو میری اولاد کی جائے سکونت کی طرف پھیر دے تو حکم ہوا کہ کوہ ابوقبیس پر چڑھ کر لوگوں کو دعوت دو۔ چنانچہ آپ نے کوہ ابوقبیس پر کھڑے ہو کر حج بیت اللہ

وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ

اور مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ان لوگوں کے گھروں میں جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور تم کو معلوم تھا کہ ہم نے

كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا

ان کے ساتھ کیا سلوک کیا اور ہم نے تم کو ان کی مثالیں دی تھیں اور تحقیق مکر کیا

مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ

انہوں نے بڑا مکر اور اللہ کے پاس محفوظ ہے ان کا مکر اور اگرچہ مکر ان کا ایسا ہو کہ اس کے ذریعہ

مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ

پہاڑ متزلزل ہو جائیں پس نہ خیال کرو اللہ کو کہ خلاف کریگا اپنے اس وعدہ کا جو اس نے رسولوں سے کیا تحقیق

اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ

اللہ غالب انتقام لینے والا ہے جس دن بدلی جائے گی زمین علاوہ اس زمین کے اور

وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

آسمان بھی اور سب لوگ نکلیں گے اللہ کے سامنے جو واحد قہار ہے اور دیکھو گے مجرم لوگوں کو

يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ

اس دن بندھا ہوا زنجیروں میں ان پر قمیصیں تارکول کی ہوں گی اور

وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا

ڈھانپے گی ان کے چہروں کو آگ تاکہ جزا دے اللہ ہر نفس کو جو اس نے کمایا

کی طرف لوگوں کو بلایا اور بقدرت خدا مشرق و مغرب تک آپ کی آواز پہنچی حتیٰ کہ قیامت تک ہونے والوں میں سے جن جن لوگوں کے ارواح نے آپ کی آواز پر لبیک کہی وہی حج پر موفق ہوتا ہے۔ (برہان)

رَبِّ اجْعَلْنِیْ ۔ آپ نے اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لئے نمازی ہونے کی دعا کی بروایت امام محمد باقر علیہ السلام

كَسَبَتْ ؕ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هَٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ

تحقیق اللہ جلد حساب لینے والا ہے یہ قرآن اتمام حجت ہے لوگوں کے

وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَ

لیئے اور تاکہ اس کے ذریعے سے ڈر جائیں اور جان لیں کہ صرف اللہ ایک ہی ہے اور

لِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٥٢﴾ ع ۱۹

تاکہ نصیحت حاصل کریں دانش مند

نے فرمایا ہم ہی حضرت ابراہیم کی ذریت کا بقیہ ہیں۔

تفسیر برہان میں اختصاص مفید سے مروی ہے کہ بنی امیہ میں سے ایک شخص جس کا نام سعد تھا عبدالعزیز بن مروان کی اولاد میں سے تھا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس کو سعد الخیر کے نام سے یاد فرماتے تھے۔ ایک دن وہ روتا ہوا آیا آپ نے فرمایا کیوں روتے ہو؟ اس نے عرض کی میں اس لیے روتا ہوں کہ میں قرآن میں مذکورہ شجرۂ ملعونہ کا فرد ہوں تو آپ نے فرمایا نہیں نہیں تو ہم میں سے ہے اگرچہ نسل کے لحاظ سے اموی ہے۔ دیکھو حضرت ابراہیم کی دعا میں ہے کہ جو میری اطاعت کرے گا وہ مجھ سے ہوگا۔

وَلِوَالِدَيَّ ص۱۶۰ ۔ حضرت ابراہیم کا والدین کی بخشش کے لیے دعا کرنا ان کے مومن ہونے کی دلیل ہے کیونکہ مشرک کی بخشش کی دعا بالکل عبث ہے۔

رکوع نمبر ۱۹ ہول محشر

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ ص۱۶۰ ۔ یعنی محشر کے ہول وہیبت کی وجہ سے لوگوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور بلانے والے کی آواز کی طرف جلدی سے دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ (مُهْطِعِينَ کا معنی تیزی کرنے والے) اور ان کے سر بلند ہوں گے آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوں گی۔ نیچے دیکھنے کی ہمت تک نہ ہوگی (اقناع کا معنی بلند کرنا ہے) اور تحیر و رعب کی وجہ سے آنکھیں بند ہونا تو درکنار جھپکائی بھی نہ جا سکیں گی اور ان کے دل ہر محبت تعلق اور رشتہ کی طرف سے بالکل خالی ہوں گے جس طرح آسمان و زمین کے درمیان ہوا کی حالت ہے بس جنت و جہنم کا تصور تک ان کے دل سے اڑ جائے گا صرف ہیبت و رعب ہی کا منظر ہوگا۔

فَيَقُولُ ص۱۶۰ ۔ عذاب کا منظر دیکھ کر ظالم کہیں گے۔ ایک مرتبہ ہمیں واپس دنیا میں جانے کی مہلت دی جائے تو ہم اللہ کی دعوت کو قبول کریں گے لیکن ان کی اس درخواست کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

عِنْدَ اللّٰہِ ص۱۶۱ یعنی اللہ کے پاس ان کے مکر و فریب کی خبر محفوظ ہے کہ وہ ان کو دیگا۔
وَ اِنْ کَانَ ۔ ان کو وصلیہ قرار دیا جائے تو معنی یہ ہے کہ اگر ان کے مکر و فریب اسقدر مضبوط تھے کہ ان سے پہاڑ ہل جاتے لیکن قرآن و اسلام کی بنیاد بہ دلیل و برہان کے لحاظ سے اس قدر پختہ ہیں کہ ان کو متزلزل کرنا مشکل تر ہے اور اگر اس کو شرطیہ قرار دیا جائے تو معنی یہ ہے کہ اگر ان کا مکر پہاڑ کو ہلادے تب بھی قواعد اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیوں کہ دلیل و برہان کی رو سے اس کی بنیاد پہاڑوں سے مضبوط تر ہے لیکن ان کا مکر تو پہاڑوں کو گرانے سے بھی قاصر ہے پس وہ اسلام کا کیا بگاڑ سکتا ہے؟
ہر دور میں مکار و فریب کار لوگ دین والوں سے برسرپیکار رہتے ہیں۔ چنانچہ اپنے زمانہ میں نمرود نے توحید کو باطل کرنے اور عوام الناس کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا کہ ایک عبارہ نما صندوق بنایا۔ اور لمبی لمبی لکڑیاں اس کے ساتھ باندھ کر اوپر گوشت باندھ دیا اور پھر اس عبارہ نما صندوق میں خود اپنے وزیر کے ساتھ بیٹھ گیا اور گدیں پکڑوا کر ان کے پاؤں کے ساتھ صندوق کو باندھ دیا اس انداز سے کہ وہ اڑ کر گوشت تک نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ جب انہوں نے گوشت کو دیکھا تو اس کی طرف پرواز کی۔ پس وہ صندوق بھی بلند ہوگیا اور گوشت جو اوپر بندھا ہوا تھا وہ اور اوپر کو بلند ہوگیا۔ بس جونہی وہ گدیں اوپر پرواز کرتی تھیں صندوق اٹھتا جاتا تھا اور اس کے ساتھ گوشت بھی بلند سے بلند ہوتا جاتا تھا۔ چنانچہ کافی وقت گذر جانے کے بعد نمرود سمجھا کہ اب آسمان تک پہنچ گیا ہوں اوپر کا دروازہ کھولا تو آسمان اتنا دور نظر آیا جس قدر زمین سے نظر آتا تھا پھر زمین کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ نظر سے غائب تھی۔ پس اوپر جانے سے حوصلہ پست ہوگیا گدوں کو آزاد کر دیا اور صندوق زمین پہ آن پہنچا۔
یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ ص۱۶۱ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام زین العابدین سے منقول ہے کہ اس زمین کے علاوہ دوسری زمین لائی جائے گی جس پر کوئی گناہ واقع نہ ہوگا اور وہ بالکل صاف و ہموار ہوگی نہ اس پہ پہاڑ ہوں گے اور نہ نباتات کا نشان ہوگا۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس کے ٹیلے گھاٹیاں اور پہاڑ و جھاڑیاں سب ختم کی جائیں گی اور چاندی کی طرح سفید زمین ہوگی۔ جس پر نہ خون ریزی کی گئی ہوگی اور نہ کوئی گناہ اس پر واقع ہوگا۔ اور آسمان کی تبدیلی اس طرح ہوگی کہ سورج چاند اور ستاروں سے بالکل خالی ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ آسمان کی جگہ ایک دوسرا آسمان لایا جائے گا۔ بہر کیف موجودہ صورت سے وہ صورت حال الگ ہوگی خواہ اس کی کیفیت جو بھی ہو۔ اور لوگ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے حساب و کتاب کے لئے اپنے پروردگار کے پیش ہوں گے۔ مجرمین زنجیروں میں اپنے اپنے شیطانوں کے ساتھ محشور ہوں گے۔ چنانچہ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ۔ کا یہی معنی بعضوں نے کیا ہے۔
سَرَابِیْلُھُمْ ص۱۶۱ یعنی سزا کے طور پر ان کے جسم پر تارکول لگایا جائے گا جو بحیثیت قمیص کے ہو جائیگا تاکہ آگ کو جلدی قبول کرے۔ بعض کہتے ہیں وہ پگھلا ہوا تانبہ یا پیتل ہوگا لیکن ان کے منہ پر قطران نہ ہوگا اور

ان کو جلانے کے لئے خود آگ براہِ راست پہنچے گی۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو لوگ خوشنودی خدا کے لیے ایکدوسرے سے محبت رکھیں گے وہ ہول محشر کے وقت یمین عرش میں عرش کے سایہ میں زبرجد کی زمین پر ہوں گے۔ نیز اسی کتاب میں آپ سے مروی ہے کہ اسی زمین پر جب سے یہ پیدا ہوئی ہے اولاد آدم سے قبل سات عالم گذر چکے ہیں جو ذریّت آدم نہ تھے پس وہ یکے بعد دیگرے اسی زمین پر رہے۔ پھر آدم آیا اور اس کی ذرّیت سے زمین آباد ہوئی اور جب سے جنت پیدا ہوئی وہ مومنوں کے ارواح سے خالی نہیں ہوئی اور جب سے دوزخ پیدا ہوا وہ بھی ارواح کافرین سے خالی نہیں ہوا۔ تو تم کیا سمجھے کہ اہل جنت کے جنت میں جانے کے بعد اور اہل دوزخ کے دوزخ میں جانے کے بعد زمین خدا میں اس کی عبادت کرنیوالا اور اس کی توحید کا پرستار اور اس کی عظمت کا ذاکر کوئی نہ ہوگا۔ ایسا نہیں بلکہ وہ نر مادہ کے بغیر ایک مخلوق پیدا کرے گا جو اس کی توحید و تمجید بیان کرینگے اور ان کی رہائش کے لئے زمین بھی ہوگی اور آسمان بھی ان پر سایہ فگن ہوگا اسی لئے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اس زمین کے علاوہ کوئی دوسری زمین اور اس آسمان کے علاوہ کوئی دوسرا آسمان لایا جائے گا۔

سُورَۂ حِجْر

آیت نمبر ۸۸ کے علاوہ سب سورہ مکیہ ہے۔ اور سورہ یوسف بعد اترا ہے۔ اس کی کل آیات ۹۹ ہیں۔ بسم اللہ کو ملا کر آیات کی تعداد ایک سو بنتی ہے۔

تفسیر برہان میں کتاب خواص القرآن سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا جو اس سورہ کی تلاوت کرے۔ مہاجرین و انصار کے برابر اس کی نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو شخص زعفران سے لکھ کر تھوڑے دودھ والی عورت کو پلائے تو اس کا دودھ بڑھ جائے گا۔ اگر بازو کے ساتھ باندھ کر خرید و فروخت کرے تو اس کے ساتھ خرید و فروخت اچھی رہے گی۔ اور لوگ اس سے معاملہ کرنا پسند کریں گے اور جب تک اس کے پاس رہے گا رزق میں وسعت ہوگی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ زعفران سے لکھ کر تھوڑے دودھ والی عورت کو پلایا جائے تو اس کا دودھ بڑھ جائے گا اور جو شخص اس کو لکھ کر اپنے خزانہ میں رکھے یا اپنی جیب میں ڈالے اور اس کے ساتھ سفر کرے تو اس کا کسب ترقی کرے گا اور کوئی شخص اس سے معاملہ کرنے میں گریز نہ کریگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

(اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

الٓرٰ تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡكِتٰبِ وَقُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ ①

الٓرٰ یہ کتاب اور قرآن مبین کی آیتیں ہیں

وَقُرۡاٰنٍ۔ کتاب سے کلام مکتوب اور قرآن سے کلام ملفوظ مراد ہے اور اسی معنوی اختلاف کی وجہ سے عطف مستحسن ہے اگرچہ عطف کے جواز کے لئے صرف اختلاف لفظی بھی کافی ہوا کرتا ہے۔

مزید توضیح خداوند کریم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے بیانِ قرآنی کو ایسا سہل اور قابلِ قبول انداز سے پیش فرمایا کہ ہر طبقہ کا انسان جہاں اس کے طرز بیان سے لطف اندوز ہوتا ہے وہاں اس کے اسلوبِ استدلال اور طریق افہام سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ قرآن کی صفت مبین یا دوسری جگہ کتاب کی صفت مبین قرآن مجید کی اسی معنوی خوبی کے اظہار کے لئے ہے۔ اور قرآنی مضامین کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اس کے جملہ استدلالات و براہین جس اہم مقصد کے گرد گردش کرتے ہیں وہ محور و مرکز نظریہ توحید ہے اور عقائد اسلامیہ کی جس فرد کو لیا جائے اس کا منتہا نظریۂ توحید ہی ملتا ہے چنانچہ ارسال رسل اور انزال کتب اسی مقدس نظریہ کی تبلیغ و ترویج کے لئے ہی ہے۔ کیونکہ انسانی معاشرہ کی جملہ خرابیاں عقیدۂ توحید سے انحراف کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں انسانی وقار کے ساتھ کھیلنے والے اور ناموس انسانیت کو تباہ کرنے والے عیاش طبع جابر و ظالم انسان سب سے پہلے نظریہ توحید سے ہی الجھتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں سے اولیاء اللہ یا انبیاء کے حق میں یا شیعوں میں سے بعض محمدؐ و آل محمدؐ کے حق میں غلو و تفویض کا عقیدہ رکھنے والے اگر قرآنی بیانات کا مطالعہ کریں تو ان کے لئے راہِ اعتدال پر آنا مشکل نہیں

شیخی فرقہ اگرچہ ہم نے شیخ احمد احسائی کے معتقدات کا اس کی کسی تصنیف سے جائزہ نہیں لیا۔ تاہم علماء نجف و قم کی اس سے برائت صاف ظاہر کرتی ہے کہ اس کے بعض عقائد شیعی نقطۂ نظر سے عقیدۂ توحید سے متصادم تھے جن کی وجہ سے بنا بر مشہور ان پر کفر کا فتویٰ عائد کیا گیا۔ اور اس وقت تک اس کی جماعت کا نجف اور قم جیسے شیعی مراکز سے دور رہ کر کویت یا کرمان کو اپنا مرکز بنانا اور مشاہیر شیعہ علمائے اعلام سے ان کا مکمل بائیکاٹ و علیحدگی بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ ان کے بعض عقائد غیر معمولی طور پر شیعی صحیح معتقدات سے ٹکراتے ہیں جن کی بنا پر وہ ایک الگ جماعت کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہر کیف توحید کے متعلق شیعی عقیدہ بالکل واضح ہے کہ ہم نہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اللہ کا شریک جانتے ہیں اور نہ ان کے حق میں تفویض کے قائل ہیں پس ہر وہ عقیدہ جس سے محمدؐ و آل محمدؐ

علیہم السلام کے حق میں غلو و تفویض لازم آتی ہو ہمارے نزدیک باطل اور کفر ہے اور اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے یقیناً کافر ہیں اور ہماری کتابیں اس قسم کے بیانات سے مملو ہیں۔ پس جو شخص محمدؐ و آلِ محمدؐ کی شان میں گستاخی کرے اور انکو گھٹائے یا ایسا عقیدہ رکھے جس سے محمدؐ و آل محمدؐ کی توہین یا ان کے حق میں گستاخی لازم آئے وہ مقصّر و ناصبی ہے اور جو ان کے حق میں غلو و تفویض کا قائل ہو یا ایسا عقیدہ رکھے جس سے غلو و تفویض لازم آئے وہ غالی و مفوضہ ہے اور علمائے حقہ اثنا عشریہ کے نزدیک ناصبی و غالی دونوں کافر ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔

اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے صاف طور پر منقول ہے کہ میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہونگے ایک محب غالی یعنی وہ شخص جو محبت کی وجہ سے غلو کا قائل ہو جائے اور دوسرا مبغض قال یعنی وہ شخص جو بغض کی وجہ سے ہمارے ساتھ دشمنی رکھے۔

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کی اوّل مخلوق ہیں اور اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ کا فرمانِ نبویؐ اس پر صریح گواہ ہے اور یہی نور مقدس خطاب ایزدی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ کا مصداق ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ سب سے پہلے خداوند کریم نے نورِ محمدیؐ کو خلق فرمایا۔ اور اسی کو مقصدِ تخلیق کائنات قرار دیا۔ لیکن جس طرح وہ اس نور کا خالق ہے۔ اسی طرح اس نور کی خاطر تمام پیدا ہونے والی مخلوق کا خالق بھی خود ہے اور جس طرح وہ محمدؐ و آل محمدؐ کا رازق ہے اسی طرح باقی تمام مخلوق کا رازق بھی وہی ہے نیز وہ باقی تمام مخلوق کے پیدا کرنے میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کا محتاج نہیں جس طرح کہ محمدؐ و آل محمدؐ کے پیدا کرنے میں کسی اور کا محتاج نہیں تھا۔ البتہ اس نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اپنے اور باقی مخلوق کے درمیان وسیلہ قرار دیا کہ باقی تمام مخلوق خواہ نبی ہوں یا رسول، ملک ہوں یا روح، جن ہوں یا بشر۔ خاکی ہوں یا نوری اور علوی ہوں یا سفلی ان کی ولا کے بغیر نہ کسی خدائی عہدہ پر فائز ہو سکے اور نہ کسی شرف سے مشرف ہو سکے اور نہ بروز قیامت ان کے بغیر منازل قربِ خداوندی پر فائز ہو سکیں گے کیونکہ حضرت علی قسیم الجنۃ والنار ہیں اور حسنین شریفین تمام جوانانِ جنت کے سردار ہیں خواہ اوّلین سے ہوں یا آخرین سے ہوں۔ اور ہم نے شیعی معتقدات پر اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ تفسیر انوار النجف کی مجلدات۔ لمعۃ الانوار۔ اسلامی سیاست اور امامت و ملوکیت کے اوراق اس کے گواہ ہیں۔

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۲﴾ ذَرْهُمْ یَاْكُلُوْا

بعض اوقات درست رکھتے ہیں کافر کہ کاش مسلمان ہوتے ان کو چھوڑ دیجئے کھائیں

وَ یَتَمَتَّعُوْا وَ یُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَا

اور نفع اٹھائیں اور ان کو غافل کریں اُمیدیں پس عنقریب جان لیں گے اور ہم نے

رکوع نمبر ۱

رُبَمَا۔ اہل مدینہ اور عاصم نے اس کو اسی طرح پڑھا ہے لیکن باقی قاریوں نے رُبَّمَا یعنی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحویوں کے قانون کی رُو سے رُبَّ کے بعد آنے والا مَا دو طرح کا ہوتا ہے (۱) نکرہ اور یہ شی کے معنی میں ہوتا ہے یعنی رُبَّ شیٍٔ اور آیت مجیدہ میں رُبَّ وُدٍّ یُوَدُّہٗ کی تاویل میں ہوگا (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مَا کافہ ہوگا جو اپنے مدخول کو اپنے عمل سے روک دینے کے علاوہ اور کوئی معنی واثر نہیں رکھتا اور یہی وجہ ہے کہ فعل پر داخل ہو رہا ہے ورنہ اس کو اسم پر داخل ہو کر اسے جر دینی چاہیئے تھی۔ اور حق تو یہ ہے کہ اس کے بعد والا فعل ماضی ہو لیکن یَوَدُّ چونکہ حکایتِ حال ماضی کے لئے ہے اگرچہ وہ مستقبل میں ہی ہوگا اس لئے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے اور رُبَّ کو تخفیف کے ساتھ یعنی شدّ کے بغیر پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ عربی میں اکثر مضاعف (مشدّد) حروف میں کسی قانون کے بغیر بھی تخفیف ہو جایا کرتی ہے جس طرح حروف مشبہ بالفعل کی مثال سے واضح ہے۔ اَنَّ، اِنَّ، عَنَّ وغیرہ۔ اور یہ بھی اسی قسم سے ہے مقصد یہ ہے کہ جب کفار موت کی سختی دیکھیں گے یا بروز محشر جنت دنار کی تقسیم کا مرحلہ پیش آئے گا۔ پس اپنی گرفتاری اور اہل اسلام پر نعماتِ خداوندی ملاحظہ کریں گے تو خواہش کریں گے کہ کاش! ہم مسلمان ہوتے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت سے مروی ہے جب دوزخی دوزخ میں پہنچیں گے اور ان میں بعض گنہ گار مسلمان بھی شامل ہوں گے تو کافر لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہم تو کافر تھے لیکن تم بتاؤ تم کو اسلام نے کیا فائدہ دیا تو مسلمان

أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ﴿٤﴾ مَا

نہیں ہلاک کیا کسی بستی کو مگر یہ کہ ان کے لئے وقت مقرر تھا نہیں

تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٥﴾ وَقَالُوا يَا

سبقت کرتی کوئی اُمت اپنی مقررہ مدت سے اور نہ پیچھے ہوتی ہے اور کہنے لگے اے وہ جس

أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ﴿٦﴾

پر قرآن نازل کیا گیا تُو تو دیوانہ ہے

لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٧﴾ مَا

کیوں نہیں لاتے تم فرشتوں کو اگر تم سچے ہو ہم

نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ﴿٨﴾

نہیں اتارتے فرشتے مگر حق کے ساتھ اور وہ اس وقت مہلت نہ دئے جائیں گے

جواب دیں گے کہ یہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے پس رحمتِ پروردگار کا سمندر جوش میں آئے گا اور مسلمانوں کی آزادیٔ جہنم کا حکم صادر ہوگا تو اس وقت کفار حسرت بھری آواز سے کہیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ اس مقام پر مسلمان سے وہ لوگ مراد ہیں جو پیغمبرؐ کی اُمت کے تہتّر فرقوں میں سے ایک ناجی فرقے سے تعلق رکھنے والے ہوں گے ورنہ جن لوگوں نے رسولؐ کے بعد رسولؐ کی وصیت پر عمل نہ کیا اور ظاہری اسلام کا لباس پہن کر اسلام کے درخت کو کاٹنے کے درپے رہے پس قرآن کی بے حرمتی کی اور عترتِ پیغمبرؐ کی ناقدری کر کے انہیں اپنے مقام سے ہٹا کر اقتدار ناپائیدار کے متوالے ہوئے وہ بروزِ محشر کافروں اور ظالموں کے زمرے میں حسرت کرنے والے ہوں گے اور رسُولؐ کی تعلیمات کو اپنا کر جنہوں نے آلِ رسولؐ کی پیروی کی وہ اپنے آقاؤں کی غلامی میں سرشار ہوں گے اور ان میں سے جن گنہ گاروں کو جہنم میں بھیجا جائے گا وہ آلِ اطہار کی شفاعت کی بدولت عذاب سے نجات پا کر دشمنوں کی حسرت میں اضافہ کا موجب ہوں گے۔

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا الخ۔ یہ کفار کو تنبیہ ہے کہ بے شک اس فانی دنیا کی فانی لذات سے چند روزہ دل بہلا لیں، کھا پی لیں اور طولِ اُمید میں اپنے آپ کو کھوتے رہیں آخر وہ اپنی سرکشیوں اور کفریہ کارستانیوں کا انجام ضرور دیکھیں گے۔

تفسیرِ صافی میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا مجھے تم لوگوں پر دو چیزوں کا خطرہ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا

تحقیق ہم نے ہی اتارا قرآن کو اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اور تحقیق ہم نے رسول

مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ

بھیجے تجھ سے پہلے پہلی جماعتوں میں اور نہیں آتا ان کے پاس

ہے ایک خواہش کی اتباع اور دوسری طول اُمید۔ کیونکہ اتباعِ خواہش حق سے روکتی ہے اور طول امید آخرت سے غافل کر دیتی ہے اور بروایت امام محمد باقر علیہ السلام حدیث نبوی میں ہے کہ انسان کا ساتھ جب اللہ کی دوستی اور نیک بختی دیتی ہے۔ تو موت کی یاد آنکھوں کے سامنے اور لمبی امیدیں پشت کے پیچھے ہو جاتی ہیں لیکن جب شیطان کی محبت اور شقاوت گھیرے تو لمبی امیدیں سامنے اور موت کی یاد پشت کے پیچھے ہو جایا کرتی ہے

کِتَابٌ مَعْلُومٌ صفحہ ۱۶۸۔ یعنی اللہ کے علم میں جس قوم کی ہلاکت یا عذاب کا جو وقت مقرر ہوگا اس سے مقدم یا موخر نہ ہو سکے گا گویا جلدی گرفتار نہ ہونا تم کو دھوکا نہ دے بلکہ اس مہلت کو غنیمت سمجھ کر اعمال بد سے توبہ اور آئندہ کی اصلاح کی کوشش کرو ورنہ وقت آجانے پر حسرت اور ندامت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ پس یہ "تاخیر اس کی مصلحت و مشیّت کے ماتحت ہی ہے۔

يَسْتَأْخِرُونَ صفحہ ۱۶۸۔ باب استفعال ہے لیکن یتاخرون کے معنی میں ہے۔

بالحق۔ اس مقام پر حق کا معنی حکمت و مصلحت یا موت لیا گیا ہے۔

نَزَّلْنَا الذِّكْرَ۔ آیت مجیدہ قرآن کی تحریف کے قائلین کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے۔

آیت مجیدہ کی تفسیر میں علمائے اسلام کے چار اقوال ہیں۔

مسئلہ تحریف قرآن

(۱) قتادہ اور ابن عباس کا قول ہے کہ کمی بیشی تحریف اور تغییر سے حفاظت کا خدا نے ذمہ لیا ہے جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ۔ یعنی اس کے سامنے اور پیچھے سے باطل اس کے پاس نہیں آسکتا۔ مقصد یہ کہ باطل کے ہاتھ ردّ و بدل یا زیادتی و کمی کے لئے اس کی طرف نہیں بڑھ سکتے (۲) حسن کا قول ہے کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ اس کی موجودہ صورت کی حفاظت کا ہمیشہ کے لئے ضامن ہے کہ نسل بہ نسل اُمّت اس کو نقل کرے گی اور سینہ بہ سینہ اس پر ایمان دل کی گہرائیوں میں اُترتا رہے گا اور قیامت تک ہر زمانہ میں لوگ اس کی حفظ کا عصر بہ عصر اہتمام کرتے چلے جائیں گے تاکہ حجّت قائم رہے (۳) جبائی سے منقول ہے کہ خدا اس کو مشرکوں کے شر سے محفوظ رکھے گا پس وہ اس کو مٹانے دبانے اور بھلانے پر قادر نہ ہو سکیں گے (۴) فرّا سے مروی ہے کہ لَہٗ میں ضمیر غائب کا مرجع حضرت رسالت مآبؐ ہے اور معنی یہ ہے کہ قرآن

کو ہم نے نازل کیا ہے اور حضرت رسالت مآبؐ کی حفاظت کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ آخری قول کے علاوہ باقی تمام اقوال قرآن مجید سے تحریف کی نفی کرتے ہیں۔ اور شیعہ عقیدہ یہی ہے کہ قرآن مجید باطل پرستوں کے تصرفات سے ہر دور میں محفوظ رہا ہے اور کسی زمانہ میں تحریف و تصحیف کا ہاتھ اسے نہیں چھو سکا۔ اور نہ قیامت تک اسے چھو سکے گا۔ پس جو لوگ قوم شیعہ کی طرف قرآن کی تحریف کی نسبت دیتے ہیں وہ کذاب و مفتری ہیں ان کی یہ نسبت جاہل عوام کی نظروں میں قوم شیعہ کو بدنام کرنے کا حربہ ہے اصل بات یہ ہے کہ چونکہ قوم شیعہ جناب رسالت مآبؐ کی آخری وصیت (جس میں ثقلین یعنی کتاب و اہل بیت سے تمسک کرنے کا تاکیدی حکم تھا) کے سختی سے پابند ہیں چنانچہ وہ اس حدیث کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو نظر انداز کرنے میں تامل نہیں کرتے نہ اس بارے میں ان کو وقتی تشدد اپنے سامنے جھکا سکتا ہے اور نہ وہ کرسیٔ اقتدار سے مرعوب ہو سکتے ہیں حتیٰ کہ ان کے سر کٹ سکتے ہیں لیکن قدم صراطِ مستقیم سے نہیں ہٹ سکتے۔ پس پیغمبرؐ کی وفات کے بعد جن لوگوں نے اقتدار کو مذہب بنا لیا اور اس کی خاطر صرف قرآن مجید تمسکو کو کافی کہہ کر عترت پیغمبر کو نظر انداز کر دیا انہوں نے جہاں تعلیمات اسلامیہ کو بالعموم اپنی خواہشات کے سانچے میں ڈھالنے کی ناپاک کوشش کی وہاں بالخصوص قوم شیعہ کو نیست و نابود کرنے کے ہزاروں منصوبے تیار کئے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہزاروں ہتھکنڈے استعمال کئے چنانچہ اسی نظریے کے ماتحت پورے ساٹھ سال تک یعنی ۴۱ھ سے ۱۰۱ھ تک حضرت علی اور اولاد علی کو سبّ و شتم کا نشانہ بنایا گیا اولاد رسول کو ہر قسم کے مظالم کا ہدف بنایا گیا اور شیعان علی سے اس سلسلہ میں بڑی سے بڑی قربانی لی گئی جس کو ہر دور کے شیعوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ پس انجام کار ظالم ظلم سے تھک گئے لیکن مظلوم مصائب و آلام کی چکیوں میں پسنے کے بعد بھی نہ گھبرائے پس ظلم کا ہتھوڑا ٹوٹا تشدد کا ہاتھ شل ہوا اور اقتدار کا شکنجہ ڈھیلا ہوا لیکن حق والوں نے جل جل کر مر مر کر اور پس پس کر بھی حق کا دامن نہ چھوڑا جس کے نتیجہ میں حق کا بول بالا اور دشمن کا منہ کالا رہا پس زمانے کی ہوا کے ساتھ ساتھ قوم شیعہ کو بدنام کرنے کے نت نئے حربے اور جدید ہتھکنڈے استعمال کئے گئے جن کو قوم شیعہ کی مذہبی صداقت اور ایمانی استقلال نے کبھی پنپنے کا موقعہ نہ دیا۔ چنانچہ ہر میدان مقابلہ و مناظرہ میں مذہب شیعہ کی صداقت کا لوہا منوایا جاتا رہا۔ پس قرآن مجید میں تحریف کی شیعوں کی طرف نسبت اہل باطل کے ان اوچھے ہتھیاروں میں سے ہے جو حق کے مقابلہ میں جواب نہ بن آنے پر جھوٹا فریق استعمال کیا کرتا ہے۔

بے شک شیعہ قرآن کو اللہ کی سچی کتاب بلکہ تمام کتب سماویہ سے افضل اور ان کی ناسخ مانتے ہیں اور اسی کتاب کو آخری آسمانی کتاب جانتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت علی سے لے کر حضرت مہدی آخر الزمان تک بارہ اماموں کو اس کتاب کا صحیح مفسر مانتے ہیں اور شیعہ قرآن مجید کی اس تفسیر کو قبول کرتے ہیں جو آئمہ اہل بیت سے منقول ہو چونکہ آل محمدؐ کے علاوہ کوئی بھی علوم قرآنیہ میں ان کے ہم پلہ نہیں ہے خواہ اس کی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ لہذا شیعہ

رَّسُولٍ اِلَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ

کوئی رسول مگر یہ کہ وہ اس کے ساتھ مسخری کرتے تھے اسی طرح ہم چلاتے ہیں اس (انکار) کو

قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ

مجرموں کے دلوں میں حالانکہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور تحقیق گذر چکی سیرت پہلے

الْاَوَّلِيْنَ ⑬ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ

لوگوں کی اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان کا پس وہ اس میں سے اوپر

يَعْرُجُوْنَ ⑭ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ

چڑھ جائیں کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو بے حس کر دیا گیا ہے بلکہ ہم لوگوں

قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ

پر جادو کر دیا گیا ہے اور تحقیق ہم نے بنائے آسمان میں (بارہ) برج اور ان کو مزین کیا

قوم کے نزدیک قرآنی علوم کے متعلق کسی کے قول کی کوئی وقعت نہیں۔ جب آل محمد سے نہ لیا گیا ہو۔

اکثریتی اسلامی جماعت چونکہ صرف قرآن مجید کو ہی کافی سمجھنے لگی تھی اور پہلے دن سے ہی انہوں نے اس نظریہ کا اعلان کر دیا تھا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ۔ لہٰذا ہر دور میں ان کے مفسروں نے قرآن کی من مانی تفسیریں کیں اور حسب استطاعت آئمہ اہل بیت سے جاہل عوام کو متنفر کرنے کے لئے ہر گند اکیچڑ ان پر اچھالنے کی سازشیں بلکہ کوششیں کیں اگرچہ تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ ہر زمانہ میں قرآن کی باریکیوں اور مسائل مشکلہ کی پیش آمدہ گرہوں کو جب درباری علماء و فضلاء کے ناخن تدبیر نہ کھول سکے تو خانوادۂ علم و رسالت اور دودمان شرف نبوت کے در دولت پر جبہ سائی کی جاتی رہی اور علمی بھیک مانگ کر مشکل کشائی کے بعد لولا کے ترانے گائے جاتے رہے۔ لیکن ساتھ ساتھ دلوں میں حسد و کدورت کی آگ بھی جلتی رہی اور آئے دن ظلم و استبداد کے بدل بدل کر طریقے بروئے کار لاتے جاتے رہے اور کینہ و بغض کی دلوں میں بھڑکتی ہوئی آتش غضب کو ٹھنڈا کیا جاتا رہا۔ بہرکیف چونکہ قوم شیعہ کے نزدیک آل محمدؐ کی تفسیر کے علاوہ کوئی دوسری تفسیر قابل قبول نہیں ہے لہٰذا شیعوں کو منکر قرآن کہا گیا لیکن جب منہ توڑ جواب ملا تو کہہ دیا کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں۔ وَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ اور ہم نے قرآن پر شیعی عقیدہ کی وضاحت اپنی نو تصنیف کتاب منیف لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں کی ہے جس کا مطالعہ شیعہ نوجوانوں کے لئے بے حد ضروری ہے۔

زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿١٧﴾

دیکھنے والوں کے لیئے اور ہم نے محفوظ کیا آسمانوں کو ہر شیطان رجیم سے

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَالْاَرْضَ

مگر جو چرائے باتوں کو تو اس کے پیچھے لگتا ہے ظاہر چمکدار ستارہ اور زمین

وَمَا يَاْتِيْهِمْ[١٩] - حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں کیونکہ گذشتہ انبیاء کی بھی یہی کیفیت رہی ہے کہ جب وہ رسولوں کو اپنے باپ دادا کے خلاف پاتے تھے تو ان سے مسخری کر کے ان کی باتوں کو ٹال دیا کرتے تھے۔

نَسْلُكُهٗ[١١] - ضمیر غائب کا مرجع ذکر ہے یعنی ہم دین حق کا بیان اور احکام اسلامی کی وضاحت مجرم لوگوں یعنی کافروں کے سامنے کیا کرتے ہیں۔ پس ہمارا بیان کافروں کے دلوں تک راستہ پا کر پہنچ جاتا ہے خواہ وہ تسلیم کریں یا نہ کریں۔ یہی انبیاء بعثت سے کوئی قوم خالی نہیں رہتی۔

وَلَوْ فَتَحْنَا[١٤] - اس کا معنی دو طرح سے کیا گیا ہے (۱) اگر ہم ان کے سامنے آسمانوں کے دروازے کھولدیں کہ فرشتے ان سے آمدورفت کریں اور یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

(۲) یا یہ خود ان دروازوں سے گذر کر اوپر پہنچیں اور آسمانی مخلوق کو دیکھیں پس دونو صورتوں میں یہ کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو بے حس کر دیا گیا ہے یا یہ کہ جادو کر دیا گیا ہے کہ ہم اشیاء کو اپنی حقیقت پر نہیں دیکھ رہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا[١٦] - یعنی ہم نے آسمان میں برج پیدا کئے جن میں سورج کی گردش شمسی نظام کو ظاہر کرتی ہے موسم بنتے ہیں اور ان کی مناسبت سے انسان وحیوان کی بودوباش اور خوردونوش کا انتظام ید قدرت کی دستکاری کا مظہر ہے اور چاند کی انہی برجوں میں گردش قمری نظام کی موجب ہے اور شمسی و قمری دونو نظام ملکر انسان کے لیئے یوم وہفتہ وماہ وسال کی مقدار کے تعین کے ساتھ اس کے سکون قلب اور اطمینان نفس کے بہترین ذرائع ہیں بلکہ تمدنی زندگی کا دارومدار اگر مکمل ان دونو پر نہیں تو اس کا زیادہ تر انحصار ان پر ضرور ہے پھر آسمان کو دیدہ زیب دلکش اور جاذب نظر منظر بنانے کے لیئے اُس نے اس کو چھوٹے بڑے ستاروں سے مزین فرمایا اور سقف نیلگوں پر مختلف حجم و ڈیزائن کے قمقموں کی آب وتاب شب تیرہ وتاریک میں جو سہانا منظر پیش کرتی ہے دن بھر کے تھکے ماندوں کے لیئے اس سے بہترین سیرگاہ و مقام تفریح کا تصور بھی نہیں ہو سکتا اور یہ سب چیزیں توحید پروردگار اور اس کی حسن صنعت و تدبیر محکم کا کھلا اعلان ہیں جس کو کوئی ذی ہوش ٹھکرانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

رکوع نمبر ۲

حَفِظْنٰهَا[١٧] - حفظ کا معنی ہے کسی شی کے لیئے ایسی صورت پیدا کرنا جس سے وہ ضایع نہ ہو سکے پس ہر شی کا حفظ اس کی اپنی اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہوگا مثلاً علم قرآن کا حفظ کرنا درس و تدریس سے

ہے نماز کا حفظ کرنا اس کو قائم کرنا ہے۔ قرآنی الفاظ کا حفظ کرنا یاد کر لینا ہے مال کا حفظ کرنا اس کو محفوظ مقام میں بند کرنا ہے اور رقم کا حفظ کرنا خزانہ یا بنک میں جمع کرنا ہے وغیرہ بنا بریں آسمانوں کا شیطان سے حفظ کرنا اس کو روک دینا ہے کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں شیاطین آسمانوں پر جاتے تھے اور ملائکہ کی زبانی آیندہ ہونے والے واقعات سن کر پلٹتے تھے پس کاہن لوگ جن کے پاس تسخیر جن وشیاطین کا عمل ہوتا تھا وہ ان سے سن کر لوگوں کو بتاتے تھے۔

اِسْتَرَقَ ‌یہ سرقہ سے ہے جس کا معنی ہے چوری کرنا اور ہر شئے کا اپنے مقام محفوظ سے بغیر رضاء مالک حاصل کر لینا چوری شمار ہوتا ہے چنانچہ شیاطین کا ملائکہ سے باتیں سننا چوری سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شِهَابٌ ‌ہمیں آسمان کی طرف بعض اوقات جو دوڑتا ہوا ستارہ نظر آتا ہے کہ اس کے پیچھے آگ کے شعلے کی طرح ایک نورانی خط ہوتا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جب مبعوث ہوئے تو شیاطین کو صرف تین آسمانوں سے روکا گیا لیکن جب حضورؐ پیدا ہوئے تو پہلے چار آسمانوں سے بھی اس کو روک دیا گیا حتیٰ کہ جب یہ اوپر جانے کا قصد کرتے ہیں تو فرشتے ان کو آگ کے شعلوں کے ذریعے سے پیچھے بھگاتے ہیں ان کی حقیقت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے تو گویا شہاب ثاقب کا وجود حضرت رسالت مآبؐ کی تشریف آوری کے بعد ان کا تا قیامت جاری وساری معجزہ ہے۔

معجزاتِ ولادتِ رسالتمآبؐ

تفسیر برہان میں بروایت قمی حضرت آمنہ خاتون سے منقول ہے کہ جب آنحضرتؐ میرے شکم میں آئے تو مجھے حمل کا بوجھ محسوس نہ ہوا اور مجھے عالم خواب میں کسی کہنے والے نے کہا کہ تیرے شکم میں خیر الانام ہے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو دونوں ہاتھ اور گھٹنے زمین پر ٹیک کر سر کو بلند کیا اور ایک نور ساطع ہوا جس نے زمین وآسمان کے درمیان اجالا کر دیا اور شیطانوں کو آسمانوں سے روک دیا گیا۔ قریشیوں نے بہت سے شہاب ثاقب اِدھر اُدھر متحرک دیکھے اور گھبرا کر ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ شاید قیامت آنے والی ہے چنانچہ ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے جو ان کا بزرگ اور تجربہ کار ماہر تھا پس اس نے جواب دیا اگر اِدھر اُدھر چلنے پھرنے والے ستارے اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں تو یہ کوئی اور بات ہے۔

مکہ میں ایک یوسف نامی یہودی رہتا تھا اس نے ستاروں کی نقل وحرکت دیکھ کر قریشیوں سے دریافت کیا کہ تم میں آج رات کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں تو اس نے کہا تورات کی قسم تم غلط کہتے ہو کیونکہ اپنی کتابوں سے جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ خاتم الانبیاء آج رات پیدا ہوئے ہیں اور شیطانوں کو آسمانوں سے روکنے کے لئے شہاب ثاقب کا ٹوٹنا اس کی علامت ہے۔ پس قریشیوں نے پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کا لخت جگر پیدا ہوا ہے وہ یہودی قریشیوں کے ہمراہ درِ دولت پر حاضر ہوا اور مولود مسعود کی زیارت سے باریابی کی درخواست کی اور قریشیوں نے بھی اس کی سفارش کی چنانچہ جناب آمنہ خاتون ایک بندھنے میں لپیٹ کر سامنے لائی۔ پس یہودی نے آپ کی آنکھیں پھر مہر نبوت کے مقام سے کپڑا اٹھا کر نشان دیکھا تو بیہوش

مَدَدۡنٰهَا وَاَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ

کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ رکھ دئے اور اگایا اس میں سے ہر شئے کو مناسب

مَّوۡزُوۡنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلۡنَا لَـكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ وَمَنۡ لَّسۡتُمۡ

انداز سے اور مقرر کی تمہارے لئے اس میں روزی اور ان کے لئے بھی جن کے

لَهٗ بِرٰزِقِيۡنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ

تم رازق نہیں ہو اور کوئی شی نہیں مگر یہ کہ ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں

ہو کر گر پڑا جس سے قریشیوں میں ہنسی مچ گئی۔ اُس نے ہوش سنبھالتے ہوئے کہا کیا تم ہنس رہے ہو یا درکھو اے قریشیو! یہ تلوار لے کر اٹھے گا اور تمہیں موت کے گھاٹ اتارے گا۔ اور اب نبوت بنی اسرائیل سے ہمیشہ کے لئے چلی گئی ہے

اِدھر جب شیاطین پر ستارے ٹوٹے اور آسمانوں کا داخلہ بند ہوا تو گھبرا کر ابلیس کے پاس پہنچے کہ ہم پر شہاب ثاقب برسائے گئے ہیں تو اس نے کہا زمین میں کسی نئے حادثے کی خبر لاؤ انہوں نے کہا کہ ہمیں کسی نئے حادثے کا پتہ نہیں پس وہ مشرق سے مغرب تک خود پھرا۔ آخر کار زمین حرم پر ملائکہ کا بے پناہ ہجوم دیکھا اور جبریل کو دروازہ حرم پر بطور سنتری کھڑا ہوا پایا کہ اُس نے اس کو دیکھتے ہی دھتکار کر دفع کیا۔ ابلیس نے پوچھا کہ یہ اجتماع کیوں ہے؟ تو جبریل نے نے بتایا پیغمبر آخر الزمان ص کی ولادت کی خوشی ہے۔ اس نے پوچھا اس میں میرا بھی کچھ حصہ ہے؟ تو جواب ملا کہ نہیں۔ پھر پوچھا کہ اس کی اُمت میں میرا کچھ حصہ ہے؟ تو جواب دیا گیا کہ ہاں۔ پس وہ خوش ہو کر واپس پلٹا۔

بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پہلے ابلیس ساتوں آسمانوں کی سیر کیا کرتا تھا۔ ولادت عیسیٰ ع سے اس کو تین آسمانوں سے روکا گیا۔ پس چار تک جاتا تھا اور ولادت سرور کائنات کے بعد اس کو سب آسمانوں سے روک دیا گیا۔ اس روایت میں ولید بن مغیرہ کی بجائے عمرو بن امیہ کا نام مذکور ہے کہ قریشی گھبرا کر اس کے پاس آئے اور اس نے وہ مذکورہ بالا جواب دیا۔

اس روایت میں مذکور ہے کہ وقت ولادت پیغمبرؐ تمام بُت منہ کے بل گر پڑے اور ایسا زلزلہ آیا کہ ایوان کسریٰ کی بنیادیں ہل گئیں اور اس کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر گرے ساوہ کا پانی خشک ہو گیا ایران کا ہزار سال سے بھڑکتا ہوا آتش کدہ خاموش ہو گیا اور حجاز کی طرف سے ایک نور ساطع ہوا جو مشرق تک پھیل گیا دنیا بھر کے سلاطین کی گردنیں جھک گئیں اور اس دن کچھ بول نہ سکے کاہن لوگوں کا علم باطل ہو گیا اور جادوگروں کا جادو ختم ہو گیا اور رعب کے سبب کاہن ایک دوسرے سے پوشیدہ ہو گئے۔

وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ

اور ہم اس کو نہیں اتارتے مگر ایک اندازے سے جو ہمیں معلوم ہے اور بھیجا ہم نے ہواؤں کو حاملہ کرنیوالی

فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ

(بادلوں کو پانی سے) پس اتارا ہم نے آسمان سے پانی پس تم کو سیراب کیا اس سے حالانکہ تم اس کی حفاظت کرنے

بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾

والے نہیں ہو اور تحقیق ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی مالک ہیں

مَّوْزُوْنٍ ۔ بعض مفسرین نے اس مقام پر وزن سے قول مراد لیا ہے کہ خدا نے زمین سے تولنے کی جنسیں پیدا فرمائی ہیں اور پیداوار ہیں سے چونکہ اس کو ناپ اور شمار کی جانے والی اشیاء پر غلبہ حاصل ہے اس لئے مجازاً موزون کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور مراد تمام پیداوار ہے لیکن سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اس معنی کی تردید کر کے فرمایا ہے کہ یہاں موزون سے مراد مقدار مناسب ہے کہ خدا نے اشیاء کو ضرورت سے کم بھی پیدا نہیں کیا تاکہ عبث لازم آئے پس اتنی مقدار ہیں پیدا کیا جو حکمت و مصلحت کے مطابق تھی۔

وَمَنْ لَّسْتُمْ ۔ اس کی تین ترکیبیں کی گئی ہیں۔ اور ہر ترکیب کے لحاظ سے معنی کیا گیا ہے۔

(۱) مَعَايِشَ پر عطف ہے پس جَعَلْنَا ۔ کا مفعول ہو کر محلاً منصوب ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے اس زمین ہیں تمہاری روزی اور اسباب عیش و آرام پیدا کئے اور ایسی مخلوق تمہارے لئے پیدا کی جس کے رزاق تم نہیں ہو یعنی غلام کنیزیں اور حیوانات کہ ان کو رزق اللہ دیتا ہے اور خدمت تمہاری کرتے ہیں اور ذوی العقل یعنی غلام و کنیزوں کے غلبہ کی وجہ سے لفظ مَنْ ذکر کیا ہے جس کا استعمال ذوی العقول کے لئے مخصوص ہے۔

(۲) لَكُمْ ۔ کی ضمیر جمع مخاطب مجرور پر مَنْ کا عطف ہے اور معنی یہ ہوگا کہ زمین میں تمہارے لئے روزی بنائی اور ان تمہارے خدمت گار (غلاموں و کنیزوں اور حیوانوں کے لئے روزی بنائی جن کے تم رزاق نہیں ہو لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ضمیر مجرور پر عطف ناجائز ہے جب تک حرف جار کا اعادہ نہ ہو۔

(۳) اس کو الگ مستقل جملہ قرار دیا جائے اور مَنْ محلاً مرفوع مبتدا ہو اور اس کی خبر محذوف ہو یعنی وہ مخلوق جن کے تم رزاق نہیں ہو خدا نے تمہارے لئے پیدا کی۔

علامہ طبرسی نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور وہی انسب معلوم ہوتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ ۔ یعنی جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ زمین اگاتی ہے اس سب کے خزانے اللہ کے پاس

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ

اور تحقیق ہم آگے آنیوالوں کو جانتے ہیں اور تم میں سے پیچھے آنے والوں کو بھی جانتے ہیں اور تحقیق تیرا رب ان کو جمع

ہیں یعنی اس کی تمام قدرت اللہ کو حاصل ہے۔ جتنا چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی حکمت و مصلحت کے ماتحت ایجاد کرتا ہے۔ پس خزائن سے مقدورات خداوندی مراد ہے۔ لیکن علامہ فیض کاشانی نے تفسیر صافی میں اس معنی کو ناقابلِ قبول قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ خزائن سے مراد لوح قضا یعنی لوح محفوظ ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور اس میں تمام کائنات عالم کا علم موجود ہے اور یہ جو فرمایا کہ ہم اس کو ایک معلوم اندازہ سے نازل کرتے ہیں اس سے مراد لوحِ قدر یعنی لوحِ محو و اثبات ہے اور قمی سے مروی ہے کہ خزائن سے مراد آسمان سے نازل ہونے والا پانی ہے جس کی بدولت ہر قسم کے حیوانات کا رزق مقدّر پیدا ہوتا ہے۔

نَحْنُ نَازِلِیْنَ۔ یعنی ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں یا زمینوں سے چشمے و دریا جاری کرتے ہیں اس کے محافظ اور خازن بھی ہم ہیں یعنی قدرت ایجاد ہمیں حاصل ہے کہ مقدار معلوم کے ماتحت ایجاد کرتے ہیں ورنہ تمہارے بس میں نہیں کہ اس کو جمع کر لو اور خزانہ کر کے حسب ضرورت اپنے پاس محفوظ کر لو۔

نُحْیِیْ وَ نُمِیْتُ۔ یعنی موت و حیات صرف ہمارے قبضہ میں ہے اور سب مخلوق کے تنہا ہم ہی مالک ہیں خداوند کریم نے ان آیات میں اپنی توحید کے آثار بیان فرماتے ہیں (۱) زمین کا بچھانا (۲) پہاڑوں کا پیدا کرنا (۳) نباتات کا اگانا (۴) اسباب رزق کا مناسبت سے پیدا کرنا (۵) حیوانات کی تخلیق (۶) بادل بنانا (۷) مینہ برسانا (۸) پانی کا محفوظ رکھنا (۹) زندہ کرنا (۱۰) مارنا اور ان کے مفصل ذکر کے بعد فرما دیا۔ بس سب کے ہم مالک و وارث ہیں۔ پس ان امور کی کسی دوسرے کی طرف تخلیقی و تکوینی نسبت دینا یقیناً شرک ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے حضورؐ نے لوگوں کو جماعت کی پہلی صف میں کھڑے ہونے کی تاکید فرمائی کہ مردوں کے لئے پہلی صف افضل ہے اور آخری صف مکروہ ہے اور عورتوں کے لئے پہلی صف مکروہ ہے۔ اور آخری صف افضل ہے (کیونکہ مردوں کی آخری صف عورتوں کی پہلی صف کے قریب ہوتی تھی اور شیطانی وسواس کا زیادہ سے زیادہ خطرہ تھا) نیز آپ نے فرمایا نماز جماعت میں پہلی صف والوں پر فرشتے درود بھیجتے ہیں چونکہ بنو عذرہ کے گھر مسجد سے دور تھے تو انہوں نے اپنے گھر فروخت کر کے مسجد کے قریب گھر بنانے کا ارادہ کیا تاکہ بروقت پہنچ کر نماز کی صف اول میں شامل ہو سکیں۔ پس یہ آیت اتری کہ خدا آگے آنے والوں اور پیچھے رہنے والوں کی نیتوں سے واقف ہے نیز مروی ہے کہ بعض لوگ تو صف اول کے ثواب کے لئے جلدی آجاتے تھے لیکن بعض شرارتی قسم کے آدمی دیر سے حاضر ہوتے تھے تاکہ پچھلی صفوں میں کھڑی ہوئی عورتوں کو دیکھتے ہوئے آگے آئیں۔ پس یہ آیت ان کی سرزنش کے لئے اتری۔

يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

کرے گا تحقیق وہ حکیم و علیم ہے اور تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ

آواز کرنے والی مٹی سے جو لیسدار ڈھالی ہوئی تھی اور قوم جن کو ہم نے اس سے

اور بعض مفسرین نے دیگر تاویلات بھی کی ہیں (۱) امم گذشتہ و آئندہ (۲) اولین و آخرین (۳) جہاد میں بڑھنے والے اور پیچھے ہٹنے والے (۴) نیک کاموں میں سبقت کرنے والے اور جی چرانے والے ان سب کو خدا جانتا ہے۔ پس سب لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور جزا یا سزا پائیں گے۔

رکوع نمبر ۳ ذکر خلقت انسان

صَلْصَال۔ مضاعف رباعی صَلْصَلَۃٌ سے ہے لوہے کے جھنکار اور بجلی کی کڑک اور دھماکہ کی آوازوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ گیلی مٹی خشک ہونے کے بعد اوپر چلنے سے جو آواز پیدا کرتی ہے اس کو صلصال کہا گیا ہے۔

حَمَاءٍ۔ مٹی پر پانی ڈالنے اور گوندھنے کے بعد کچھ عرصہ تک رکھ دیا جاتا ہے تاکہ لیس دار بن جائے۔ پس اس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا جاتا ہے اور دیر کے بعد اس میں لزوبت اور لیس پیدا ہو جاتی ہے تاکہ اس سے بنائی ہوئی چیز پختہ دیرپا اور خوبصورت ہو۔ پس اس کو حماء کہا جاتا ہے

مَسْنُوْنٌ۔ اس کا معنی ہے ڈھالی ہوئی چیز اور یہ سنن سے ہے جس کا معنی ہے کسی سانچہ میں شئی کا ڈھالنا اور سُنّت کا لفظ بھی اسی مادہ سے ہے۔ اور ترکیب نحوی کے لحاظ سے حماء مسنون بدل ہے۔

نکتہ لطیفہ

مٹی کی چار الگ الگ حالتوں کے الگ الگ نام ہیں مثلاً خشک مٹی کا نام تراب پھر پانی کی آمیزش کے بعد کیچڑ کا نام طین پھر کچھ وقت تک پڑا رہنے، لیسدار بننے اور عمدہ گارا ہو جانے کا نام حماء اور اس کو سانچے میں ڈھال کر خشک حالت پر آ جانے کا نام صلصال ہے۔ جب وہ ٹھوکر مارنے سے آواز کرنے لگے اسی بنا پر قرآن مجید میں خلقت انسانی کا مادہ مختلف مقامات پر مٹی کی ان چار حالتوں میں سے کسی ایک کو قرار دیا گیا ہے۔

(۱) خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (۲) خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (۳) مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۴) مِنْ صَلْصَالٍ

نیز آگ میں پختہ کرنے سے پہلے صلصال کہا جاتا ہے اور پختہ ہونے کے بعد اس کو فخار کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد قدرت ہے۔ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔

قوم جن کی پیدائش

وَالْجَآنَّ۔ تفسیر برہان میں بروایت تحفۃ الاخوان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ خداوند کریم نے نار سموم کو پیدا کیا اور وہ ایسی آگ ہے جس

قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ

پہلے پیدا کیا بھڑکتی ہوئی آگ سے اور جب فرمایا تیرے رب نے فرشتوں کو تحقیق میں پیدا کرنے والا

بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ

ہوں بشر کو آواز کرنے والی لیس دار ڈھالی ہوئی مٹی سے پس جب اس کو پورا بنا لوں اور

میں گرمی نہیں اور اسی سے جان کو خلق کیا اور اس کا نام مارج رکھا پھر اسی سے اس کی زوجہ کو پیدا کیا جس کا نام مارجہ رکھا پھر ان دونو میاں بیوی سے جان پیدا ہوا پھر جان کا بیٹا جن پیدا ہوا اور اس سے آگے قوم جن کی نسل پھیلی اور ابلیس اسی کی اولاد میں سے ہے اس نے جان کی اولاد میں سے لہبا بنت روحا نامی ایک عورت سے شادی کی پہلی دفعہ اس کا ایک لڑکا بلیقس اور لڑکی طونہ جوڑویں پیدا ہوئے دوسری دفعہ بیٹا قفطس اور بیٹی قفطسہ پیدا ہوئے اور اسی طرح اس کی اولاد کا سلسلہ بڑھتا گیا اور اس کی نسل اس قدر بڑھی کہ جنگلوں، گھاٹیوں، وادیوں، جھاڑیوں اور پہاڑیوں میں مکھیوں اور مچھروں کی طرح پھیل گئی اور اسی روایت میں آگے چل کر آپ فرماتے ہیں کہ بنی آدم کے ایک ایک بچہ کے ساتھ اس کے ہاں سات سات بچے پیدا ہوتے ہیں اور سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہزاروں برس زمین پر سجدہ کرنے کے بعد اس کو آسمان اول پر ترقی دی گئی پھر ایک ہزار سال کی عبادت کے بعد دوسرے آسمان پر پھر ایک ہزار سال کے بعد تیسرے آسمان پر علی ہٰذالقیاس ساتویں آسمان تک پہنچا۔

خلقتِ آدمؑ

حدیث سابق میں ہے جب ابلیس نے آدمؑ کی خلقت کا ذکر سنا تو زمین پر آیا اور کہنے لگا کہ خدا تجھ سے ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جس کو تمام خلق پر فضیلت ہوگی لیکن جو ان میں سے نافرمان ہوگا اسے آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ پس جب جبریل کو حکم ہوا کہ زمین کے مشرق و مغرب اور پستی و بلندی سے ایک ایک مٹھی اٹھا کر لاؤ تاکہ نئی اور افضل مخلوق پیدا کی جائے تو جبریل زمین پر پہنچا ہی تھا کہ زمین نے خدا کی قسمیں دے دے کر دہائی شروع کر دی کہ مجھ سے مٹی نہ اٹھاؤ کہ مجھ میں عذاب کی تاب برداشت نہیں ہے چنانچہ ناکام واپس ہوا پھر میکائیل آیا تو وہ بھی زمین کی فریاد اور اس کی قسموں سے مرعوب ہو کر واپس خالی پلٹا پس عزرائیل کو حکم ہوا تو اس نے زمین کی فریاد پر کان دھرے بغیر شرق و غرب سے بلندی و پستی سے شور و شیریں سے اور عمدہ و ناقص سے ایک ایک مٹھی اٹھائی اور واپس آگیا پس ارشاد خداوندی ہوا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم قبض ارواح کے لئے بھی تو ہی موزوں ہے۔

سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ایک عرصہ دراز تک آدم کا پتلا ئے خاکی بغیر روح کے پڑا رہا پھر روح کو اس میں داخل ہونے کا حکم ملا اس مقام پر روح کی اللہ کی طرف اضافت ملکیت کو ظاہر کرتی ہے۔ رُوحی یعنی

نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ

اپنا روح اس میں داخل کرلوں تو گر جانا اس کے لئے سجدہ کرتے ہوئے پس سجدہ کیا

الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ

تمام فرشتوں نے مگر ابلیس اس نے انکار

میرا مملوک روح) پس دماغ کی جانب سے روح داخل ہوا پہلے آنکھیں کھلیں تو جانب عرش نگاہ کی۔ پس لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ لکھا ہوا نظر آیا۔ پھر کانوں میں روح پہنچی تو تسبیح ملائکہ سنی وہ اپنے مقام پر حکم سجدہ کے منتظر تھے پس ناک کے نتھنوں تک روح پہنچی تو چھینک لی اور حواس خمسہ کے بند سوراخ سب کھل گئے اور آدم نے الحمد للہ کا کلمہ زبان پر جاری کیا تو زبان توحید سے اس کو یرحمک اللہ سے جواب ملا اور اس کو اولاد آدم میں سُنّت قرار دیا گیا اور حدیث نبوی میں ہے جب کوئی چھینک دینے والا الحمد للہ کہے اور سننے والا اس کو یرحمک اللہ سے جواب دے تو اس سے ابلیس بہت کڑھتا ہے۔ روح کے متعلق وضاحت ص۱۰۳ پر ملاحظہ کیجئے۔

فَسَجَدَ۔ حدیث سابق میں ہے جب آدم کے پورے جسم میں روح داخل ہو چکی تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ جمعہ کا دن زوال کا وقت تھا۔ پس فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا تو سب سے پہلے جبریل پھر میکائیل پھر عزرائیل اور آخر میں اسرافیل نے سجدہ کیا ان کے بعد تمام ملائکہ مقربین سجدہ میں جھک گئے۔ اور عصر تک سر بسجود رہے۔ پس اسی وجہ سے یوم جمعہ کو اولاد آدم کے لئے عید کا دن قرار دیا گیا ہے۔

اقول ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنے کا مقصد صرف آدم کا اعزاز و اکرام تھا اور یہ سجدہ شکر پروردگار تھا حضرت آدم علیہ السلام کو قبلہ کی حیثیت دی گئی تھی جیسا کہ روایات میں یہی مضمون وارد ہے۔ اور ہم نے اس مقصد کو اپنی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں اچھی طرح واضح کیا ہے۔

حدیث سابق میں ہے بحکم پروردگار فرشتوں نے حضرت آدم کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر عالم بالا کی سیر کرائی اور آدم کا گذر جب کسی صف ملائکہ سے ہوتا تھا تو السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے تھے اور فرشتے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے تھے۔ اور آدم کو پروردگار کی جانب سے ندا پہنچی کہ یہ سلام تیرے اور تیری اولاد کے لئے تا قیام قیامت تحیہ رہیگا اور جس قوم میں سلام کا یہ رواج عام ہوگا وہ میرے عذاب سے محفوظ رہیں گے اور حدیث نبوی میں ہے آپ نے فرمایا میں تم کو ایسی تعلیم دوں جس پر عمل کرنے سے تم جنت کے حقدار بن جاؤ۔ لوگوں نے کہا بے شک یا رسول اللہ بتائیے تو آپ نے فرمایا۔ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاَفْشُوا السَّلَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ یعنی کھانا کھلاؤ۔ سلام کو عام کرو۔ رات کو نماز پڑھو جب کہ لوگ محو خواب ہوں پس سلامتی سے جنت میں داخل ہو گے اور حضور نے

يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ

کیا کہ ہو جائے شامل سجدہ کرنیوالوں میں فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہو گیا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں

مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ

شامل نہ ہوا ؟ کہنے لگا میں ایسے بشر کے لئے سجدہ کرنے کو تیار نہیں جس کو تو نے

فرمایا ہے مومن جب مومن پر سلام کرتا ہے تو ابلیس رو دیتا ہے اور ابھی یہ دونو آپس میں جدا نہیں ہوتے کہ خدا ان کے گناہ بخش دیتا ہے۔ پس آدم کو خدا نے ملائکہ کا خطیب بنایا اور آپ نے خطبہ میں پہلے پہل الحمد للہ کا کلمہ کہا جو ہمیشہ کیلئے سُنّت قرار دیا گیا۔

قَالَ لَمْ اَكُنْ جـ ۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس فرشتہ تھا یا جن۔ پس اگر جن تھا تو ملائکہ کے حکم سجدہ میں اس کو کیونکر شامل کر لیا گیا؟ اور اگر فرشتہ تھا تو فرشتوں سے نافرمانی کا صدور کیسے ممکن ہے جبکہ وہ نوری مخلوق ہیں۔ اس کا جواب تفسیر کی دوسری جلد ص۱۰ میں مفصل مذکور ہے۔ ابلیس نے سجدہ سے انکار کی وجہ آدم کا مٹی سے پیدا ہونا بیان کیا اور اپنی ناری خلقت پر ناز کیا اُس کا یہ قیاس مٹی کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی بنا پر تھا اور ہم نے اس کی وضاحت تفسیر کی چھٹی جلد پر ص۱۱ تا ص۱۴ کر دی ہے۔ لہذا یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ ابلیس کو قرائن حالیہ کی رُو سے حکم سجدہ میں شامل ہونے کا یقین تھا جبھی تو خدائی سرزنش کے بعد یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکا کہ میں حکم سجدہ میں شامل نہیں تھا کیونکہ حکم صرف فرشتوں کو ہی تھا اور میں قوم جن سے تھا بلکہ انکار کی وجہ اپنا تکبّر اور آدم کی خاکی پیدائش کو ہی قرار دیا۔ پس خدا کی اس پر لعنت برسی اور تفسیر برہان کی سابقہ روایت میں ہے کہ اس کی حسین و جمیل صورت بدصورتی سے بدل گئی۔ پس فرشتے آگ کے حربے لیکر اس کے پیچھے پڑ گئے اور اس کو وہاں سے نکال دیا۔ پہلے پہل اس پر جبریل نے لعنت کی پھر میکائیل پھر اسرافیل اور آخر میں عزرائیل نے کی۔ اس کے بعد ہر طرف سے لعنت کی پھٹکار ہوئی اور وہ بھاگ کھڑا ہوا اور ابلیس کی اس جرأت و سرکشی سے آسمانوں میں لرزہ کی کیفیت طاری تھی۔

ابلیس کے دل میں حضرت آدمؑ پر حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس کی اولاد کو گمراہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ سابقہ روایت میں ہے کہ ملائکہ کے سامنے خطبہ پڑھنے اور اپنا علمی وقار تسلیم کرانے کے بعد جب آپ منبر سے نیچے اترے تو ان کی پہلی ضیافت انگوروں سے کی گئی جو جنت کی پیداوار تھی پس تناول فرمانے کے بعد انہوں نے الحمد للہ کا کلمہ زبان سے جاری کیا جو سنت جاریہ بن گیا اس کے بعد آپ سو گئے جب ابلیس کو یہ پتہ چلا کہ وہ کھاتا پیتا اور سوتا بھی ہے تو خوش ہوا کہ اس کو گمراہ کرنا آسان ہے۔ اور اسی حدیث میں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ مال حرام اور اولاد حرام میں شیطان حصہ دار ہوتا ہے

صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۝۳۳ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ

آواز کرنے والی لیس دار مٹی سے ڈھالا ہے فرمایا نکل جا اس سے تحقیق تو لعنتی

رَجِيۡمٌ ۝۳۴ وَّاِنَّ عَلَيۡكَ اللَّعۡنَةَ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝۳۵ قَالَ رَبِّ

ہے اور تحقیق تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت ہو گی کہنے لگا اے رب

فَاَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ۝۳۶ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ۝۳۷

مجھے مہلت دے اس دن تک جب اٹھائے جائیں گے فرمایا تحقیق تجھے مہلت دی گئی

اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ۝۳۸ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاُزَيِّنَنَّ

ایک معلوم وقت تک کے لئے کہنے لگا اے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے لہذا ہیں مزین

لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۝۳۹ اِلَّا عِبَادَكَ

کروں گا (باطل کو) ان کے سامنے زمین میں اور ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو مگر تیرے وہ بندے جو

مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ۝۴۰ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسۡتَقِيۡمٌ ۝۴۱

ان میں سے مخلص ہوں گے (گمراہ نہ ہونگے) فرمایا یہ میرا سیدھا راستہ ہے

اِنَّ عِبَادِىۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

تحقیق میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہ ہو سکے گا مگر وہ لوگ جو گمراہوں میں سے تیرے پیچھے چلیں گے

اور آپ نے فرمایا کہ حلال عورت سے مجامعت کرتے وقت بھی اللہ کا نام لیا کرو۔ (بسم اللہ کو پڑھا کرو) ورنہ شیطان شریک ہوگا

قَالَ رَبِّ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ابلیس نے چوتھے آسمان پر دو رکعت نماز پڑھی تھی جو چھ ہزار سال میں تمام ہوئی۔ اسی کے بدلہ میں خدا نے اس کو وقت معلوم تک مہلت دی ہے۔ نیز آپ سے منقول ہے کہ اس سے مراد قائم آل محمدؐ کا زمانہ ہے پس یہ گرفتار ہو کر آپ کے پیش ہو گا جب کہ آپ مسجد کوفہ میں تشریف فرما ہوں گے پس آپ کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ اَغۡوَيۡتَنِىۡ۔ اس کی تفسیر چھٹی جلد صفحہ ۱۸ پر گذر چکی ہے شیطان کے پاس گمراہی کے جال بہت سے ہیں چنانچہ جب اس کو نکالا گیا تو حدیث سابق میں ہے اس نے پوچھا

اے پروردگار میرا ٹھکانا زمین میں کہاں ہوگا؟ تو فرمایا مزابل پر یعنی غلیظ جگہوں پر۔ کہا میں پڑھوں گا کیا؟ تو جواب ملا کہ شعر۔ پوچھا میرا موذن کون ہوگا؟ تو جواب ملا کہ طبلہ سارنگی۔ دریافت کیا کہ میری غذا کونسی ہوگی؟ تو جواب ملا ہر وہ چیز جس پر میرا نام نہ لیا گیا ہو۔ پوچھا کہ میرا مشروب کیا ہوگا؟ تو جواب ملا کہ ہر قسم کی شراب۔ کہا میرا گھر کہاں ہوگا؟ تو جواب ملا کہ حمام۔ کہنے لگا میری مجلس کہاں ہوگی؟ تو جواب ملا کہ بازار میں اور عورتوں کے اجتماعات ہیں۔ کہنے لگا میرا لباس کیا ہوگا؟ تو جواب ملا کہ راگ و رنگ۔ پھر پوچھا میری شکارگاہ کیا ہوگی تو جواب ملا کہ عورتیں۔ پس یہ خوش ہو کر چلا گیا تو آدم نے عرض کی میری اولاد کیا کرے گی؟ تو ارشاد ہوا تجھے تین چیزیں عطا کرتا ہوں۔ ایک صرف میرے لئے، دوسری صرف تیرے لئے اور تیسری میرے اور تیرے درمیان مشترک ہوگی۔ پہلی چیز جو صرف میرے لئے ہے وہ ہے عبادت کہ اس میں کسی کو شریک نہ کیا جائے دوسری جو صرف تمہارے لئے ہے وہ یہ کہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دوں گا کہ اس کا ایک ایک حصہ بڑے سے بڑے پہاڑ سے بھی وزنی ہوگا۔ اور تیسری چیز جو مشترک ہے وہ یہ کہ تمہارا کام ہے دعا مانگنا اور میرا کام ہے قبول کرنا۔ پس یہ سن کر ابلیس سٹ پٹایا اور چلایا کہ ہائے میں بنی آدم کو کیسے گمراہ کروں گا۔

صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ۔ عَلَيَّ کو عَلِيٌّ بھی پڑھا گیا ہے اور جر پڑھنے کی کوئی قرأت منقول نہیں۔ لیکن تفسیر اہلبیت میں جر کی قرأت کا احتمال ہے چنانچہ تفسیر برہان وصافی میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے صِرَاطُ عَلِيٍّ منقول ہے اور بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم وہ علی ہیں اور خدا کی قسم وہی میزان اور صراط مستقیم ہیں۔ نیز تفسیر برہان میں مناقب ابن شاذان سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب نے عرض کی حضورؐ! آپ علیؑ کے متعلق فرماتے ہیں۔ اَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى۔ حالانکہ ہارون کا قرآن میں ذکر موجود ہے اور علی علیہ السلام کا نہیں تو آپ نے جھڑک کر فرمایا کہ کیا اللہ نے نہیں فرمایا۔ هٰذَا صِرَاطٌ عَلِيٌّ مُسْتَقِيمٌ۔

اِنَّ عِبَادِيْ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد آئمہ اور ان کے شیعہ ہیں۔

اِنَّ جَهَنَّمَ۔ جہنم کے سات دروازوں سے مراد اس کے تہ بہ تہ سات طبقے ہیں جن کو درکات جہنم کہا جاتا ہے تفسیر برہان میں بروایت امام محمد باقر علیہ السلام ترتیب اس طرح ہے (۱) جحیم (۲) لظی (۳) سقر (۴) حطمہ (۵) ہاویہ (۶) سعیر (۷) جہنم اور اسی میں وہ کنواں ہے جس کا ڈھکنا کھولنے سے دوزخ کے تمام طبقات بھڑک اٹھتے ہیں اور اس کا عذاب سب درکات جہنم سے زیادہ ہے اور مجمع البیان میں درکات جہنم نیچے سے اوپر اس ترتیب سے منقول ہیں۔ (۱) سب سے نیچے جہنم (۲) لظی (۳) حطمہ (۴) سقر (۵) جحیم (۶) سعیر (۷) ہاویہ اور ایک روایت اس کے الٹ ہے۔ یعنی سب سے نیچے ہاویہ اور سب سے اوپر جہنم ہے اور ابن عباس کی روایت میں ترتیب جہنم۔ سعیر۔ سقر۔ جحیم۔ لظی۔ حطمہ اور ہاویہ ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جنت کے طبقات ایک دوسرے کے اوپر نیچے نہیں بلکہ ایک دوسرے کے عرض میں ہوں گے اور تفسیر برہان میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہوں گے

(آٹھ طبقات ہوں گے) ایک دروازہ نبیوں اور صدیقوں کے لیے۔ دوسرا جملہ شہداء اور صالحین کے لیے پھر پانچ دروازے ہمارے شیعوں اور محبوں کے لیے ہوں گے۔ میں صراط پر کھڑے ہو کر کہوں گا اے میرے پروردگار! میرے شیعوں محبوں، مددگاروں اور موالیوں کو بچا لے تو بطنان عرش سے ندا آئے گی کہ تیری دعا مقبول ہے۔ پس میرا ایک ایک شیعہ و موالی اپنے ہمسایوں اور قریبیوں میں سے ستر ستر ہزار آدمیوں کی شفاعت کر سکے گا جنھوں نے میری مدد کی ہو گی۔ اور میرے دشمنوں سے دشمنی رکھی ہو گی اور جنت کا آٹھواں دروازہ ان عام مسلمانوں کے لیے ہو گا جن کے دلوں میں ایک مثقال برابر بھی اہل بیت کا بغض نہ ہو گا۔

اسرار روحانیہ

(۱) تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ روحی میں روح کی اللہ کی طرف نسبت پسندیدگی، برگزیدگی اور اشرفیت کی بنا پر ہے کہ خدا نے ایک برگزیدہ روح کو خلق فرمایا جس کو باقی ارواح پر فوقیت بخشی اور اسی سے حضرت آدم میں نفخ فرمایا۔

(۲) علامہ فیض کاشانی تحریر فرماتے ہیں کہ روح عالم حس و شہادت سے نہیں بلکہ یہ عالم ملکوت و غیب سے ہے یوں سمجھ لیجیے کہ بدن بمنزلہ چھلکے یا غلاف یا قالب کے ہے اور روح ہی اس کی زندگی کا موجب ہے پس وہ اس سے ایک الگ مخلوق ہے جیسے کہ وہ فرماتا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ اور بروایت بصائر امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن اور اس کے بدن کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک ڈبیہ میں موتی اور جب موتی نکال لیا جاتا ہے تو ڈبیہ کو پھینک دیا جاتا ہے اور فرمایا کہ روح بدن میں مخلوط نہیں بلکہ وہ اس سے الگ اور اس پر حاوی اور مسلط ہے۔

(۳) بروایت احتجاج آپ سے مروی ہے کہ روح نہ ثقیل ہے نہ خفیف بلکہ یہ ایک لطیف جسم ہے جس کو کثیف قالب کا لباس پہنایا گیا ہے آپ سے دریافت کیا گیا کہ قالب سے جدا ہو جانے کے بعد کیا وہ فنا ہو جاتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ نفخ صور تک زندہ رہے گا پس جب نفخ صور ہو گا تو ہر چیز کے ساتھ یہ بھی فنا ہو جائے گا اور دوسری بار جب نفخ صور ہو گا تو ہر شے کو ان کا خالق دوبارہ زندہ کرے گا۔ پس یہ بھی دوبارہ زندہ ہو گا اور ہر دو نفخ کے درمیان چار سو برس کا زمانہ ہو گا۔

(۴) نفخ صور کے زمانہ تک نیک لوگوں کے ارواح عیش و آرام اور روشنی میں ہوں گے اور بدکردار و بدعقیدہ گنہگاروں کے ارواح عذاب کی تنگی و تاریکی میں رہیں گے۔

(۵) بروایت کافی حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں منقول ہے کہ حضور رسالتمآب نے فرمایا انبیاء و مرسلین میں خدا نے پانچ روحیں خلق فرمائی ہیں (۱) روح القدس (۲) روح الایمان (۳) روح القوہ (۴) روح الشہوہ (۵) روح البدن پس وہ روح القدس کی بدولت نبی و رسول بنائے گئے اور روح الایمان کے ذریعے سے وہ عابد و

الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا

اور تحقیق دوزخ ان سب کی وعدہ گاہ ہے اس کے

سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ع ۳

سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لئے ان میں سے ایک حصہ معین ہے

موحد ہوئے اور روح القوۃ کے سبب سے کسب معاش اور جہاد کیا اور روح شہوت کی بدولت عورتوں سے نکاح کیا اور روح بدن کے ذریعے سے وہ چلنے پھرنے پر موفق ہوئے۔ پھر ان میں سے بعض بعض کے بعض پر درجات بلند ہیں اور یہ سابقون کے مصداق ہیں اور مومنوں میں خدا نے روح القدس کے علاوہ باقی چار روح پیدا کئے اور وہ اصحاب المیمنہ ہیں اور باقی لوگوں میں روح الایمان کے علاوہ باقی تین روح ہیں اور وہ اصحاب المشئمہ ہیں۔ ملخصاً

(۶) ایک طویل روایت میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے کمیل سے فرمایا کہ نفس چار ہیں (۱) نفس نامیہ نباتیہ (۲) نفس حسیہ حیوانیہ (۳) نفس ناطقہ قدسیہ (۴) نفس کلیہ الہیہ۔ اور ان میں سے ہر ایک کی پانچ پانچ قوتیں اور دو دو خاصیتیں ہیں چنانچہ نفس نامیہ نباتیہ کی پانچ قوتیں۔ ماسکہ، جاذبہ، ہاضمہ، دافعہ اور مربیہ ہیں ان کی خاصیت بڑھنا یا گھٹنا ہے اور یہ جگر کی پیداوار ہیں اور نفس حسیہ حیوانیہ کی پانچ قوتیں سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ ہیں اور اس کی دو خاصیتیں غصہ اور رضامندی ہیں اور یہ دل کی پیداوار ہیں اور نفس ناطقہ قدسیہ کی پانچ قوتیں فکر، ذکر، علم، حلم اور بیدار مغزی و بلند حوصلگی ہیں اور اس کی دو خاصیتیں پاکیزگی اور دانائی ہیں اور نفس کلیہ الہیہ کی پانچ قوتیں فنا میں لذت بقار، بدحالی میں لطف نعمت۔ ذلت میں عزت نفس۔ دولت مندی میں فاقہ مستی اور مصائب پر صبر و ضبط ہیں اور ان کی دو خاصیتیں تسلیم و رضا ہیں اور یہ وہی ہے جس کا مبدا و مآل اللہ ہے اور اسی کے متعلق ارشاد ہے۔ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ اور اسی کو دوسرے مقام پر نفس مطمئنہ قرار دیا گیا ہے۔

رکوع نمبر ۴ متقی لوگ جنت میں جائیں گے

لِلْمُتَّقِيْنَ۔ بروایت برہان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں منقول ہے جب کہ آپ قبر اور منبر کے درمیان اپنے چند شیعوں سے خطاب فرما رہے تھے۔ آپ نے ان کو سلام دیا اور فرمایا خدا کی قسم میں تمہاری ارواح سے محبت کرتا ہوں پس تم زہد و تقوے کے ساتھ میری اعانت کرو۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ وِلَايَتَنَا لَا تُنَالُ اِلَّا بِالْوَرَعِ وَالْاِجْتِهَادِ۔ یقین کرو کہ ہماری ولا تقویٰ اور پرہیزگاری کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

جناب رسالت مآبؐ کا فرمان ہے اے علی تو اور تیرے شیعہ جنت میں جائیں گے اور قرآن کا فرمان ہے۔ متقی لوگ جنت میں جائیں گے پس اس کا صاف نتیجہ یہ ہے کہ علی کے شیعہ وہی ہیں جو متقی ہوں۔ چنانچہ حدیث سابق

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِينَ

تحقیق متقی لوگ باغات اور چشموں میں ہونگے (انکو کہا جائیگا) اس میں داخل ہوجاؤ سلامتی کے ساتھ بحالِ امن

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلٰى ﴿۴۶﴾

اور ہم کھینچ لیں گے جو ان کے سینوں میں کینے ہوں گے خوشی کی مسندوں پر بھائیوں کی طرح ایکدوسرے

سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِينَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا

کے سامنے ہوں گے نہ ان کو مس کرے گی تھکان اور نہ وہ اس سے نکالے

بِمُخْرَجِينَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۴۹﴾

جائیں گے خبر دو میرے بندوں کو تحقیق میں بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں

وَأَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ

اور تحقیق میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے اور ان کو بتا دو ابراہیم کے مہمانوں

إِبْرٰهِيمَ ﴿۵۱﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ط قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ

کا قصہ جب اس پر داخل ہوئے پس سلام کیا تو اس نے کہا ہمیں تم

وَجِلُونَ ﴿۵۲﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيمٍ ﴿۵۳﴾

سے خطرہ ہے کہنے لگے نہ خطرہ کرو تحقیق ہم تجھے دانا بچے کی خوشخبری سناتے ہیں

اسی بات کو ثابت کر رہی ہے۔

نُبَشِّرُكَ۔ بشارت کی تفصیل اور واقعہ سورۂ ہود کی تفسیر میں جلد ۷ ایڈیشن ۱ پر گذر چکا ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے ایک دفعہ حضرت سارہ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ تجھے خدا نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ اور وہ تیری دعا کو رد نہیں فرماتا آپ اللہ سے دعا مانگیں تاکہ وہ ہمیں لڑکا عطا فرمائے جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو پس خدا کی جانب سے خوشخبری دی گئی کہ تجھے علیم لڑکا دوں گا اور مروی ہے کہ بخل کی بدولت قوم لوط اس اخلاق سوز مصیبت میں مبتلا ہوئی۔ قدرے تفصیل تفسیر کی جلد نمبر ۶ ص۵۶ پر مذکور ہے یہ لوگ پہلے پہل ضیافت سے تنگ آکر مہمانوں کے ساتھ غیر فطری فعل کے مرتکب ہوئے۔ پھر مہمانوں نے

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾

فرمایا خوشخبری کیسے ؟ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں پس کس کی خوشخبری سناتے ہو

قَالُوْا بَشَّرْنٰکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَ

کہنے لگے ہم نے ٹھیک خوشخبری دی ہے پس آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے فرمایا اللہ

اگرچہ وہ راہ ترک کر دی تھی لیکن ان میں یہ عادت گھر کر گئی۔ پس عورتوں کی بجائے مردوں پر شہوت بجھانا ان کا معمول زندگی بن گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جو حضرت ابراہیمؑ کے خالہ زاد یا چچا زاد اور سارہ کے بھائی تھے ان میں تیس برس رہ کر تبلیغ فرمائی لیکن بے اثر ثابت ہوئی۔ پس اللہ نے جب ان پر عذاب بھیجنا چاہا تو چونکہ حضرت ابراہیمؑ و حضرت لوطؑ کی دلداری بھی مقصود تھی لہذا عذاب لانے والے فرشتوں کو پہلے ابراہیم کے پاس بیٹے کی خوشخبری کے لئے بھیجا اور بعد میں قوم لوط کی ہلاکت کی خبر دی تاکہ قوم کے عذاب کی خبر سے پہلے بیٹے کی بشارت سُن لیں اور بعد والی اندوہناک خبر کو برداشت کر کے صبر و ضبط سے کام لینے میں ان کو آسانی ہو۔ چونکہ وہ رات کو پہنچے تو آپ نے سمجھا کہ چور ڈاکو ہیں لہذا ڈر گئے تو انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم خوشخبری دینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ اگرچہ حضرت ابراہیمؑ کو بشارت پروردگار کا پورا علم تھا اور مطمئن تھے لیکن ظاہری تعجب کے جواب میں فرشتوں نے کہا آپ مایوس نہ ہوں۔ یہ خوشخبری بالکل درست ہے اس کے بعد قوم لوط کے عذاب کی خبر سنائی۔

رکوع نمبر ۵ قوم لوط کا ذکر

بالحق۔ حق کا اطلاق کئی معانی پر ہوا کرتا ہے (۱) امر واقع (۲) صدق (۳) ذات پروردگار (۴) دین اسلام (۵) قیامت (۶) موت (۷) عذاب (۸) حکمت وغیرہ اور آیت مجیدہ میں اس مقام پر حق سے مراد عذاب ہے اور مجاز مرسل کے طور پر عذاب کی اطلاع مقصود ہے جس طرح آیت نمبر ۵۵ میں صدق اور آیت نمبر ۸۵ میں حکمت مراد ہے۔

فَاَسْرِ ص۱۸۸ یعنی رات کا کچھ حصہ باقی ہو تو آپ کو روانہ ہو جانا چاہیئے اس طریقہ سے کہ آپ سب کے پیچھے چلیں تاکہ نجات یافتگان آپ کی نظر میں ہوں اور اس طرح جاؤ کہ پیچھے پلٹ کر کوئی نہ دیکھے یعنی بعد میں ہونے والے حالات سے بے نیاز ہو کر جاؤ جس طرح کسی کو کہا جاتا ہے اس طرح چل کہ پیچھے کی طرف نہ دیکھنا یعنی بے فکر ہو کر سیدھا چلا جا اور تفسیر برہان میں ہے وقت مقرر کیا گیا کہ سات دن گذرنے کے بعد آٹھویں رات کو آخری حصہ میں جانا چنانچہ آٹھویں رات گذرنے پر صبح کو عذاب آیا۔

قَضَیْنَآ ص۱۸۸ یعنی ہم نے لوط کو اطلاع دے دی تھی کہ صبح تک یہ سب عذاب میں گرفتار کر لئے جائیں گے۔ اور ان سب میں سے جو بعد میں معذب ہوگا وہ بھی صبح تک ختم ہو جائے گا یا یہ کہ ان کی پوری نسل ختم کر دی جائے گی۔

مَنۡ يَّقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا

کی رحمت سے کون مایوس ہوتا ہے؟ سوائے گمراہوں کے فرمایا تمہارا ضروری

خَطۡبُكُمۡ اَيُّهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمٍ

کام کونسا ہے؟ اے (اللہ کے) بھیجے ہوئے کہنے لگے تحقیق ہم بھیجے گئے ہیں مجرم قوم

مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّاۤ اٰلَ لُوۡطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۵۹﴾

کی طرف سوائے لوط کے گھرانے کے تحقیق ہم ان سب کو بچا لیں گے

اِلَّا امۡرَاَتَهٗ قَدَّرۡنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ

سوائے اسکی عورت کے ہمارا فیصلہ ہے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی پس جب آئے

امر کی وضاحت اولوالامر کی بحث میں بعض لوگ کج بحثی کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ آئمہ معصومین علیہم السلام اولوالامر ہونے کی حیثیت سے تکوینیات میں دخیل تھے حالانکہ قرآن مجید کی تصریحات اس کے برعکس ہیں دیکھئے حضرت لوطؑ و حضرت ابراہیمؑ اپنی اپنی قوم کے لئے وقت کے اولوالامر تھے۔ پس جب عذاب کا وقت آیا تو خدا نے اپنے نبی کو اطلاع دے دی اور سورہ ہود کی تفسیر میں جلد ۷ ایڈیشن نمبرا صفحہ ۲۲۳ پر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ سے عذاب کے ہٹانے کی پرزور سفارش کی جس کو اللہ نے مجادلہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا لیکن خدا نے ابراہیم کی جو وقت کے اولوالامر تھے کوئی سفارش قبول نہ فرمائی اور سرزنش کرکے فرمایا۔ یٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا اے ابراہیم اس بات کو چھوڑیئے اور کوئی سفارش نہ کیجیے کیونکہ ان پر عذاب کا فیصلہ حتمی ہے اور یہ ہرگز نہیں ٹل سکتا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے فیصلے میں اپنے کسی نبی وولی اور رسول و اولوالامر سے نہ مشورہ لیتا ہے اور نہ ان کی سفارش قبول کرنے کا پابند ہے البتہ ان کی جلالت قدر اور عظمت شان کے پیش نظر مصلحت کے ماتحت ان کو قبل از وقت اطلاع دے دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ کا واقعہ اور ان کی اپنے بیٹے کے حق میں سفارش اور اس کا سخت لہجہ میں جواب قرآن مجید میں مذکور ہے جو مذکورہ بالا بیان کی تائید کرتا ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ۔ آیات مجیدہ کی تفسیر جلد ۷ سورہ ہود صفحہ ۲۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔ ایڈیشن نمبرا

بَنٰتِیۡۤ۔ قوم کی بیٹیاں مراد ہیں۔ تفصیل جلد ۷ صفحہ ۲۳۴ پر دیکھیں۔ ایڈیشن نمبرا

لَعَمۡرُكَ۔ (صفحہ ۱۹۰) یہ حضرت رسالتمآبؐ کا ہی اعزاز و اکرام ہے کہ خداوند کریم نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔

اٰلَ لُوۡطِ ۣالۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوۡا

آل لوط کے پاس خدا کے بھیجے ہوئے (فرشتے) آپ نے فرمایا تحقیق تم اجنبی لوگ ہو تو کہنے لگے

بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ وَ

بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے تھے اور ہم تیرے پاس (عذاب) کی یقینی خبر لائے

اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ

ہیں اور ہم سچے ہیں پس چلے جاؤ اپنی اہل کو لیکر جب رات کا کچھ حصہ باقی ہو اور خود ان کے

اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ

پیچھے چلو اور تم میں سے پیچھے پلٹ کر کوئی نہ دیکھے اور چلے جاؤ جہاں تمہیں حکم ہوا ہے

وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿۶۵﴾

اور ہم نے اپنا حتمی فیصلہ اس کو بتا دیا تھا تحقیق ان کی نسل صبح تک قطع ہو جائے گی

وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ ﴿۶۷﴾

اور آئے شہر والے ایک دوسرے سے (لڑکوں کی) خوشخبری سنتے ہوئے آپ نے فرمایا یہ میرے

تنبیہ۔ اس میں شک نہیں کہ علی سے مہدی تک تمام آئمہ اولوالامر کے مصداق ہیں لیکن اس کلمہ میں امر کا معنی حکم ہے یعنی خدا کی جانب سے معین کردہ حکمران ہیں اور اس لحاظ سے انبیاء اوصیاء اپنے اپنے زمانہ کے اولوالامر تھے لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں امر کا لفظ وارد ہو۔ اسی کلمہ کی وجہ محمدؐ و آل محمدؐ کو اس میں متصرف قرار دیا جائے کہ یہ اولوالامر ہیں اور ہمارے ہاں بے لگام مقررین قرآن مجید میں ذکر ہونے والے ہر امر کو آل محمد کی تحویل میں سمجھ لیتے ہیں حالانکہ امر متعدد معانی کے لیے قرآن میں وارد ہے۔ مثلاً ارادۂ خداوندی۔ مشیت۔ فیصلہ۔ قیامت معاملہ عذاب شان اور حکم وغیرہ اور آئمہ طاہرین آخری معنی کے لحاظ سے اولوالامر ہیں۔ یعنی وہ امور شرعیہ کے نفاذ و رواج کے لئے تمام اُمت کے حاکم ہیں۔

سِجِّيۡلٍ[۱۹] تفسیر کی جلد نمبر ۷ صفحہ ۲۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔ ایڈیشن نمبر ۱

لِلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ[۱۹] تفسیر برہان میں عبدالرحمن بن کثیر سے مروی ہے۔ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے

ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْا

مہمان ہیں پس تم مجھے رسوا نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے شرمسار نہ کرو کہنے لگے

اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ

کیا ہم نے تجھے لوگوں (کی میزبانی) سے روکا نہیں ؟ فرمایا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم (شادی) کرنے والے ہو

ہمراہ سفرِ حج کیا۔ ایک جگہ آپ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور لوگوں کے ہجوم کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے۔ مَا اَكْثَرَ الضَّجِيْجَ وَمَا اَقَلَّ الْحَجِيْجَ۔ یعنی شور کس قدر زیادہ ہے اور حاجی کسقدر کم ہیں۔ پس داؤد بن کثیر رقی نے عرض کی اے فرزند رسولؐ! کیا خدا ان سب کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے ؟ تو آپ نے جواب دیا اے ابو سلیمان، خدا مشرک کو کبھی نہیں بخشے گا اور علی کی ولایت کا منکر بت پرست کی مانند ہے۔ میں نے عرض کی حضور! آپ اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچان لیتے ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا اے ابو سلیمان، جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا جاتا ہے مومن ہے یا کافر۔ جو آدمی ہمارے پاس آئے تو ہم اس کی پیشانی سے سمجھ لیتے ہیں کہ کون ہے ؟ جیسا کہ خدا فرماتا ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۔ پس ہم اسی اپنے دوستوں اور دشمنوں کو جان لیتے ہیں اور بروایت عیاشی منقول ہے کہ متوسمین سے مراد آلِ محمدؐ ہیں۔ چونکہ جامع قرآن نے ترتیب آیات سے قطع نظر قرآن کو جمع کیا ہے لہٰذا یہ سوال بالکل لغو ہے کہ یہ آیت قوم لوط کے حالات سے مختص ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ آیت مجیدہ اس مقام پر مسافر اور اجنبی سے معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ ص۱۹۱۔ تفسیر کی جلد ۶ ص۵۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اصحاب ایکہ پر بادل سے بجلی گری تھی اور اصحاب مدین دھماکے (صاعقہ) سے معذب ہوئے تھے۔ ان دونوں کے رسول حضرت شعیب تھے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ایکہ گھنے درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں اور حضرت شعیب کی قوم کا بھی یہی مسکن تھا

لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ص۱۹۱۔ یعنی ان دونوں قوموں سے عبرت لینی چاہیئے اور وہ اس لحاظ سے امام یعنی پیشرو ہیں۔

رکوع نمبر ۶ قوم صالح کا ذکر

اَصْحٰبُ الْحِجْرِ ص۱۹۱ کہتے ہیں مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی تھی جس کا نام حجر تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ حجر اس شہر کا نام تھا۔ جس میں قوم ثمود کی رہائش تھی۔ اور حضرت صالح ان کی طرف مبعوث برسالت ہوئے اور چونکہ ایک رسولؐ کی تکذیب تمام نبیوں اور رسولوں کی تکذیب ہے لہٰذا تمام رسولوں کی تکذیب کی ان کی طرف نسبت دی گئی۔ ناقہ اور اس کا بچہ پھر ایک دن اس کا پینا اور قوم پر دودھ کا کافی ہونا اور دوسرے دن قوم کا پانی پینا اور اس کا پیاسا رہنا وغیرہ یہ سب اللہ کی طرف سے آیات تھیں جن کو انہوں نے ٹھکرایا اور مستحق عذاب ہوئے۔

فِعِلِيْنَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾

تیری زندگی کی قسم تحقیق وہ اپنے نشے میں سرگردان تھے

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا

پس پکڑ لیا ان کو دھماکے نے دن نکلے پس کر دیا ہم نے اوپر کے حصے کو نیچے

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٧٤﴾ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور برسائے ان پر پتھر سخت قسم کے تحقیق اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ إِنَّ فِيْ

نشانیاں ہیں غور کرنیوالوں کے لئے اور تحقیق ان کی بستی ایک معروف سڑک پر واقع تھی تحقیق اس میں

یَنْحِتُوْنَ[۱۹۱] - سنگ تراشی کے ماہر تھے پس پتھروں سے گھر بناتے تھے۔ عمریں لمبی لمبی رکھتے تھے اور بڑے اطمینان و آرام سے چوروں ڈاکوؤں کے خطرہ سے بے نیاز ہو کر زندگی گذارتے تھے۔ مفصل قصہ جلد ۶ صفحہ ۴۹ تا صفحہ ۵۶ اور جلد ۷ صفحہ ۲۲۸ مذکور ہو چکا ہے۔ ایڈیشن نمبرا

مَا خَلَقْنَا[۱۹۱] - دعوت اسلامیہ کے تتمہ کے طور پر خدا نے اپنی خالقیت و حکمت کا ذکر دہرایا اور اس میں تدبر نہ کرتے ہوئے دعوت حق کو ٹھکرانے والوں کو قیامت کی آمد سے خبردار کیا۔ اور حساب کے لئے متنبہ فرمایا۔

فَاصْفَحِ[۱۹۱] - عام حالات میں درگذر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم جہاد کے منافی نہیں ہے کیونکہ ہر ایک کا مقام الگ ہے پس سخت گیری کا مقام اپنا ہے اور نرمی۔ رحمدلی۔ سہل انگاری اور چشم پوشی کا مقام اپنا ہے۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مجمع البیان میں منقول ہے کہ ناراضگی ظاہر کئے بغیر معاف کر دینے کا نام درگذر ہے

سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ[۱۹۲] - اس میں تین اقوال ہیں (۱) مثانی سے مراد پورا قرآن ہے جس طرح کہ ارشاد باری ہے کتابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ (۲) اس سے پہلی لمبی سات سورتیں مراد ہیں جن کو سبع طوال بھی کہا جاتا ہے (۳) سورہ فاتحہ کا سبع مثانی ہونا بسم اللہ الخ کے جزو سورہ ہونے کی دلیل بھی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر آیات فاتحہ کی تعداد سات نہیں بنتی۔ اس کو مثانی کہنے کے کئی وجوہ ہیں (۱) قرآن مجید کے تمام مضامین اس سورہ میں مجمل طور پہ مذکور ہیں اور پھر دوبارہ پورے قرآن میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ گویا پورے قرآن کے لئے یہ سورہ دوبارہ اجمالی خاکہ ہے (۲) یہ سورہ دو دفعہ نازل ہوا (۳) اس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ حمد و ثنا۔ اور دوسرا حصہ دعا (۴) اس کے الفاظ میں تکرار ہے جیسے رحمن و رحیم وغیرہ

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ

نشانیاں ہیں مومنوں کے لئے اور تحقیق ایکہ والے ظالم

لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾

تھے تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور تحقیق یہ دونو ں بستیاں (مقام عبرت ونصیحت ہیں) بالکل پیش پیش ہیں

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا

اور تحقیق جھٹلایا اصحاب حجر نے رسولوں کو اور ہم نے دیں ان کو اپنی

فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا

نشانیاں تو وہ ان سے اعراض کرنیوالے تھے اور وہ تراشتے تھے پہاڑوں سے اپنے گھر

اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى

با امن پس پکڑا ان کو بجلی نے صبح کرتے ہوئے تو نہ بچا سکا

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ

ان کو وہ جو کماتے تھے اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے

(۵) یہ تثنیہ سے موڑنے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے کہ فاسق لوگوں کو فسق سے موڑتا ہے ان کے علاوہ وجوہ تسمیہ تفسیر کی دوسری جلد صہ ۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔ ایڈیشن نمبرا

من تبیین کے لئے ہے۔ اور اگر مثانی سے مراد قرآن ہو تو من تبعیض کے لیے ہوگا اور قرآن کا عطف تفسیری ہوگا۔ اور پہلی صورت میں عطف کا ہونا سورہ فاتحہ کی عظمت کو ثابت کرتا ہے کہ وہ قرآن کے مقابلہ میں علوم کا خزانہ ہے جو مستقل طور پر خالق کا اپنے حبیب کو عطیہ ہے۔

لَاتَمُدَّنَّ صہ ۱۹۳ آیت مجیدہ میں تین قول ہیں (۱) مَتَّعْنَا کا مفعول محذوف ہے اور اَزْوَاجًا حال ہے یعنی کفار کو جو ہم نے منافع عطا کئے درحالیکہ وہ منافع جوڑے جوڑے ہیں یعنی ایک ایک جنس وصنف کے متعدد افراد ہیں۔ مثلاً متعدد اموال ومتعدد اولادیں وغیرہ ان کی طرف نظر نہ اٹھاؤ (۲) کفار کی ان نعمات کو باعث رشک نہ سمجھو جو اپنی نظیر ومثال رکھتی ہیں کہ وہ جوڑا جوڑا ہو سکتی ہے کیونکہ خدا نے تم کو ایسی نعمات بخشی ہیں جن کی نظیر نہیں۔ مثلاً نبوت۔ قرآن اور اسلام

إِلَّا بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ﴿۸۵﴾

درمیان ہے مگر حکمت کے مطابق اور تحقیق قیامت آنے والی ہے پس درگذر کرو اچھی طرح

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي

تحقیق تیرا رب ہی پیدا کرنے والا علیم ہے اور ہم نے تجھے عطا کیں سات مثانی سے

وغیرہ کہ ان کا جوڑا جوڑا موجود نہیں اور ان دونو صورتوں میں منہم میں ضمیر کا مرجع کفار بنیں گے کہ ان کفار میں سے ان کی نعمات کو قابل التفات نہ سمجھو (۳) اَزْوَاجاً کو مَتَّعْنَا کا مفعول قرار دیا جائے اور ازواج سے مراد اصناف کفار ہوں۔

تفسیر برہان میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ اللہ کی تسلی سے جس کو تسلی حاصل نہ ہو وہ دنیا کی حسرتوں میں گرفتار رہے گا جو غیر کی نعمات کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے گا وہ غم و وہم میں گرفتار رہے گا جو دنیاوی حالات پر غمگین ہو گویا وہ اللہ پر ناراض ہے جو مصائب کا شکوہ کرے وہ مصائب کا نشانہ ہوتا ہے کیوں کہ اس نے اللہ کا شکوہ کیا اور اس امت میں سے جو شخص قرآن پڑھنے کے باوجود دوزخ میں داخل ہو گا وہ وہی ہوگا جو اللہ کی آیات سے تمسخر کرتا ہو اور جو کسی امیر و رئیس کے سامنے اس سے کچھ لینے کی خاطر تواضع کرے اور خوشامد سے پیش آئے تو اس کا دو تہائی دین برباد ہوتا ہے۔ الحدیث

وَلَا تَحْزَنْ [۱۹۳] یعنی ان کے اسلام قبول نہ کرنے پر غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَاخْفِضْ [۱۹۳] یعنی مومنوں کے لئے اپنے اخلاق کریمانہ کو اور وسعت دے دو (بازو جھکانا محاورہ ہے)

كَمَا أَنْزَلْنَا [۱۹۴] اس کے دو معانی کئے گئے ہیں (۱) ہم نے تجھ پر قرآن اس طرح اتارا جس طرح یہود و نصاریٰ پر کتاب اتاری کہ انہوں نے اس کے مضامین کو تقسیم کر دیا پس ٹکڑے ٹکڑے کر کے کسی ٹکڑے کو مان لیا اور کسی کا انکار کر دیا (۲)، میں تم کو عذاب سے ڈراتا ہوں جس طرح کہ وہ اترا تقسیم کرنے والوں پر کہتے ہیں ولید بن مغیرہ نے سولہ آدمیوں کو مقرر کیا جو لوگوں کو حضرت رسالت مآبؐ کی تعلیمات سے برگشتہ کریں پس وہ تقسیم ہو کر مکہ کے گلی کوچوں میں پھیل گئے اور ایام حج میں لوگوں کو حضورؐ سے برگشتہ کرنے کے درپے ہوئے پس خدا نے ان کو بدترین عذاب میں گرفتار کیا۔ کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کے حصے کر دیئے۔ کسی حصہ کو جادو کسی کو شعر اور کسی کا نام افترا رکھ دیا۔

عِضِينَ [۱۹۵] عِضَةٌ کی جمع ہے اصل میں عضو تھا۔ پس واؤ کو حذف کیا گیا۔

دشمنانِ پیغمبرؐ کو سزا

إِنَّا كَفَيْنَاكَ [۱۹۵] مروی ہے کفار میں سے چھ آدمی ایسے تھے جو بات بات پر تمسخر کر کے آپ کو رنجیدہ کرتے تھے (۱) عاص بن وائل (۲) ولید بن مغیرہ (۳) ابو زمعہ اسود بن مطلب (۴) اسود بن

وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا

اور قرآن عظیم۔ نہ بڑھاؤ اپنی نظر بطرف اس کے جو ان کو ہم نے ملی جلی نعمات عطا کیں

مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾

اور نہ ان پر غمزدہ ہو اور جھکا دو اپنے بازو مومنوں کے لئے

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿۸۹﴾ كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿۹۰﴾

اور کہہ دو تحقیق میں صاف طور پر ڈرانے والا ہوں جس طرح ہم نے نازل کیا تقسیم کرنیوالوں پر

عبد یغوث (۵) حارث بن قیس (۶) حارث بن طلاطلہ

تفسیر صافی میں بروایت احتجاج حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ خداوند کریم نے رسالت مآبؐ پر تمسخر کرنے والوں کو بدترین موت دی کہ ہر ایک کی موت کی نوعیت دوسرے سے الگ تھی اور سب کی موت ایک ہی دن میں واقع ہوئی۔ ولید قبیلہ خزاعہ کے لوہار کے پاس سے گذرا جو تیر بناتا تھا پس تیر کی نوک اس کی پنڈلی کی رگ میں لگی کہ رگ ٹوٹ گئی اور اسی سے اس کی موت واقع ہوئی۔ عاص بن وائل ایک پہاڑی پر چڑھا اور ایک پتھر پر حاجت ضروریہ کے لئے بیٹھا تھا کہ پاؤں کے نیچے سے پتھر پھسلا اور نیچے گر کر چکنا چور ہو گیا اسود بن یغوث اپنے بیٹے زمعہ کو ملنے جا رہا تھا کہ ایک درخت کے سائے میں بیٹھا پس جبریل نے اس کو پکڑ کر درخت کے تنے سے ٹکرا ٹکرا کر مار دیا وہ اپنے غلام سے کہتا تھا کہ اس شخص سے مجھے چھڑاؤ۔ لیکن وہ جواب دیتا تھا کہ مجھے تو کوئی آدمی نظر نہیں آتا تو خود ہی ٹکریں مار رہا ہے۔ اسود بن مطلب حضورؐ کی بددعا سے نابینا ہو کر مرا۔ اور حارث بن طلاطلہ گھر سے نکلا۔ باد سموم چل رہی تھی پس اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا جب گھر پلٹا تو اپنی اہلیہ کے پاس گیا گھر والے چونکہ نہ پہچان سکے لہٰذا اس کے قتل کے درپے ہوئے وہ چلاتا رہا کہ میں حارث ہوں وہ نہ مانے اور اس کو قتل کر دیا۔ اور بروایت مجمع البیان حارث بن قیس نے مچھلی کھائی اور پیاس کے غلبہ سے پانی پی پی کر پھول گیا اور اس کو موت واقع ہو گئی۔

ان میں سے ہر ایک بوقت مرگ یہی کہتا تھا کہ مجھے محمدؐ کے خدا نے مارا ہے اور ان سب کی موت ایک گھنٹہ کے اندر واقع ہوئی۔

اس کے بعد حضورؐ گھر سے نکلے اور ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر لوگوں کو دین خدا کی دعوت دی۔ اور مروی ہے کہ بعثت کے بعد جب کفار قریش درپے ایذا ہوئے تو آپؐ نے کئی برس تک خاموشی اختیار کر لی اور تقیہ کر کے تبلیغ کا سلسلہ بند کر دیا۔ سوائے علیؑ اور خدیجہ کے اس وقت اور کوئی دامن اسلام سے وابستہ نہیں ہوا تھا پس جب اللہ

کا حکم ہوا کہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ الخ یعنی تو اپنی تعلیمات کو ظاہر کر اور مسخری کرنے والوں کو میں سزا دوں گا اعلان کو مذکورہ بالا سزا مل بھی گئی۔ تو آپ نے کھل کر میدان تبلیغ میں قدم رکھا اور فرمایا۔ اے گروہ میں تم کو کلمہ توحید خدا اور اپنی رسالت کی دعوت دیتا ہوں۔ اور میں تم کو بت پرستی کی برائی سے بچنے کا پیغام دیتا ہوں۔ اگر میری بات مانو گے تو عرب پر تمہاری حکومت کا جھنڈا لہرائے گا اور عرب و عجم تمہارے حکم کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔ نیز دنیا کی حکومت کے ساتھ ساتھ تم کو جنت میں بھی خدا سرداری عطا فرمائے گا۔ پس فوراً جواب میں کہنے لگے۔ یہ دیوانہ ہے لیکن حضرت ابو طالب کے بلند وقار کے پیش نظر ایذا رسانی کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔

تفسیر برہان کی ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے حضورؐ کو الٹی میٹم دے دیا تھا کہ اگر آپ اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ہم قتل کر دیں گے اور ظہر تک یہ فیصلہ ہو گا۔ چنانچہ آپؐ غمزدہ ہو کر گھر میں چپکے سے بیٹھ رہے ایک گھنٹہ کے بعد جبریل آیا اور کہا کہ خدا اسلام کے بعد فرماتا ہے۔ اِصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ یعنی جو تجھے حکم ہوا ہے اس کا اعلان کرو اور مشرکین کی باتوں کی پرواہ نہ کرو۔ آپ نے فرمایا اے جبریل۔ ان لوگوں نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے تو اس کا کیا حل ہے؟ پس جبریل نے یہ آیت پڑھی اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ۔ یعنی ہم نے مسخری کرنے والوں سے تیری کفایت کر لی ہے یعنی ان کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تو ابھی یہاں موجود تھے جبریل نے کہا میں ابھی ان کا معاملہ صاف کر کے آرہا ہوں۔ پس آپ نے اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی۔

ایمان ابوطالب

بروایت برہان علی بن ابراہیم سے اسی ذیل میں منقول ہے کہ کفار قریش حضرت ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ تیرا بھتیجا ہمیں بیوقوف بناتا ہے وہ ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے اور اس نے ہمارے نوجوانوں کو پھسلا لیا ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی افتراق و اختلاف کا نشانہ بن گئی ہے اگر وہ یہ باتیں تنگ دستی کی وجہ سے کرتا ہے تو ہم چندہ ڈال کر اسے مالدار کر دیتے ہیں اگر شادی کا خواہشمند ہے تو قریش کی جس عورت سے چاہے ہم اس کی شادی کرا دیں گے۔ چنانچہ ابوطالب نے آپ کے سامنے ان کی درخواست دہرائی تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا یہ اللہ کا دین ہے اور اس نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے میں کفار قریش کو خوش کر کے اپنے اللہ کو ناراض نہیں کروں گا۔ انہوں نے حضرت ابوطالب کو حضور سے طلب کیا تو ابوطالب نے نہایت سخت جواب دیکر ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ جب سب قریشیوں نے آپ کے قتل کے ایک عہدنامہ پر دستخط کیے تو حضرت ابوطالب نے تمام بنی ہاشم کو بلا کر کعبہ کے اندر رکن و مقام اور بیت اللہ کی قسم دیکر کہا اگر میرے بیٹے محمدؐ کو کسی نے تکلیف پہنچائی تو میں تم سب کو قتل کر دوں گا۔ پس چار سال تک شعب میں لے جا کر حفاظت کا فریضہ انجام دیا جب شعب سے باہر آئے اور ابوطالب کی موت کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا چچا جان! آپ نے میری تربیت کفالت اور حفاظت میں بہت بہترین کردار ادا کیا خدا آپ کو جزائے خیر دے اب کلمہ اسلام کا اظہار کرو تا کہ میں آپ

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ

جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے　پس تیرے رب کی قسم ہم اُن سب سے سوال ضرور

اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ

کریں گے　اس کے متعلق جو وہ کرتے تھے　پس تو ظاہر کر جو تجھے حکم ہوا ہے

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾

اور اعراض کر مشرکوں سے　تحقیق تیری کفایت کر لی ہم نے مسخری کرنیوالوں سے

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

جو بناتے ہیں اللہ کے ساتھ اور خدا　پس وہ عنقریب جان لیں گے

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ تیرا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کہتے ہیں　پس اپنے رب کی حمد سے اس کی

وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

تسبیح اور سجدہ کرنے والے بنو　اور اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک کہ موت آ جائے

کا شفیع بن جاؤں تو مروی ہے کہ وفات سے قبل حضرت ابوطالب نے کلمہ اسلام ظاہر کر دیا جس پر حضور رضامند ہو گئے۔ اور آپ نے فرمایا جب میں مقام محمود پر ہوں گا تو اپنے والدین اور چچا کی شفاعت کروں گا۔

مذہب امامیہ کا عقیدہ ہے کہ آبائے نبی علیہ السلام تا آدم مسلمان تھے اور نور نبوت کسی دور میں کافر پشتوں اور کافر رحموں سے نہیں گذرا جو لوگ حضورؐ کے والدین کو کافر کہتے ہیں وہ رسول کے مقام کو نہیں سمجھے۔ اسی طرح حضرت ابوطالب کو کافر کہنا محض آل محمدؐ کے ساتھ حسد وبغض کے منحوس اثرات میں سے ہے جو آل محمدؐ سے لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے بروئے کار لایا گیا۔ ہم حضرت ابوطالب کے ایمان کے متعلق مفصل بحث تفسیر کی جلد ۵ ص۲۰۱ تا ص۲۱۱ پر کر چکے ہیں نیز اپنی تصنیف کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں آبائے رسالت مآبؐ اور ابوطالب کے ایمان پر ہم نے مدلل بیان سپرد قرطاس کیا ہے۔

اَلْيَقِيْنَ - اس مقام پر یقین سے مراد موت ہے اور بعضوں نے علم بھی مراد لیا ہے۔

سُورَۂ نَحَل

اس کی کل آیات ایک سو اٹھائیس ہیں۔ اور بسم اللہ کو ملا کر کل تعداد ایک سو انتیس ۱۲۹ ہو گی۔
اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے (۱) پہلی چالیس آیات مکی باقی مدنی ہیں (۲) آخری تین آیتوں کے علاوہ باقی سب سورہ مکیہ ہے اور سورۂ کہف کے بعد نازل ہوا ہے۔
مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے جو شخص اس سورہ کو پڑھیگا محشر میں دنیاوی نعمتوں کا اس سے حساب نہ ہوگا اور نیک وصیت کر کے مرنے والے کے برابر اس کو اجر عطا کیا جائیگا۔
امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص ہر ماہ میں ایک بار پڑھتا رہے تو دنیا میں تا وان سے بچا رہیگا اور ستر قسم کی مصیبتوں میں گرفتار نہ ہوگا جن میں کم از کم دیوانگی، برص اور جذام ہیں اور بروز محشر اس کا ٹھکانہ جنت عدن میں ہوگا۔
جو شخص اس کو لکھ کر کسی باغیچے میں دفن کرے وہ باغ جل جائے گا اور اگر کسی گھر میں اس کو دفن کیا جائے تو سال کے اندر وہ سب ختم ہو جائیں گے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس کو باغیچہ میں رکھنے سے ہر پھلدار درخت کا پھل گر جائے گا اور کسی گھر میں رکھنے سے وہ گھر برباد ہوگا اور سال کے اندر بسنے والے سب فنا ہو جائیں گے لہذا اس کا عمل کرنے سے تم لوگ بچو۔ ہاں ظالم کے لیے اس کا استعمال ممنوع نہیں ہے ذاتی، جذباتی عداوتوں کی بنا پر کسی کو ظالم سمجھ لینا اور اس کے درپے ایذا ہونا ٹھیک نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص خدا اور رسول کا دشمن اور خلق خدا کا ظالم ہو تو اس کے ظلم سے بچنے کی خاطر اس کے استعمال کی اجازت ہے ورنہ کسی مومن مسلم کے گھر کو برباد کرنے والا کہیں خود نہ اس کی زد میں آجائے (مثل مشہور ہے۔ چاہ کن را چاہ درپیش۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

(ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۝

آئے گا اللہ کا امر پس نہ اس کی جلدی کرو وہ منزہ اور بلند ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں

رکوع نمبر ۷ حضرت قائم کی آمد

اَتٰی اَمۡرُ اللّٰہِ۔ اس میں تین قول ہیں (۱) امر سے مراد مشرکوں اور کافروں کا عذاب ہے اور مستقبل قریب میں آنے والے عذاب کو ماضی کے صیغے سے بطور مبالغہ کے ادا کیا گیا ہے کہ گویا ابھی آیا۔ (۲) امر سے مراد قیامت ہے پس یقینی آنے والے واقعات کو ماضی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جیسے اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ (۳) امر سے مراد احکام شرعیہ خواہ اوامر ہوں یا نواہی (۴) حضرت قائم آل محمدؐ کی آمد اور آئمہ طاہرین سے یہی قول مروی ہے اور باقی اقوال بھی ظاہر کے لحاظ سے آخری معنی کے ساتھ متصادم نہیں ہیں۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قائم علیہ السلام کی آمد سے پیشتر جبریل ایک قدم کعبہ پر اور دوسرا بیت المقدس پر رکھ کر آواز دے گا۔ اَتٰی اَمۡرُ اللّٰہِ الخ پس حضرت قائم تشریف لائیں گے اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز ادا کریں گے اور تین سو تیرہ کی تعداد میں اصحاب ان کے ہمراہ ہوں گے ان میں سے بعض تو وہ ہوں گے جو راتوں رات اپنے بستر پر سے یہاں پہنچیں گے۔

بِالرُّوۡحِ[۱۹۸]۔ روح کا معنی وحی یا قرآن کیا گیا ہے کیونکہ ان کی بدولت انسان کا دل و دماغ زندہ ہوتا ہے نیز اس سے نبوت بھی مراد لی گئی ہے۔ تفسیر برہان میں روح کو ملائکہ کے علاوہ ایک اور مخلوق کہا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے ایک شخص کو اسی آیت مجیدہ سے دلیل دے کر سمجھایا کہ روح عام فرشتوں کے علاوہ ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے۔ کہ انبیاء کی طرف جبریل روح کو ساتھ لے کر آتا ہے اور یہ روح اوصیاء کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتی ہے۔

مِنۡ اَمۡرِہٖ۔ اس مقام پر من بامر کے معنی میں ہے یعنی خدا کا حکم لے کر اترتے ہیں

توحید کا بیان

فَاتَّقُوۡنِ[۱۹۸]۔ یعنی نبیوں اور رسولوں کی بعثت کی غرض ہی صرف یہ ہے کہ لوگوں کو لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی مخالفت سے ڈرائیں۔ پس اے انسانو! تم کو ڈرنا چاہیئے۔ اس کے بعد اپنی خالقیت اور جملہ احسانات کا تذکرہ فرمایا۔ اگر خدا کے علاوہ اور کوئی خالق ہوتا تو دعوت توحید اور لا الٰہ الّا انا کے بعد مسئلہ خلق کو بیان نہ فرماتا۔ بلکہ خدا نے کسی غیر کو خالق ماننے والوں کو صریح الفاظ میں مشرک کہہ دیا کہ آسمانوں اور زمینوں کا سچا خالق اللہ

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

اتارتا ہے فرشتوں کو روح کے ساتھ اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے کہ

عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲ خَلَقَ

ڈراؤ تحقیق کوئی معبود نہیں سوائے میرے پس مجھ سے ڈرو اس نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ

پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ بلند ہے وہ اس سے جو شرک کرتے ہیں پیدا کیا انسان

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴ وَالْاَنْعَامَ

کو نطفے سے پس وہ کھلم کھلا جھگڑالو ہے اور چوپاؤں کو پیدا

خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَلَكُمْ

کیا کہ تمہارے لئے ان میں گرمی موجود ہے اور دوسرے فائدے بھی ہیں اور انہی سے تم کھاتے ہو اور تمہارے

فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶ وَتَحْمِلُ

لئے ان میں زینت ہے جب ان کو شام کو لاتے ہیں اور صبح کو چرنے بھیجتے ہو اور وہ اٹھاتے

اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ

ہیں تمہارے بوجھ شہروں تک کہ تم نہیں لے جا سکتے مگر جان کی تکلیف کے ساتھ تحقیق

ہے اور وہ مشرکوں کے بکواسوں سے بلند و بالا ہے۔ پھر نطفہ سے انسان کی پیدائش کو بیان کیا اور فرمایا کہ کس قدر انسان ناسپاس گزار واقع ہوا ہے کہ وہ بجائے شکر گذاری کے میرے حق خالقیت کا انکار کرتے ہوئے میری مخلوق کو میرے برابر ٹھہراتا ہے۔ اس کے بعد حیوانات کی تخلیق اور ان کے منافع کا ذکر فرمایا (۱) سردیوں میں حیوانوں کی اون اور کھال سے تمہارے گرم لباس بنتے ہیں۔ حلال حیوان تمہارے کھانے کے لئے ہیں (۳) حیوانوں کا وجود تمہارے لئے زینت ہے۔ کیونکہ جس گھر میں ہوں وہ گھر خوبصورت اور جس آدمی کی ملکیت ہوں وہ لوگوں میں صاحب جلال و وقار ہوتا ہے (۴) تمہارے بوجھ اٹھانے کے کام آتے ہیں (۵) تمہاری سواری کی خاطر بھی ہیں اسی طرح قلبہ رانی و دیگر منافع ان میں موجود ہیں

رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ

تمہارا رب مہربان رحیم ہے اور گھوڑے خچر اور گدھے (پیدا کئے) تاکہ

لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَلَى اللّٰهِ

ان پر سواری کرو اور زینت کے لئے اور پیدا کرتا ہے جس کا تم کو علم بھی نہیں اور اللہ پر ہے

قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾ ع

سیدھا راستہ (دکھانا) ان میں سے ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر اللہ چاہے تو تم سب کو ہدایت کر دے

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ

وہ وہ ہے جس نے نازل کیا آسمان سے پانی کہ تم اس سے پیتے ہو اور اس سے درخت اگتے ہیں

شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ

کہ چوپاؤں کو چراتے ہو اس کے ذریعے سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور

وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

انگور اور ہر قسم کے میوہ جات اگاتا ہے تحقیق اس میں نشانی

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ

ہے اس قوم کے لئے جو فکر کریں اور مطیع کیا تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج و چاند

پس فرمایا اور بھی بہت سی چیزیں خدا نے پیدا کیں اور کریگا جو تمہاری منفعت کے لئے ہوں گی۔ جن کا تم کو علم بھی نہیں پس دور حاضر کی سواریاں اور آسائیاں سب کا اجمالی ذکر اس میں کر دیا گیا۔

وَعَلَى اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کا کام ہے سیدھا راستہ بیان کرنا اس کے بعد اختیار کرنا بندوں کا اپنا فعل ہے۔ قصد کا مضاف بیان یا ہدایت محذوف ہے۔

وَمِنْهَا جَآئِرٌ۔ یعنی اگر خدا جبر کے ذریعے سے چاہتا تو تم سبکو زبردستی راہ حق پر لے آتا لیکن جبر کو پسند نہیں کرتا۔

رکوع نمبر ۸ نعمات خداوندی | هُوَ الَّذِيْ۔ اس نے آسمان سے پانی اتارا جس کو انسان پیتے ہیں اور اس سے

وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

کو اور ستارے مطیع ہیں اسی کے حکم سے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں عقل والی قوم

يَعْقِلُونَ ⑫ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ط إِنَّ

کے لئے اور وہ جو پیدا کیں تمہارے لئے زمین سے رنگ برنگی مختلف چیزیں تحقیق

فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ⑬ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ

اس میں نشانی ہے اس قوم کے لئے جو نصیحت حاصل کریں اور وہ وہ ہے جس نے مطیع کیا

درخت سیراب ہوتے ہیں یعنی مِنْهُ مَسْقَىٰ شَجَرٍ۔ پس شجر کا مضاف محذوف ہے اور یہ اعراب میں اس کے قائم مقام ہے اور درخت سے مراد ہر قسم کی نباتات ہے۔

وَمَا ذَرَأَ۔ نعمات خداوندی میں سے ہے زمین کی تمام ترپیداوار بعض کھانے کو بعض پہننے کو بعض تفریح کے لئے بعض عیش وعشرت کے لئے وعلیٰ ہذا القیاس۔ چنانچہ ہر کا رنگ الگ ذائقہ جدا لذت اپنی اپنی اور ان کی جملہ مصلحتوں کو جاننا بھی انسان کے بس سے باہر ہے۔

درس معرفت خداوند کریم نے درس معرفت کے لئے ان تینوں آیتوں میں تین قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلی قسم سے درس معرفت ہر صاحب عقل نہیں لیتا بلکہ صرف وہی فائدہ اٹھاتے ہیں جو غور و فکر کے میدان میں عقول کی پشت پر سوار ہو کر آگے بڑھیں لہذا وہاں وہ بیان فکر کرنے والوں کے لئے مختص فرمایا دوسری قسم لیل و نہار کا اختلاف اور چاند سورج کی گردش و تسخیر کو ظاہری طور پر بغیر غور و خوض کے ہر آدمی سمجھتا ہے۔ لہذا ہر صاحب عقل و دانش کے لئے اس کو اپنی معرفت کا زینہ قرار دیا۔ اس کے بعد نعمات کی تیسری قسم اس کی خورد و نوش اور بود و باش کے لوازم از اسباب زندگی کا ذکر کیا جو دعوت شکر و حمد کی متضمن ہے۔ پس اس سے فائدہ اٹھانا چونکہ بیدار مغز از احسان شناس طبقہ کا ہی کام تھا۔ لہذا انہی کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ پس يَتَفَكَّرُونَ۔ يَعْقِلُونَ اور يَذَّكَّرُونَ کی جدا جدا تفصیلیں اسی مناسبت سے ہیں۔

حِلْيَةً۔ خشکی کی نعمات کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد بحری نعمات کا بیان شروع فرمایا کہ اُس نے دریاؤں کو تمہارا مطیع کیا کہ اس سے مچھلی کا تازہ گوشت حاصل کر سکتے ہو اگر پانی مطیع نہ ہوتا تو یہ نعمت تمہیں کیسے دستیاب ہو سکتی؟ پھر غوطہ زنی کر کے جواہر آبدار اس کی تہ سے نکال کر زیورات میں استعمال کرتے ہو اور پھر کشتیاں اس کو چیرتی پھرتی ہیں۔ مَوَاخِرَ جمع ہے مَاخِرَة کی اور مخر کا معنی پانی کا چیرنا ہوا کرتا ہے اور پانی کی یہ تسخیر تمہاری تفریح طبع کے علاوہ تمہارے سفر تجارت کے لئے بھی ہے کہ دوسرے ممالک سے رابطہ قائم کر کے فضل خداوندی کی تلاش

مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑭

پانی کو چیرنے والی اس میں اور تاکہ حاصل کرو اس کا رزق اور تاکہ تم شکر کرو

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّ

اور اس نے ڈالے زمین پر پہاڑ کہ وہ ہلنے نہ پائے اور نہریں اور

سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ⑮ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ

گزرگاہیں تاکہ تم ہدایت پاؤ اور نشانیاں اور ستاروں کے ذریعے وہ لوگ ہدایت پاتے

⑮ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ⑯

ہیں کیا وہ جو پیدا کرتا ہے مثل ان کے ہے جو نہیں پیدا کرتے کیا تم نصیحت نہیں پکڑ لیتے؟

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ

اور اگر تم گنو اللہ کی نعمتوں کو تو نہ احصا کر سکو گے تحقیق اللہ بخشنے والا

گر سکو: یہاں فضل سے مراد منفعۂ تجارت ہے کیونکہ شکارِ مچھلی اور اخراج جواہر کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ۔ زمین پر پہاڑوں کا وجود زمین کے اضطراب کو ختم کرنے کے لئے ہے تاکہ انسانی زندگی پرسکون ہو اور پھر ان کے دامن کو قسم قسم کی معدنیات سے بھر کر انسان کے لئے منافع خوری کے طریقے آسان فرما دیئے۔

اَنْهٰرًا۔ زمین کے اوپر دریاؤں کی روانی اور ان کا متعین راستوں سے بہ کر جانا غور کرنے والوں کے لئے درس توحید ہے۔

وَعَلٰمٰتٍ۔ یعنی خدا نے زمین پر علامات پیدا کر دیں تاکہ انسانوں کے لئے اطراف اور اوقات کی تعیین میں معاون ہوں۔

وَبِالنَّجْمِ۔ مطلق جنس ستارگان مراد ہے کیونکہ سمتوں اور وقتوں کے تعیین میں ان کا بڑا دخل ہے اور اس کی تاویل میں آئمہ علیہم السلام سے مروی ہے کہ ہم علامات ہیں اور جناب رسالت مآبؐ نجم تھے اور حضور سرور کائنات نے فرمایا تھا کہ خداوند کریم نے ستاروں کو آسمان والوں کے لئے باعث امان بنایا اور میری اہل بیت زمین والوں

رَّحِيمٌ ﴿١٨﴾ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿١٩﴾
رحیم ہے اور اللہ جانتا ہے جو چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہو
وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَّ
اور جو لوگ پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ نہیں پیدا کر سکتے کچھ بلکہ وہ
هُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ
خود پیدا کردہ ہیں وہ مردہ بغیر روح کے ہیں نہیں شعور رکھتے کہ

کے لئے باعث امان ہے۔ (مجمع البیان)

بیان توحید

وَاِنْ تَعُدُّوْا۔ اگر انسان چاہے کہ اللہ کی نعمات کو شمار کرے تو یہ ناممکن ہے اور جہاں تک انسانی معلومات کا تعلق ہے نعمات پروردگار کے مخفی ذخائر جو انسان پر منکشف ہیں ان کے بیش بہا افراد کا شمار طاقت بشری سے باہر ہے حالانکہ اُسی کی نعمات کے وہ مخفی خزائن جن کو انسانی عقل و شعور کی کنجیاں ابھی تک کھول نہیں سکیں یا انسانی تدبیر کے ناخن ان کی رموز کی گرہوں کو حل کرنے سے تاحال قاصر ہیں یا جن کے روشن چہرے سے حس و ادراک کے ہاتھوں ابھی تک پردہ نہیں اٹھایا جا سکا اور وہ سربستہ رموز کی صورت میں پنہاں ہیں وہ ان ظاہر و منکشف نعمات کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہیں۔

انسان تو اپنے جسم و بدن کے قوی و اعصاب کے اندر تفویض شدہ اسرار و حقائق اور رموز و مصالح کی معرفت سے اور ان کو شمار کرنے سے عاجز ہے اور غور و فکر کے تازی تیز رو کے اوپر سوار ہو کر اپنے وجود کی پوری سیر عمر بھر نہیں کر سکتا تو وہ باقی نعمات خداوندی کے ادراک و احصار کے لئے زمین اور اس کی تہوں پہاڑ اور ان کی وادیوں پانی اور اس کی گہرائیوں آسمانوں کی بلندیوں اجرام علویہ کی حکمتوں، ہواؤں، فضاؤں، خلاؤں، دریاؤں، آبشاروں غرضیکہ یہ قدرت کی جملہ پراز حکمت و تدبیر کرشمہ سازیوں کا کہاں تک اور کیوں کر مطالعہ کر سکتا ہے؟

وَالَّذِيْنَ۔ اس کے بعد چیلنج دے کر فرماتا ہے کہ جس کو بھی خدا کے علاوہ بلاؤ کسی ایک شخص کی تخلیق پر بھی قدرت نہیں رکھ پاتے وہ تو اپنے وجود میں خالق کے محتاج ہیں اور جو خود محتاج ہو وہ حاجت روا کیسے بن سکتا ہے یا جو خود میری تخلیق کا محتاج ہے وہ میرے مقابلہ میں خالق کیسے بن سکتا ہے؟

توحید پروردگار کی قسم جن لوگوں نے خدا کے فرستادہ نبیوں اور ولیوں کو خالق مان لیا انہوں نے نعمات پروردگار کی توہین کی اور اس سے بڑھ کر اور کفران کیا ہو سکتا ہے؟ کہ وہ اپنے لطف و کرم سے انسان کو انسانیت سکھانے اور اس

أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَالَّذِينَ لَا

کب اٹھائے جائیں گے تمہارا معبود صرف ایک ہے پس جو لوگ نہیں

يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُم مُّنكِرَةٌ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾

ایمان لاتے قیامت پر ان کے دل انکاری ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں

لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ لَا

بے شک تحقیق اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تحقیق وہ نہیں

کی عاقبت کے سنوارنے کے لئے نمایندے بھیجے اور اس کی بے پایاں نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے ان ہی کو اس محسن کا شریک قرار دیا جائے۔ خود آئمہ معصومین نے ان لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جنھوں نے ان کو خالق ورزاق مانا۔ آل محمدؐ کو امام و پیشوا ماننے والوں پر اللہ کا کس قدر احسان ہے کہ ان کو ایسے رہبر عطا کئے اس کا حق شکر یہ نہیں کہ اس کی ربوبیت کی ردا میں ہاتھ ڈال کر آل محمدؐ کو خالق کہا جائے پس جس شرک سے بچانے کے لئے وہ تشریف لائے تھے اسی میں پھنس کر اپنی عاقبت کو خراب کرنا بارش سے بچنے کے لئے پرنالہ کے نیچے کھڑے ہونے کے مترادف ہے۔

یاد رکھئے جس طرح حضرت عزیرؑ کو اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے والے کافر ہیں اسی طرح حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ کو خالق ورازق جاننے والے بھی مشرک ہیں جو مولوی یا مقرر اپنی چرب لسانی سے آل محمدؐ کو خالق یا رازق ثابت کرتے ہیں وہ آل محمدؐ کی تعریف نہیں کرتے بلکہ وہ آل محمدؐ کے مشن کی تخریب میں پیش پیش ہیں۔ شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح فرعون، نمرود، شداد وغیرہ کو خدا ماننے والے مشرک تھے اسی طرح انبیاء و اولیاء کو خالق ورازق کہنے والے بھی مشرک ہیں۔

اَمْوَاتٌ۔ میّت کی جمع ہے اور میّت اس کو کہا جاتا ہے جس کی شان میں زندگی ہو گویا موت وحیات میں عدم وملکہ کا تقابل ہے۔ پس بتوں کو میت کہنا اس لئے درست ہے کہ وہ ان کو انسانی ڈھانچوں میں ظاہر کرتے تھے۔ نیز جن اولیاء یا انبیاء کی فرط محبت میں آکر لوگوں نے ان کو مسند توحید پر جا بٹھایا وہ بھی عدم کے بعد وجود میں آئے تھے کیونکہ حیات ان کی عین ذات نہیں تھی۔ پس وہ ذات کے اعتبار سے اموات ہیں احیاء نہیں ہیں تو جو خود اپنے وجود کو حیات بخشنے کے لئے محتاج ہو وہ کسی کو کیسے حیات بخش سکتا ہے۔ لہذا خدا کے سوا کوئی خالق نہیں ہے اور ان کو تو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ ہمیں دوبارہ کب اٹھایا جائے گا؟

رکوع نمبر ۹ | اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ۔ پہلے اپنی خالقیت کو بیان فرمایا پھر متعدد نعمات گننے کے بعد غور وفکر کی دعوت

يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ

پسند کرتا تکبر کرنے والوں کو اور جب ان کو کہا جائے کیا اتارا ہے تمہارے رب نے ؟ تو

قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً

کہتے ہیں کہ قصے گذشتہ لوگوں کے (نتیجہ کے طور پر) اٹھاتے ہیں اپنے بوجھ پورے بروز

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ

قیامت اور ان لوگوں کے بوجھ سے بھی جن کو انہوں نے گمراہ کیا بے خبری میں

أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

بے شک ان کا بوجھ بہت برا ہو گا تحقیق مکر کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے

دی اور اپنے غیر کی خالقیت کی صراحت سے نفی فرمائی اور نتیجہ کے طور پر فرمایا کہ بس تمہارا الٰہ صرف ایک ہے بعض مقرر لوگ عوام کو دھوکا دیتے ہیں کہ ہم علیؑ کو الٰہ نہیں سمجھتے اور خالق سمجھنا منافی توحید نہیں آیت مجیدہ ان کے لئے دعوت فکر ہے کیونکہ غیر اللہ کی خالقیت کی نفی کے بعد توحید ربوبیت کے اعلان کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو خالق ہے وہی الٰہ ہے اور جو الٰہ ہے وہی خالق ہے۔ پس خالق والٰہ میں نسبت تساوی کی ہے اور حضرت عیسیٰ کیطرف خلق کی نسبت مجازی ہے۔ ورنہ درحقیقت ہر شئی کا خالق اللہ ہے اور اس کا اس میں کوئی شریک نہیں ہے۔

الْمُسْتَكْبِرِينَ۔ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی منقول ہے۔ ایک مرتبہ امام حسینؑ کا گذر مساکین کے پاس سے ہوا کہ وہ زمین پر چادر بچھا کر اور روٹی کے ٹکڑے پھیلا کر کھا رہے تھے پس انہوں نے دعوت دی تو آپ نے ان کے ساتھ مل کر کھانا تناول فرمایا اور بعد میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ۔

لِيَحْمِلُوا۔ یہ لام عاقبت کا ہے یعنی غلط بیانی کا انجام یہ ہو گا کہ ان کی گردنوں پر اپنے بوجھ کے علاوہ تمام ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہو گا جن کو انہوں نے گمراہ کیا تھا اور حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے جو شخص کسی کو ہدایت کی طرف بلائے اور اس کی اتباع کی جائے تو ان کی نیکیوں کے ثواب بھی اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گے اور کرنے والے کو اپنے اپنے مقام پر بھی پورا ثواب ملے گا۔ اور جو گمراہی کی دعوت دے اور اس کی اتباع کی جائے تو اس کے نامۂ اعمال میں ان کی برائیوں کا گناہ درج ہو گا حالانکہ کرنے والوں کے نامہ میں بھی کمی نہ ہو گی۔ اور تفسیر برہان میں آئمہ اہل بیت سے بھی اس مضمون کی روایات نقل کی گئی ہیں۔ نیز مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے حق کے غاصب

فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ

پس اللہ نے ان کے مکر کی عمارتوں کو بنیادوں سے گرا دیا پس گری ان پر چھت اوپر سے

مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ

اور آیا ان پر عذاب ایسی جہت سے کہ وہ نہ جانتے تھے

﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ

پھر بروز قیامت ان کو رسوا کرے گا اور کہے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

جن کی وجہ سے تم جھگڑتے تھے ؟ کہیں گے وہ جن کو علم دیا گیا (فرشتے)

اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ

تحقیق رسوائی اور ذلت آج کافروں پر ہے جن کو ماریں گے

تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ

فرشتے درحالیکہ وہ اپنے نفسوں کے ظالم ہوں گے پس اطاعت پیش کریں گے

مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا كُنْتُمْ

یہ کہہ کر کہ ہم نے کوئی برائی نہیں کی ہاں تحقیق اللہ جانتا ہے جو تم کرتے تھے

اپنے گناہوں کے علاوہ تمام ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ جنھوں نے ان کی اتباع کی تھی اور صافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے جہاں کوئی خونریزی یا لڑائی یا بدکاری یا حرام خوری ہو گی ان سب کا گناہ ان دونوں کی گردن پر رکھا جائے گا۔

رکوع نمبر ۱۰ قَدْ مَكَرَ ص ۲۴۴ ۔ حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ ہمیشہ انبیاء کی تکذیب اور ان کے ساتھ امت کی جانب سے فریب کاری کا دستور رہا ہے لہٰذا آپ ان باتوں سے گھبرانہ جائیں بلکہ صبر و سکون سے اپنی تبلیغ کو جاری رکھیں۔

تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۸﴾ فَادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ

پس جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ کہ ہمیشہ رہو گے اس میں

فَلَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيۡلَ لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا مَا

البتہ برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا اور کہا جائے گا ان کو جنہوں نے تقویٰ کیا کہ کیا

ذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّكُمۡ ؕ قَالُوۡا خَيۡرًا ؕ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِىۡ هٰذِهِ

اتارا تمہارے رب نے کہیں گے کہ خیر۔ احسان کرنے والوں کے لئے اس دنیا میں

الدُّنۡيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ ؕ وَلَنِعۡمَ دَارُ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۰﴾

بھی نیکی اور آخرت کا گھر بھی اچھا ہو گا اور متقی لوگوں کا گھر خوب ہے

جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ

ہمیشگی کی جنت جس میں داخل ہوں گے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

فَاَتَى اللّٰهُ کہتے ہیں نمرود بن کنعان نے ایک اونچا محل بنوایا تھا اور ایک بلند سیڑھی کے ذریعے سے آسمان پر چڑھ کر سکانِ سمٰوات سے لڑنے کا ارادہ کیا تھا۔ پس خداوند کریم نے ایک ہوا بھیج کر اس کی ساری تعمیر کو زمین بوس کر کے اس کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے اور بعض نے بخت نصر کا ذکر کیا ہے بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ وہ سچ مچ عمارت نہیں تھی بلکہ تمثیل کے طور پر ان کے مکر و فریب کو ایک مکان سے تشبیہ دے کر تدبیر خداوندی سے اس کا انہدام بیان کیا گیا ہے اور ان کے اوپر چھت گرنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے کئے کا وبال خود انہی کے سر پڑا اور انبیاء کی ایذا رسانی کے منصوبے بنانے والے خود مبتلائے عذاب ہو گئے۔

اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ تفسیر قمی سے منقول ہے کہ اس سے مراد آئمہ اہل بیت ہیں جو اپنے دشمنوں کو خطاب کر کے کہیں گے کہ اب تمہارے وہ شریک کہاں ہیں؟

فَاَلۡقَوُا السَّلَمَ [۲۵] یعنی ملک الموت کی آمد پر وہ ہتھیار ڈال دیں گے اور مقابلہ چھوڑ کر اطاعت قبول کریں گے اس وقت کی اطاعت کس کام کی؟ بلکہ ان کی یہ اطاعت تشریعی نہیں بلکہ تکوینی ہو گی اور یہ موجب جزا نہیں ہوتی۔

مَا كُنَّا نَعۡمَلُ۔ یعنی اللہ کے سامنے احتجاج کرتے ہوئے اپنے اعمال زشت سے مکر جائیں گے۔

قِيۡلَ۔ متقی لوگوں سے سوال ہو گا کہ خدا نے کیا بھیجا تھا تو کہیں گے اس نے خیر محض بھیجی تھی یعنی قرآن بھیجا۔

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ (۳۱)

ان کے لئے اس میں وہ ہوگا جو چاہیں گے اسی طرح اللہ بدلہ دیتا ہے متقیوں کو

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ

جن کو وفات دیں گے فرشتے پاکیزگی کے ساتھ کہنے والے ہوں گے سلام علیکم

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (۳۲) هَلْ يَنظُرُونَ

داخل ہو جاؤ جنت میں بسبب اس کے جو تم عمل کرتے تھے نہیں انتظار کرتے (کفار)

إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ

مگر اس کی کہ آئیں ان کے پاس فرشتے (عذاب لیکر) یا آئے رب کا امر (عذاب) اسی طرح

تھا جس میں ہدایت اور خیر تھی۔

طَيِّبِينَ۔ یعنی متقی لوگوں کی موت ایسی حالت میں ہوگی کہ وہ پاک وپاکیزہ ہوں گے۔ پس فرشتے سلام کہہ کر ان کو جنت کی بشارت دیں گے۔ تفسیر صافی میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب انسان کا روح جسم سے جدا ہوتا ہے تو اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ میں جنت میں جا رہا ہوں یا جہنم میں اگر وہ خدا کا دوست ہوگا تو جنت کے دروازے کھل جائیں گے اور اللہ کی تیار کردہ نعمات سامنے ہوں گی۔ پس اس کو ہر تکلیف بھول جائے گی۔ اور اگر اللہ کا دشمن ہوگا تو جہنم کے دروازے کھل جائیں گے اور عذاب کا معائنہ کرے گا جو اللہ نے اس کے لئے تیار کیا ہوگا۔ پس ہر مصیبت اس کے سامنے آجائے گی۔ اور یہ سب موت کے وقت ہی ہوا کرتا ہے چنانچہ آپ نے یہی آیتیں تلاوت فرمائیں۔

هَلْ يَنظُرُونَ۔ اس جگہ نظر انتظار کے معنی میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کفار کا عمل یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کو ملائکہ عذاب یا قیامت کی ذلت کا انتظار ہے اور ہمیشہ سے کفار کا یہی دستور رہا ہے۔

رکوع نمبر ۱۱

وَقَالَ الَّذِينَ۔ مشرک لوگ اپنی بد رسوم کے جواز میں کہا کرتے تھے کہ اگر ہماری بت پرستی بری ہوتی تو خدا نے ہمیں جبراً روک دیا ہوتا اسی طرح ہمارا بحیرہ وسائبہ کو حرام کرنا اگر برا کام ہوتا تو خدا کی طرف سے کوئی امتناعی حکم آتا پس چونکہ باوجود ہمارے اصرار کے اس نے کوئی سرزنش نہیں کی۔ لہذا معلوم ہوا کہ ہمارا فعل اس کی رضا کے ماتحت ہے اور ہمیشہ سے غلط کار لوگ اپنے اصلاح کرنے والوں کو اسی قسم کے

فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

کیا ان نے جو پہلے تھے اور ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے نفسوں

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا

پر ظلم کرتے تھے پس پہنچی ان کو بری خبر اس کی جو انہوں نے عمل کیا

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

اور گھیرا ان کو اس نے جو وہ مسخری کرتے تھے اور کہا انہوں نے جو شرک

اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ

کرتے تھے اگر اللہ چاہتا تو ہم نہ عبادت کرتے اس کے سوا کسی کی نہ ہم اور نہ ہمارے باپ

وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ

دادا اور نہ ہم حرام کرتے اس کے حکم کے بغیر کسی شی کو اسی طرح کیا

فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ

ان لوگوں نے جو پہلے تھے پس نہیں رسولوں پر مگر پہنچا دینا ظاہر اور ہم نے

بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ

بھیجا ہر امت میں رسول کہ عبادت کرو اللہ کی اور بچو شیطان سے

جوابات دیا کرتے ہیں چنانچہ اس زمانہ میں جس کو روشنی کا دور کہا جاتا ہے۔ عموماً غلط کار لوگ اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اسی قسم کی یاوہ گوئیوں سے اصلاح کرنے والوں کا منہ چڑاتے ہیں۔ آیت مجیدہ میں ان کے اس فعل وعذر کی مذمت ہے اور اسی قسم کی آیت سورہ انعام میں بھی موجود ہے جس کی تفسیر جلد نمبر ۵ صفحہ ۲۶۵ پر موجود ہے۔

اَلطَّاغُوْت۔ طاغوت کا معنی شیطان ہے اور ہر وہ شخص جو گمراہی کی دعوت دے وہ طاغوت ہے تفسیر برہان وصافی میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا قَطُّ اِلَّا بِوِلَايَتِنَا وَالْبَرَاءَةِ مِنْ اَعْدَائِنَا۔ کہ خدا نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر ہماری ولایت اور ہمارے دشمنوں سے برائت کے ساتھ چنانچہ آپ

فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ

پس ان میں سے بعض کو خدا نے ہدایت کی اور بعض پر مسلط رہی گمراہی

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

پس پھرو زمین میں اور دیکھو کیا تھا انجام جھٹلانے والوں کا؟

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا

اگر تم حرص کرو ان کی ہدایت پر تو تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا (جنت کی) جس کو وہ ذلیل کرے

لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ

اور نہ ہوگا ان کا کوئی مددگار اور انہوں نے اللہ کی قسمیں کھائیں پکی قسمیں کہ نہ

لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّ

اٹھائے گا خدا ان کو جو مر گئے ہاں ضرور اٹھائیگا اس کا پکا وعدہ ہے لیکن

لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ

اکثر لوگ نہیں جانتے تاکہ واضح کرے ان کے لئے

نے یہی آیت پڑھی۔ پس بعض لوگوں نے ہدایت پائی اور بعض پر تکذیب آل محمدؐ کے صلہ میں گمراہی مسلط ہوئی۔

اقسموا باللہ ۔ عام طور پر اس کا شانِ نزول اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ کسی مشرک نے مومن کے سامنے قسم کھائی تھی کہ خدا مرنے کے بعد زندہ نہ کرے گا۔ پس یہ آیت سرزنش کے لئے اُتری اور ممکن ہے ایسا ہی واقع ہوا ہو لیکن اس کو صرف اسی میں منحصر کرنا قرآن مجید کی تاقیامت حیات کے منافی ہے پس اس کی تاویل کو جاری رہنا چاہیے۔ لہذا ہر زمانہ میں ایسے عقیدہ رکھنے والے اس آیت کے مصداق ہوں گے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں بروایت کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو بصیر کو تنبیہ کے طور پر فرمایا تھا کہ جب حضرت قائم آل محمدؐ مبعوث ہوں گے اور پہلے مرچکے ہوئے شیعوں کی جماعت زندہ ہو کر ان کی بیعت کرے گی اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں علم ہوں گی پس زندہ شیعوں میں یہ خبر سرایت کرے گی اور وہ خوشی خوشی ایک دوسرے کو سناتے پھریں گے دیکھو فلاں فلاں مومن زندہ ہو چکا ہے۔ پس دشمنان اہل بیت یہ فقرہ سن کر حسد کی آگ میں جلیں گے اور کہیں گے کہ یہ ناممکن ہے۔ مرنے

يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾
وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور تا کہ پتہ چل جائے کافروں کو کہ وہ جھوٹے تھے
اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ ع
تحقیق ہمارا قول کسی شے کے لئے جب چاہیں یہ ہے کہ کہیں ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے
وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ
اور جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کے لئے بعد ظلم کئے جانے کے ضرور ان کو ہم ٹھکانا

کے بعد دوبارہ انسان کیسے زندہ ہو سکتا ہے؟ پس خدا ان کی تردید فرما رہا ہے۔ مروی ہے کہ خدا رجعت کے زمانہ میں بعض لوگوں کو زندہ کرے گا تا کہ اختلاف کرنیوالوں کا ناطقہ بند ہو اور کفار بھی سمجھ لیں کہ ہم تکذیب کرنے میں حق بجانب نہ تھے بہرکیف اسی قسم کی روایات عیاشی سے بھی منقول ہیں کہ ان آیات کی تاویل زمانِ رجعت میں ظاہر ہو گی۔

رکوع نمبر ۱۲

وَالَّذِيْنَ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے صہیب عمار بلال اور خباب وغیرہ جو کفار قریش کے تشدد کے شکنجے سے نجات پا کر مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تھے خداوند کریم نے ان کو پُرامن جگہ عطا فرمائی اس جگہ حسنہ صفت ہے اور اس کا موصوف مدینہ محذوف ہے۔ ان میں سے صہیب بہت بوڑھا اور سن رسیدہ بزرگ تھا اس نے کفار سے کہا تھا کہ میں کافی بوڑھا آدمی ہوں میرا تمہارے پاس رہنا کچھ فائدہ مند نہیں اور چلا جانا تمہیں نقصان دہ نہیں۔ لہٰذا میرا مال متاع تم لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور وہ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے مدینہ آ پہنچا۔

اہل ذکر کون ہیں

اَهْلَ الذِّكْرِ ص۲۱۳۔ وہ کمیٹی جنہوں نے قرآن مجید کے جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا اُن کے حُسن ترتیب کا کیا کہنا آیاتِ قرآنیہ کی توڑ پھوڑ مضامین کا اختلاط اور روانی و سلاست میں پیچ اور گھناؤنے موڑ یہ سب کسی سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت ان کی فنکارانہ صلاحیتوں اور دُوررس نگاہوں یا مشوش و مضطرب اذہان و افکار کی داغ بیل کے افسوسناک نتائج اور المناک آثار ہیں۔ غور کیجئے بعد والی آیت میں بِالْبَيِّنٰتِ کا تعلق اَرْسَلْنَا سے ہے اور معنی واضح طور پر یہ ہے کہ کفار چونکہ رسولوں کی بشری و انسانی صورت میں آمد کے منکر تھے۔ پس آپ کی تسلی و دلجوئی کی خاطر ارشاد ہے کہ کفار کی باتوں سے مت گھبرایئے۔ کیوں کہ ہم نے اس سے پیشتر جس قدر رسول بھیجے وہ سب بشر ہی تھے جن پر ہم نے وحی کی اور ان کو معجزات دکتابیں دے کر بھیجا اور تجھے بھی ہم نے کتاب و معجزات عطا کئے اور ہم نے آپ پر ذکر کو نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں اب اس کے بعد لوگوں کو تنبیہ کرنے کے لئے حکم ہوتا

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا

دیں گے دنیا میں اچھی جگہ اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے اگر وہ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

جانیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَاسْئَلُوْٓا

اور ہم نے نہیں رسول بھیجا تجھ سے پہلے مگر ایسے آدمی جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے

چاہیے کہ ہمارا کام ہے بھیجنا اور رسولوں کا کام ہے بیان کرنا اور تمہارا کام ہے کہ ان سے سوال کرو جو تم خود نہ جانتے ہو۔ لیکن چونکہ رسول کے بعد جو لوگ منبر رسول پر قابض ہوئے وہ سائلین کو مطمئن نہ کر سکتے تھے بلکہ خود مطالب قرآنیہ سمجھنے کے لئے اہل ذکر کے محتاج تھے اور رسول کے بعد صحابہ میں حضرت علی علیہ السلام ہی اس مرتبہ پر فائز تھے کہ لوگ اپنی علمی پیاس اس چشمۂ فیض سے بجھاتے تھے اور بفرمانِ پیغمبرؐ آپ مدینۂ علومِ نبویہ کا دروازہ تھے۔ پس اہل الذکر کا مصداق ان کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ بنا بریں طالبانِ علوم قرآنیہ پر ان کی طرف رجوع کرنا واجب تھا اور یکے بعد دیگرے ان کی اولاد آئمہ طاہرینؑ ہر دور میں اُمتِ اسلامیہ کے لئے مشکلاتِ قرآنیہ اور مطالبِ علمیہ کے حل کرنے کا ملجاء و ماویٰ تھے اور اسی بناء پر حضرت پیغمبرؐ نے بار بار وصیت فرمائی تھی کہ میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن اور دوسری اہلبیت ان سے تمسک رکھ کر تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ اس حدیث کو حدیثِ ثقلین کہا جاتا ہے جو معنوی تواتر کے درجہ پر فائز ہے ہم نے مقدمہ تفسیر میں کتب اہل سنت کے حوالے سے اس کو من و عن ذکر کیا ہے۔

وجوہاتِ مذکرہ کی بناء پر آل محمدؐ کو اہل ذکر تسلیم کرنا مسندِ نبویہ کے استحقاق کو تسلیم کرنے کے عین مترادف ہے اس لئے کہ قرآن کو جب ذکر کہا گیا اور رسول کا عہدہ قرآنی مطالب کی وضاحت کرنا بیان کیا تو رسول کے بعد جو اہل الذکر ہو اور قرآنی مطالب کی وضاحت کر سکتا ہو وہی مسندِ رسالت کا حقدار ہوگا۔ پس اسی کو خلیفۂ رسول ہونا چاہیے اور یہ بات قابضینِ منبر اور غاصبینِ مسند کے مفاد کے سخت خلاف تھی پس یتفکرون کے بعد فاسئلوا۔الخ کے ذکر کرنے کی بجائے نوحی الیھم۔ کے بعد اس کو گھسیڑ دیا تاکہ درمیان میں یہ جملہ معترضہ کی حیثیت سے پڑا رہے اور قرآن کو ظاہری اور سرسری نگاہوں سے دیکھنے والے اور دقائق و حقائق سے چشم پوشی کو روا رکھنے والے ادھر اُدھر اُلجھتے رہیں اسی لئے بعض مفسرین نے یہی کہہ دیا کہ فاسئلوا۔ کا خطاب قوم یہود و نصاریٰ سے ہے کہ تم اپنے علماء سے دریافت کرو۔ بعضوں نے کہہ دیا کہ خطاب مشرکین مکہ سے ہے کہ تم گذشتہ اُمتوں کے حالات کو جاننے والے علماء سے دریافت کر لو یا د کھنے

اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ

پس پوچھو اہل ذکر سے اگر تم نہیں جانتے (ہم نے بھیجا) ساتھ معجزات اور کتابوں کے

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ

اور ہم نے نازل کیا تیری طرف ذکر کو تاکہ بیان کرے لوگوں کے لئے جو اتارا گیا ان پر اور

بناوٹی پھول آنکھوں کو دھوکہ دے سکتے ہیں لیکن نفاست ولطافت اور ملائمت وخوشبو سے تہی دامانی، الٹا ان کی رسوائی کا سامان پیدا کرتی ہے پس تاڑنے والے بناوٹ اور تصنع کے تہ بہ تہ پردوں کے اندر بھی حقیقت کا منہ دیکھ لیتے ہیں کیونکہ تیرہ وتار بادلوں کی گھٹاٹوپ تہوں کے پیچھے سورج کی غمازی کرنے والی کرنیں کسی نہ کسی جانب سے چشم بینا کو دعوت نظارہ دیکر اُسے حقیقت کا پتہ دے دیا کرتی ہیں۔ اس مقام پر بھی کرسیٔ اقتدار کی طرف سے علوم قرآن سے اپنی بے بضاعتی کو چھپانے اور آل محمدؐ کے فضائل کو دبانے کے لئے آیات قرآنیہ میں ہیرا پھیری کام نہ آسکی۔ پس حقیقت بین نگاہیں الفاظ کی ردّ وبدل کی قلابازیوں سے مسحور نہ ہو سکیں۔ اور وہ اس نکتہ پر پہنچ کر ٹک گئیں کہ اس مقام پر اہل الذکر سے مراد وہی لوگ ہیں جو اسلامی حقائق اور قرآنی دقائق پر نظر رسا رکھتے ہوں اور چونکہ قرآن تاقیامت نسخہ ہے لہذا فاسئلوا کا خطاب بھی تاقیامت ہونا چاہیے بنا بریں اہل الذکر کی ایک نہ ایک فرد کا تاقیامت ہر زمانہ میں زندہ ہونا ضروری ہے اور آئمہ اہل بیت کے علاوہ نہ کوئی ہو سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کو ثابت کر سکتا ہے پس حدیث ثقلین جو اپنے مقام پر متواتر ہے اس آیت مجیدہ کی جیتی جاگتی تصویر ہے نیز قرآن مجید میں جناب رسالتمآبؐ کو بھی ذکر کہا گیا ہے۔ چنانچہ پ۲۸ سورہ طلاق میں ارشاد قدرت ہے۔ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا۔ اور اس لحاظ سے اہل ذکر وہ ہوں گے جو آل رسول ہوں۔ ذرا فرامین آئمہ کی روشنی میں آیہ مجیدہ کی تفسیر کا جائزہ لیں۔

(۱) تفسیر برہان میں کلینی سے منقول ہے سائل نے امام رضا علیہ السلام سے آیت مجیدہ فاسئلوا اهل الذکر۔ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ہم اہل ذکر ہیں اور ہم سے پوچھنے کا حق ہے۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے عرض کی کیا آپ مسئول اور ہم سائل ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ پھر میں نے پوچھا کیا ہم پر پوچھنا واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ پر بتانا بھی واجب ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ بلکہ ہماری مرضی پر موقوف ہے اگر چاہیں تو جواب دیں اور اگر نہ چاہیں تو خاموش رہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ یعنی یہ ہمارا عطیہ ہے لوگوں پر احسان کرو یا اپنے پاس محفوظ رکھو اس کا کوئی حساب نہ ہو گا۔

(۲) بروایت محمد بن مسلم امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ میں اگر اہل الذکر سے مراد یہود ونصاریٰ لئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ خدا نے ہمیں ان کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی ہے (حالانکہ ایسا ہر گز نہیں) پھر اپنے

سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ہم اہل ذکر ہیں اور ہم سے سوال کرنا چاہیے۔

(۳) بروایت محمد بن حسن صفار محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے آیت مجیدہ کے متعلق فرمایا۔ ذکر سے مراد قرآن ہے اور رسول اللہ کی آل اہل ذکر ہیں اور انہی سے پوچھنے کا حکم ہے۔

(۴) بروایت ابن بابویہ ابان بن صلت سے مروی ہے ایک مرتبہ امام رضا علیہ السلام دربار مامون میں حاضر ہوئے جب کہ علمائے عراق وخراسان بھی کافی موجود تھے۔ باتوں باتوں میں امام رضا علیہ السلام نے فرمایا قرآن مجید میں اہل ذکر سے مراد ہم ہیں جن سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے باقی علمار کہنے لگے کہ اس جگہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ کیا یہ جائز ہے کہ خدا ہم کو ان کے دین کی دعوت دے حالانکہ وہ اپنے دین کو اسلام سے افضل مانتے ہیں ؟ مامون نے عرض کی کہ حضور! آپ کے نزدیک اس کی تفسیر کچھ اور ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ ذکر سے مراد رسول ہے اور ہم اس کے اہل ہیں اور خداوندکریم نے سورہ طلاق میں فرمایا ہے۔ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا۔ الایۃ الخبر۔

(۵) بروایت عیاشی حمزہ بن محمد طیار سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ان کے والد کے بعض خطبات پیش کئے گئے۔ ایک مقام پر پہنچ کر آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ اور خاموش ہو جاؤ۔ اور اگر کوئی شے تمہارے سامنے ایسی آجائے جس کو نہ سمجھو تو رک جایا کرو اور ثابت قدم رہ کر آئمہ کی طرف رجوع کیا کرو کہ وہ تم کو راہ راست پر چلائیں گے اور تمہاری بے علمی کو دور کریں گے۔ فاسئلوا اھل الذکر۔ الخ

(۶) امام رضا علیہ السلام نے ایک شیعہ کی طرف لکھا ہمارا شیعہ وہ ہے جو ہماری اطاعت کرے جس مقام پر ہم ڈریں وہ بھی ڈرے اور جہاں ہم پرامن ہوں وہ بھی بامن رہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ فاسئلوا۔ الخ

بہرکیف عموم کے اعتبار سے اگرچہ زمان رسالت مآبؐ کے جویان حق یہود و نصاریٰ کو دیکھ بھال اور تحقیق وتدقیق کے لئے اپنے علمار سے سوال کرنے کی دعوت دی گئی تاکہ اسلام کی حقانیت ان کے دلوں کی گہرائیوں میں جگہ کرے چنانچہ جب بعض اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے بفرمان پیغمبر اپنی اپنی قوم کے علمار کی طرف رجوع کیا تو ان کے دلوں پر سے یہودیت ومسیحیت کے بادل چھٹ گئے کفر و انکار کے زنجیر کٹ گئے اور بغض وعناد کے پردے ہٹ گئے پس وہ دامن اسلام سے لپٹ گئے۔ تاہم اس کے مصداق کو یہود و نصاریٰ تک محدود رکھنا تنگ نظری وکوتاہ بینی کے سوا کچھ نہیں۔

بنابریں اسلامی تعلیمات وعقائد وفروعات کو سن سمجھ کر ہر مذہب وملت کے افراد کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے فرقہ وارانہ تعصب کو خیرباد کہہ کر طالب حقیقت بن کر اپنے معتمد قومی ومذہبی علمار سے سوال کرے اور مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے حضرت پیغمبرؐ کو سلطان الانبیاء بنا کر بھیجا ہے اسلامی تعلیمات کی مبنی برصداقت جزئیات ہر باضمیر صاحب ذوق منصف طبع انسان سے خراج تحسین حاصل کر کے رہیں گی۔ پس تحقیق کرنے والا انسان اپنے دامن میں اسلام کے گوہر مراد کو لے کر پلٹے گا اس لئے تحقیق حق کی خاطر علمائے مذاہب سے سوال کرنا بجا ہے۔ اور

لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۴﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّـَٔاتِ
تاکہ وہ سوچیں کیا بے خوف ہیں وہ جو بُری تدبیریں کرتے ہیں اس
اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ
بات سے کہ خدا ان کو زمین میں دھنس دے یا آئے ان پر عذاب ایسی جگہ سے جس کا

عمومِ آیت اس کو شامل ہے۔

نیز دینی مسائل اصولیہ و فروعیہ کو علمائے اعلام سے حاصل کرنا بھی اسی آیت مجیدہ کی رُو سے فرض ہے کیوں کہ آیت کی جس طرح تنزیل حجّت ہے تاویل بھی حجت ہے اور ہر دَور کے علمائے عاملین اُس کی تاویل میں داخل اور اس کے مصداق ہیں شامل ہیں اور مسئلہ تقلید کو بھی اسی آیت مجیدہ سے ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ عوام جو خود درجہ اجتہاد پر فائز نہ ہوں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جامع الشرائط مجتہد کی طرف مسائل فرعیہ میں رجوع کریں اور چونکہ آیت مجیدہ میں مطلق اہل الذکر کی طرف نادانستہ مسائل میں رجوع کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا اس آیت کا ظاہر مسئلہ تقلید اعلم کو بھی باطل کرتا ہے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص کے لئے اہل الذکر کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور ہر اہل ذکر کو جواب دینے کا حق حاصل ہے۔ اگر وجوب تقلید کا انحصار صرف اعلم میں کر دیا جائے تو جہاں ایک طرف ناممکن و ناشدنی شے کا امر لازم آئے گا اور عوام الناس کی مشکلات میں اضافے کا باعث ہوگا وہاں اس آیت مجیدہ کی تخصیص بلا مخصص بھی ضرور کرنا ہوگی اور ہم نے اس مسئلہ کو مقدمہ تفسیر میں پوری وضاحت سے بیان کیا ہے۔

بہرکیف آیت مجیدہ میں اہل الذکر سے مُراد جزوی طور پر اگرچہ علماء بھی ہوسکتے ہیں لیکن کلی طور پر تمام اُمّتِ اسلامیہ خواہ عالم ہوں خواہ جاہل کا مرجع وحید صرف آل محمدؐ ہیں۔ جس طرح کہ پوری کائنات کیلئے حتیٰ کہ آل محمدؐ کے لئے بھی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ مرجع تھے۔

اَفَاَمِنَ۔ جو لوگ ہدمِ اسلام اور توہین پیغمبر کے لئے بُری بُری تجویزیں سوچتے اور مکاریاں کرتے تھے ان کو سرزنش کرتے ہوئے دھمکی دی گئی ہے اگر اللہ چاہے تو ان کو زمین میں دھنسا دے یا اچانک عذاب بھیج دے یا چلتے پھرتے ان کو گرفتار بلا کر دے یا تخوف سے سزا دے تخوف کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک وہ جو تحت اللفظ درج ہے اور دوسرا تنقص یعنی کسی شی کو کم کرتے کرتے ختم کر دینا اور اس حالت کے ظاہر ہونے سے بربادی کا خوف لاحق ہو جاتا ہے اسی لئے اس کو تخوف سے تعبیر کیا گیا ہے۔

من شی ص۲۱۵۔ یہاں اگلے قرینہ کی بنا پر سایہ دار جسم مراد ہے۔

الشمائل ص۲۱۵۔ جمع ہے شمال کی اور یمین کو جمع نہیں لایا گیا کیونکہ یمین کا استعمال جمع کے معنی میں بھی ہوتا ہے اور

حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۴۵﴾ اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ فِىۡ تَقَلُّبِهِمۡ فَمَا هُمۡ

ان کو شعور بھی نہ ہو اور پکڑے ان کو کاروبار کرتے ہوئے پس نہیں وہ عاجز

بِمُعۡجِزِيۡنَ ﴿۴۶﴾ اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمۡ

کرنے والے یا پکڑے ان کو دوسروں کو خوف دلانے کے لئے تحقیق تمہارا رب مہربان

لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ

رحیم ہے کیا وہ نہیں دیکھتے طرف اس کے جو پیدا کیا اللہ نے جسم

يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمۡ

سایہ دار کو جس کا سایہ جھکتا ہے دائیں اور بائیں سجدہ کرتے ہوئے درحالیکہ وہ

یہاں اس سے جمع مراد ہے۔ سایہ دار جسم کے سائے کا گھٹنا بڑھنا اور دائیں بائیں پھرنا تکوینی اطاعت ہے جو سجدہ سے تعبیر کی گئی ہے۔ اور ہم نے سجدہ کے متعلق ایک تفصیلی نوٹ اسی جلد میں سورہ رعد کی تفسیر میں لکھا ہے۔ ص۱۱۸ تا ص۱۲۱

مِنۡ فَوۡقِهِمۡ ۱۱۹ اس مقام پر فوق سے مراد غلبہ ہے، نہ کہ جہت۔ کیونکہ خدا جہات کی پابندی سے منزہ ہے اور آیت کے اختتام پر سجدہ کرنا مستحب ہے جس کی وضاحت تفسیر کی چھٹی جلد ص۵۷ پر ہو چکی ہے اور ملائکہ کی عبادت کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ ساتویں آسمان پر ملائکہ کی ایک جماعت خدا نے خلق فرمائی ہے وہ جب سے پیدا ہوئے ہیں سجدہ پروردگار میں ہیں اور ان کے اعضاء خوف خدا سے لرزاں ہیں ان کی آنکھوں سے بہنے والی آنسوؤں کے ایک ایک قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے وہ قیامت کے روز سجدہ سے سر اٹھائیں گے اور یہی کلمہ زبان سے جاری کریں گے مَا عَبَدۡنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ۔ یعنی اے اللہ تیرا حق عبادت ہم سے نہیں ادا ہو سکا۔

رکوع نمبر ۳ ثنویہ فرقہ کو دعوتِ توحید

لَا تَتَّخِذُوۡا ص۲۱۶ جو لوگ دو خدا مانتے ہیں ایک خالق خیر جس کو یزداں کہتے ہیں اور دوسرا خالق شر جس کو اہرمن کہتے ہیں گویا پہلا خالق نور ہے اور دوسرا خالق ظلمت ہے ان کو ثنویہ فرقہ کہا جاتا ہے۔ آیت مجیدہ میں ان کی تردید کی گئی ہے کہ زمینوں اور آسمانوں کا بلکہ ہر خشک و تر سیاہ و سفید، زیر و زبر اور کائنات عالم کی ہر جنس و صنف میں مادہ و نر کا خالق صرف ایک خدا ہے۔ ذی روح اور غیر ذی روح تمام مخلوق بمعہ اپنے جملہ لوازم کے سب اسی ایک خدا کا تخلیقی کارنامہ ہے اور اطاعت کا

دَاخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

خضوع کرنیوالے ہیں اور اللہ کے لئے ہی سجدہ کرتی ہے ہر شئے جو آسمانوں میں یا اور جو بھی زمین میں ہے

مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ

چلنے والا اور فرشتے اور وہ نہیں تکبر کرتے ڈرتے ہیں

رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَقَالَ

اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے اور کرتے ہیں جو حکم دئے جاتے ہیں اور فرمایا خدا

اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

نے نہ بناؤ خدا دو سوائے اس کے نہیں کہ خدا ایک ہے

فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ

پس مجھ سے ڈرو اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی

الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ

کے لئے ہے اطاعت دائما کیا پس غیر خدا سے ڈرتے ہو؟ اور تمہارے اوپر جو بھی نعمت ہے وہ

سزاوار ہمیشہ کے لئے وہی ہے۔ وصب کا معنی دوام اور وجوب ہوا کرتا ہے اور جس قدر تمہارے اوپر نعمات ہیں وہ سب اسی ایک خدا کی جانب سے ہیں اور جب تم کو کوئی تکلیف ہو تو فریاد کے سننے والا صرف وہی ایک ہے جس کو فریاد کرتے ہو۔ دجوار کا معنی فریاد کرنا اور گڑگڑانا ہے پھر وہ جب تکلیف کو دُور کرے تو اس کے شریک بنانے لگتے ہو تاکہ اس کی نعمت کا کفر وانکار کرو حالانکہ نعمت کا بدلہ شکر ہونا چاہیئے۔ یہ آیات دو خدا ماننے والوں کے لئے تفہیم وارشاد ہے۔ تفسیر برہان میں احتجاج طبرسی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دلیل توحید اس طرح بیان فرمائی کہ اگر آپ دو کہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے وہ دونو قوی ہیں یا ایک قوی اور دوسرا ضعیف۔ اگر دونو قوی ہیں تو آپس میں جھگڑا کیوں نہیں کرتے اور ان میں اگر ایک ضعیف ہے تو وہ خدا نہیں۔ پس دونو صورتیں توحید خداوندی کو ثابت کرتی ہیں۔ نیز خلق کا منظم ہونا دن رات کا اختلاف شمس وقمر کا منظم دور اور افلاک کی گردش اس امر کی شاہد بیّن ہیں کہ عالم کا مدبّر صرف ایک ذات پروردگار ہے۔

فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ

اللہ سے ہے پھر جب تم کو تکلیف پہنچے تو اس کی طرف فریاد کرتے ہو پھر

اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾

جب دور کرے تکلیف تم سے تو تمہاری ایک جماعت اپنے رب کا شرک کرتی ہے

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ

تاکہ انکار کریں جو ہم نے ان کو نعمتیں دیں پس دنیا میں فائدہ اٹھا لو عنقریب تم کو پتہ چلے گا اور کرتے ہیں اُن کے

لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا

لئے جن کے متعلق نہیں جانتے ایک حصہ اس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا خدا کی قسم ضرور پوچھے جاؤ گے

لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ اس کا فاعل ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے یعنی وہ چیزیں (بُت) جن کے متعلق وہ نہیں جانتے کہ وہ نفع یا نقصان دیتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ بت نفع یا نقصان نہیں دے سکتے لیکن تعبیر نرم لہجہ میں کی گئی ہے تاکہ تبلیغ کا پہلو دل آزار نہ ہو ورنہ اگر صاف طور پر کہا جاتا کہ ان کو علم ہے کہ ان کے مصنوعی خدا نفع یا نقصان نہیں دے سکتے تو وہ ضد پر اڑ جاتے اور کہہ دیتے کہ وہ نفع یا نقصان دے سکتے ہیں لیکن جب اس انداز میں کہا گیا کہ ان کو معلوم نہیں کہ بت نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں تو یہ دعوتِ فکر ہے جو کفار کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے پس منصف طبع لوگ دامن توحید سے وابستہ ہونے پر موفق ہو جاتے ہیں۔ اس آیت مجیدہ میں خدا ان کفار کے ایک بُرے رواج کی مذمت فرماتا ہے جو اس سے پہلے سورہ انعام کی تفسیر جلد ۵ ص ۲۵۵ میں گذر چکا ہے کہ وہ اپنے مال حلال میں سے اپنے بتوں کا حصہ مقرر کر لیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ہمارے خداؤں کا ہے۔ خدا فرماتا ہے جو کسی کو نفع یا نقصان دے نہیں سکتے ان کے لئے اپنے رزق سے حصہ مقرر کرنے کا کیا مطلب ہے پھر تنبیہ و تہدید کے طور پر فرمایا کہ ان افترا پردازیوں کا بروز محشر ضرور ان سے سوال کیا جائے گا۔

عربوں کی بد رسوم

يَجْعَلُوْنَ ص ۲۱۸ ۔ ان کی دوسری بد رسم یہ تھی کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے پس ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ عجیب ہیں خود تو اپنے لئے بیٹی پسند نہیں کرتے اور میرے لئے وہ بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ان کو بیٹی کی پیدائش کی اطلاع دی جائے تو وہ غصہ و غم میں گرفتار ہو کر روسیاہ ہو جاتے ہیں اور یہ کظیم کظامۃ سے ہے جس کا معنی ہے مشکیزہ کا منہ باندھنے کا تاگا اور یہاں مراد ہے کہ وہ

كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٦﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ

اس کے متعلق جو افترا کرتے ہو اور کرتے ہیں اللہ کے لئے بیٹیاں پاک ہے وہ ذات اور اپنے لئے وہ جو

مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ

چاہتے ہیں (بیٹے) اور جب خوشخبری دی جائے کسی ایک کو بیٹی کی تو ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ

مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا

درحالیکہ وہ مغموم ہوتا ہے چھپتا ہے قوم سے بوجہ بری بشارت کے (سوچتا ہے) کیا

بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا

اس کو زندہ رکھے باوجود ذلت کے یا دفن کر دے مٹی میں ؟ آگاہ ہو

سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٥٩﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ

وہ بُرا فیصلہ کرتے ہیں جن کا آخرت پر ایمان نہیں ان کی شان (صفت جیسے ذالجام) بُرا ہوگا

غصے سے اپنا منہ بند کر لیتا ہے اور بول نہیں سکتا پھر شرم کے مارے قوم سے منہ چھپاتے پھرتا ہے اور لڑکی کو زندہ رکھنا اپنی توہین سمجھتا ہے پس لڑکی کے زندہ درگور کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ تفسیر کی جلد ۵ صفحہ ۲۵۶ پر تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔ نیز کظامۃ کنوئیں کو بھی کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ کظامۃ پر تشریف لائے اور وضو کیا اور پاؤں پر مسح کیا۔ اس کی جمع کظائم ہے۔ (مجمع)

ہمارے ہاں کا دستور عربوں کی رسوم بد سے کم نہیں وہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے لیکن یہاں حکومت وقت کی گرفت کے ڈر سے ایسا نہیں کر سکتے اگر یہ خوف نہ ہوتا تو شاید یہ بھی اسی تاریخ کو دُہراتے یا قدم اس سے بھی آگے بڑھا کر رکھتے۔ البتہ ہمارے ملک میں اس سلسلہ کی چند رسوم بد موجود ہیں۔

(۱) بعض جاہل لوگوں میں یہ رسم ہے کہ بیوہ ہو جانے کے بعد عورت کی دوسری شادی کو باعث توہین قرار دیا جاتا ہے لہذا اسے شادی سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات بالکل نوجوان لڑکی کا نوجوان بیاہتا شوہر اگر کسی حادثے کا شکار ہو جائے تو وہ بیچاری عمر بھر سوگواری میں گذارتی ہے۔ ایک اپنے نوجوان شوہر کی موت کا سوگ اور اس سے زیادہ اپنی قیمتی جوانی کا تازیست سوگ اور نندوں اور بھاوجوں کی دل آزاری کا بھی سوگ۔ پس وہ بیچکیول

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَوْ یُؤَاخِذُ

اور اللہ کی صفت و شان بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اور اگر گرفت کرتا اللہ

اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ

لوگوں کی ان کے ظلم پر تو نہ چھوڑتا اس زمین پر کوئی چلنے والا لیکن ان کو

میں ہی زندگی کے دن پورے کرتی ہے اس کے ظالم ماں باپ یا بھائیوں نے کبھی اس کی روحانی کوفت کا جائزہ لینا گوارا نہ کیا عورت کے مرنے پر مرد تو ایک کی بجائے دو دو شادیاں رچا لیا کرتے ہیں لیکن عورت کو بیوگی کے ناکردہ گناہ کی سزا میں ساری عمر رُلایا جاتا ہے۔ اچھے بھلے خاندانوں میں یہ لعنت پائی جاتی ہے اور خاندانی روایات کی مخالفت کے ڈر سے بعض اچھے خاصے سمجھدار لوگ بھی اس ظلم میں شریک ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ عورت کی دوبارہ شادی سے خاندان کی ناک کٹتی ہے حالانکہ نوجوان عورت کا بغیر شوہر کے رہنا خاندان کی ناک کٹنے کے مترادف ہے پس جنہوں نے خدائی احکام کو ٹھکرایا وہ کبھی ذلت سے نہ بچ سکے۔ درحقیقت یہ بدرسم ہندوؤں کی ستی کی رسم سے ماخوذ ہے کہ وہ سابقہ زمانہ میں شوہر کے مرنے کے بعد اس کی زندہ بیوی کو اس کے ساتھ نذر آتش کر دیا کرتے تھے اس رسم کو انگریزوں کی عملداری میں جبراً بند کر دیا گیا۔ لیکن بعض مسلمان خاندانوں نے اس کا بدل یہ تجویز کیا کہ مرد کے مرنے کے بعد اُس کو درگور کیا تو عورت کو اس کے ساتھ اس طرح زندہ درگور کر دیا کہ نہ مرے نہ جیے بلکہ تمام زندگی رو کر بسر کرتی رہے۔

(۲) بعض جاہلوں میں کنواری لڑکیوں کو قطعاً شادی سے محروم کرنے کا دستور ہے کہ ہمارے جوڑ کا خاندان کوئی نہیں ہے پس وہ کسی کو مصلے سے کسی کو علم حضرت عباس سے کسی کو مسجد یا امام باڑہ سے منسوب کر کے کہتے ہیں کہ ہماری لڑکی مصلے پر بیٹھ گئی ہے وہ شادی کرنا چاہتی ہی نہیں حالانکہ یہ ظلم صریح ہے۔ مردوں کیلئے سوچنے کی بات ہے کہ اپنے جوڑ کا رشتہ مل سکتا ہے تو عورتوں کو کیوں نہیں مل سکتا اور یہ پارسائی عورت کے لئے ہے تو مرد خود اس میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟ پس عورت کی بے بسی اور بے چارگی سے فائدہ اٹھا کر اس کی زندگی کو تباہ کیا جاتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ جائداد کا حصہ کسی دوسرے کے پاس نہ جانے پائے۔ بعض لڑکیاں حدودِ حیا کو توڑ کر خود میدان میں آجاتی ہیں اور شادی کر لیتی ہیں۔ لیکن اکثر لڑکیاں ماں باپ کے رحم و کرم کی بھیک پر زندگی کے دن کاٹتی ہیں اور یہ بھی زندہ درگور کرنے سے کسی قدر کم نہیں بلکہ میرے خیال میں یہ زیادہ روح فرسا ہے۔

(۳) بعض علاقوں اور خاندانوں میں جہیز کی بدرسم نے لڑکیوں کے شادی کے سلسلہ میں روکاوٹ پیدا کر دی ہے کہ لڑکی اگر جہیز اچھا لے کر آئے تو اس کی سسرال میں قدر ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ بس لڑکی کے پیدا ہوتے ہی ماں باپ اس

کے جہیز کی فکر میں لگ گئے اور زندگی بھر کی کمائی سے بچا بچا کر اُس کا جہیز پورا کرتے رہے اگر کسی کے ہاں دو، تین لڑکیاں ہوگئیں تو وہ اس کے لئے جان لیوا اور سوہان روح بن گئیں۔ پس ایسی صورت میں نہ جہیز بن سکتا ہے نہ لڑکی کی شادی ہو سکتی ہے۔ اگر ایسے خاندان میں شادی کرے جو جہیز کی قیود سے آزاد ہیں تو خلاف شان سمجھا جاتا ہے۔ پس نہ دوسرے خاندان میں شادی گوارا اور نہ اپنے خاندان میں جہیز کے سوا کوئی اور چارہ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی زندہ درگور۔

(۴) خاندانی رشتہ کی پابندی اکثر ماں باپ کے لئے باعث کوفت بن جاتی ہے کہ اپنے خاندان میں مناسب جگہ نہیں مثلاً لڑکا تعلیم یافتہ ہے اور لڑکی اَن پڑھ ہے یا اس کا الٹ ہے یا لڑکا کھاتے پیتے گھرانے کا ہے اور لڑکی بہت نادار گھر کی ہے یا اس کا الٹ ہے یا شکل و شباہت کے لحاظ سے موزونیت کا فقدان ہے یا اخلاق و عادات میں تفاوت ہے یا مذہبی حدود کی پاس خاطر ہے وغیرہ پس اس ناموزونیت کی تان صرف صنف نازک پر ہی ٹوٹتی ہے کیونکہ مرد تو موزوں و ناموزوں میں فرق کم ہی کرتے ہیں۔ پس لڑکی کو ہی زندہ درگور کی مصیبت بھگتنی پڑتی ہے۔

(۵) بعض علاقوں میں نکاح و بیاہ کے اخراجات اس قدر زیادہ رواج پا گئے کہ لڑکی کے والدین نہ ان کو پورا کر سکتے ہیں نہ لڑکی کی شادی ہو سکتی ہے۔ مثلاً زیورات کی پابندی یا پارچات کی مخصوص اقسام کا انتظام بعض لوگ کر نہیں سکتے۔ لہذا لڑکی کو شادی سے محروم رہ کر زندہ درگور ہونا پڑتا ہے۔

بہرکیف اسلامی اُصول و شرعی قوانین کی پاسداری ہی صحیح طور پر انسانوں کو ان جیسے مصائب سے نجات دلا سکتی ہے اور جو لوگ حکومت الٰہیہ کا اقتدار تسلیم کرکے اپنی خواہشات و جذبات کو اس کے تابع کرتے ہیں وہ اس قسم کی روح فرسا مصیبتوں سے بچ جاتے ہیں ورنہ وہی عربوں کی سی بد رسوم میں مبتلا رہ کر ظالموں پر لعنت کرنے کے باوجود خود ظلم کے بھنور میں پھنسے رہتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو اور بالخصوص اہل ایمان کو رسوم بد پر ہنسنے کی بجائے اپنے گریبان میں جھانک کر اپنی کمزوریوں کو ختم کرنا چاہیئے۔

ساءَ ما یحکمون[۲۱۸]۔ اس کی دو توجیہیں کی گئی ہیں (۱) عربوں کا اللہ کے لئے بیٹی تجویز کرنا اور اپنے لئے بیٹوں کا پسند کرنا اُن کا بُرا فیصلہ ہے (۲) لڑکوں کی خواہش کرنا اور لڑکیوں کو مارنے کی فکر کرنا بُرا فیصلہ ہے۔ کیونکہ اولاد ہونے کے لحاظ سے دونو برابر ہیں اور اللہ کی حکمت دونو کی پیدائش سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ اگر صرف لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوں تو نسل انسانی آگے نہیں بڑھ سکتی۔

لِلَّذِینَ[۲۱۹] یعنی کفار و مشرکین جو اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں ان کے بروز محشر رنگ متغیر ہوں گے۔ مثل السّوء سے مراد بدرنگی ہے یعنی عذاب کی وجہ سے ان کا رنگ کالا ہوگا۔

يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ

مہلت دیتا ہے ایک مدت مقررہ تک پس جب آجائے گی مقررہ مدت تو نہ پیچھے ہٹ سکتے

سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَ

ہیں ایک گھڑی اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں اور بناتے ہیں اللہ کے لئے جو خود ناپسند کرتے ہیں

تَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۖ لَا جَرَمَ أَنَّ

(بیٹیاں) اور بیان کرتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ کہ ان کے لئے جزا اچھی ہوگی یقیناً ان کے لئے

المثل الاعلیٰ [ص۲۱۹] اس جگہ مثل سے مراد شان وجلال ہے۔ یعنی خدا کی شان بلند اور اس کی عظمت وجلال نقائص وعیوب سے منزّہ ومبرا ہے۔ اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس جگہ فرماتا ہے لِلّٰہِ المثل الاعلیٰ یعنی خدا کی مثل بلند وبالا ہے اور اسی سورہ کی آیت نمبر ۷۴ میں فرماتا ہے۔ فلا تضربوا للّٰہ الامثال کہ خدا کی مثل نہ بیان کرو تو ظاہراً دونوں آیتوں میں تنافر پایا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مثل کے دو معانی ہیں

(۱) شان وصفت (۲) مشابہت۔ پس جس مقام پر مثل کا اثبات ہے کہ اس کی مثل بلند ہے یا اس کی امثال بلند ہیں وہاں صفات پروردگار مقصود ہیں اور اس کی صفات عین ذات ہیں اور جس جگہ مثل یا امثال کی نفی ہے وہاں مشابہت مقصود ہے کہ خدا کا کوئی مشابہ نہیں ہے۔ (مجمع البیان)

پس جو لوگ خدا کے لئے انہی آیات کا سہارا لے کر مثل یا امثال ثابت کرکے حضرت علی یا باقی آئمہ کو اللہ کا مثل یا امثال ثابت کرکے مثل سے مراد مشابہت لیتے ہیں۔ وہ شرک کی تعلیم پھیلاتے ہیں ایسا اعتقاد رکھنے والا شخص مشرک اور نجس ہوتا ہے۔ مومنین کو چاہیے کہ ایسے بیانات سے گریز کریں اور ایسا بیان کرنے والوں کے منہ میں لگام دیں تاکہ مشرکانہ عقائد کو پھولنے پھلنے اور پھیلنے کا موقعہ نہ ملے۔ ہاں اگر اس سے مراد مظہر شان پروردگار ہو تو کوئی حرج نہیں۔

رکوع نمبر ۱۴ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ [ص۲۱۹] یعنی اگر خدا لوگوں کو ان کے ظلم پر گرفتار عذاب کرلیتا تو زمین پر چلنے والا ایک ظالم انسان بھی نظر نہ آتا۔

عَلَيْهَا [ص۲۱۹] میں ضمیر کا مرجع زمین ہے اگرچہ اس کا سابق میں ذکر نہیں لیکن قرائن سے سمجھا جاتا ہے اور کئی چیزیں ایسی ہوا کرتی ہیں جن کی طرف ضمیر پلٹانے میں ان کے سابق ذکر کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور وہ وہ ہیں جو عادتاً ہر ایک کو معلوم ہوں اور قرائن سے سمجھی جا سکتی ہوں۔ یہاں ہر شخص جانتا ہے کہ انسان زمین پر ہی بستے ہیں تو جب

لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ

دوزخ ہے۔ اور تحقیق وہ اسکی طرف آگے آنیوالے ہونگے خدا کی قسم ہم نے رسول بھیجے پہلی امتوں کی

مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ

طرف تو مزین کیا شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو پس وہ اس دن بھی ان کا

الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

ولی ہوگا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہوگا اور ہم نے نہیں اتاری تجھ پر کتاب مگر اس لئے

اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً

کر تو بیان کرے ان پر وہ جس میں وہ اختلاف رکھتے ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے

کہا گیا کہ اس پر بسنے والا کوئی نہ رہتا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس سے مراد زمین ہے۔

مسائل مشکلہ — **مسئلہ نمبر ۱** اگر کوئی شخص ظلم کر کے مستحق عذاب ہو لیکن اس کے آثار ایسے ہوں کہ وہ یقیناً بعد میں توبہ کریگا یا یہ کہ خدا کو اس کا بعد میں توبہ کرنا معلوم ہو تو کیا ایسے شخص کو فوری طور پر عذاب دیا جا سکتا ہے یا اس کو مہلت دینا ضروری ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔

(۱) سید مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ اس کو فوری طور پر عذاب دیا جا سکتا ہے اور اس کو مہلت دینا ضروری نہیں (۲) شیخ مفید کا قول ہے کہ اس کو فوری طور پر عذاب دینا ناجائز ہے بلکہ اس کو مہلت دینا واجب ہے میرے خیال میں سید مرتضیٰ کا قول قوی اور سدید تر ہے لیکن خداوند کریم اپنے لطف کی بنا پر کسی کو فوری طور پر گرفت نہیں کرتا اور لازماً اس کو مہلت دیتا ہے تاکہ وہ توبہ کرے چنانچہ آیت مجیدہ کا بھی یہی مضمون ہے اور ممکن ہے کہ شیخ مفید نے بھی یہی لطف مراد لیا ہو اور مہلت کے وجوب سے مراد لطف ہو نہ کہ پابندی پس دونوں صورتوں میں لفظی فرق ہے نہ کہ معنوی۔

مسئلہ نمبر ۲. کیا عذاب اس وقت حتمی ہوتا ہے جب اُس کی نسل سے بھی ایمان لانے کی اُمید قطع ہو جائے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی مناجات سے معلوم ہوتا ہے یا یہ ضروری نہیں؟ تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ خدا پابند اور مجبور نہیں وہ استحقاق کے بعد ظالم کو گرفت کر سکتا ہے اس کی نسل کو باقی رکھنا اس پر واجب نہیں لیکن اُس نے جس طرح تمام مخلوق کو لطفاً پیدا فرمایا ہے اسی طرح اگر ظالم کی نسل کی بقا کے لئے وہ فوری طور پر اس کو معذب

لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَاللّٰهُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا بِهِ

ایمان لانیوالے لوگوں کے لئے اور خدا نے اتارا آسمان سے پانی پس زندہ کیا زمین کو بعد

الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۵﴾

اس کی مردنی کے تحقیق اس میں نشانی ہے سننے والوں کے لئے

وَاِنَّ لَـكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً ؕ نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡۢ

اور تحقیق تمہارے لئے چوپاؤں میں نصیحت ہے ہم تم کو پلاتے ہیں اس سے جو اس کے پیٹ میں

نہ کرے تو یہ بھی اس کا لطف ہے۔

مسئلہ نمبر ۳۔ آیت مجیدہ سے ظاہر ہے کہ اگر خدا ظلم پر بندوں کو عذاب کرتا تو کوئی چلنے والا نہ رہتا حتیٰ کہ حیوانات بھی نہ رہتے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانوں کے ظلم کی پاداش میں حیوانات کی ہلاکت کس لئے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ظالموں کی ہلاکت کے بعد زمین پر چلنے والا کوئی انسان نہ ہوگا، تو حیوان کس لئے ہوں گے جب کہ ان کی تخلیق ہی انسانی مفاد کی خاطر ہے۔

مسئلہ نمبر ۴۔ بچہ کی موت کے بعد اس کے حشر میں معتزلہ اور اشاعرہ کا اختلاف ہے۔ معتزلہ کا کہنا ہے کہ چونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ وہ بعد میں ظالم ہوگا لہٰذا اس نے اس کو ختم کر دیا پس بچہ محشور ہو کر جنت کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور اشاعرہ کہتے ہیں اگر یہ بات درست ہے تو سرے سے تمام کفار کو کیوں نہ ختم کر دیا۔ پس اس کا حل مناسب اس طرح ہوگا کہ جزا کی تین قسمیں ہیں (۱) ثواب (۲) عوض (۳) تفضل۔ اعمال صالحہ پر جنت عطا فرمانا ثواب ہے۔ چھوٹے بچوں کی تکالیف و اموات یا اولیاء اللہ کے مصائب پر ان کو جنت دینا یا درجات بلند کرنا عوض ہے اور جو جوان ہونے کے بعد بھی اعمال زشت کا مرتکب ہوا اور قطعاً استحقاق جنت نہ رکھتا ہو اس کو شفاعت سے معاف کر دینا یا بعد والوں کی دعاؤں سے اُس کو بخش دینا یا اس کی اولاد کی سعادت سے اس کو جنت دینا یہ سب اس کا تفضل ہے۔ یعنی اختیاری عمل کا بدلہ ثواب اور عمل اضطراری کا بدلہ عوضہ اور بلا عمل عطیہ تفضل ہے اور خدا کی شان ہے جس طرح دے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔

جَآءَ اَجَلُهُمۡ [ص ۲۲۱] ۔ اس کی تفسیر پہلے گذر چکی ہے۔

الۡكَذِبَ [ص ۲۲۲] ۔ وہ کہتے تھے کہ جس جنت کا محمدؐ ذکر کرتا ہے وہ یقیناً ہمارے لئے ہی ہے اور باوجود اپنی بد اعتقادی اور بد اعمالیوں کے حُسنیٰ یعنی جنت کے دعویدار تھے پس خدا نے ان کے دعویٰ کی تردید فرمائی۔

مفرطون [ص ۲۲۲] ۔ فرط سے ہے جس کا معنی تقدم ہے یعنی آگے جانے والے ہوں گے اور بعض لوگوں نے راء کو

بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ

ہے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ خوشگوار پینے والوں کے لیئے اور کھجوروں

ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا

اور انگوروں کے پھلوں سے کر بناتے ہو تم اس سے نشہ آور چیز اور بہترین رزق

حَسَنًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ

تحقیق اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیئے جو عقل رکھتے ہوں اور وحی کی تیرے رب

اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا

نے شہد کی مکھی کو کہ بنا پہاڑوں سے گھر اور درختوں سے اور اس چیز سے کہ جس کی چھت

يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ

بناتے ہیں پھر کھا ہر قسم کے میوہ جات پس داخل ہو اپنے رب کے راستوں میں مطیع

ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ

ہوکر تاکہ نکلے ان کے شکموں سے ایک مشروب رنگ برنگا جس میں شفا ہو لوگوں

کسرہ سے بھی پڑھا ہے یعنی افراط کرنے والے تھے۔

فهو وليهم [۲۲۲] - یعنی شیطان کی اطاعت کرنے والوں کا ولی دنیا میں تو شیطان ہے لیکن آخرت میں وہ بھی ان سے بری ہوجائے گا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ الیوم سے مراد قیامت کا دن ہے یعنی خدا ان کو اپنی رحمت سے مایوس کرتے ہوئے فرمائے گا جاؤ شیطان تمہارا ولی ہے اس سے اپنی اطاعت و کارگذاری کا بدلہ لو۔

رکوع نمبر ۱۵ تذکرہ نعمات برائے عبرت

ان لکم [۲۲۳] - فرماتا ہے کہ حیوانات اور چوپاؤں کی پیدائش میں تمہارے لیے نصیحت وعبرت حاصل کرنے کا مقام ہے۔ بالخصوص شیر دار جانوروں مثلاً گائے بھینس وغیرہ میں غور کرو کہ اس کی اوجھری میں پڑا ہوا گھاس اس کی قوت ہاضمہ اور جگر و معدہ کی مشینری کے ذریعہ سے کچھ حصہ فالتو گوبر بن کر آنتوں میں چلا جاتا ہے اور اس کا خالص جوہر خون بن کر رگوں پٹھوں میں چکر لگا کر اس کی زندگی کو آگے بڑھاتا ہے اور درمیانہ حصہ دودھ خالص تیار ہو کر تھنوں میں پہنچتا ہے جس کو انسان

لِلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ

کے لئے تحقیق اس میں نشانی ہے فکر کرنے والے لوگوں کے لئے اور اللہ نے

خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ ۙۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ

تم کو پیدا کیا پھر تم کو مارے گا اور تم میں سے وہ ہیں جو ردّ کئے جاتے ہیں طرف رذیل ترین عمر

لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾ ع ۱۵

کے تاکہ نہ جانے بعد جاننے کے کچھ بھی تحقیق اللہ جاننے والا قدرت والا ہے

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ

اور اللہ نے زیادہ دیا بعض کو بعض پر رزق پس نہیں وہ جن کو

فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ

زیادہ دیا گیا دینے والے اپنا رزق اپنے غلاموں کو (جن کے وہ مالک ہیں) پس وہ اس میں

استعمال کرتا ہے۔ پس نیچے فضلات گوبر اُوپر خون اور درمیان میں دودھ خالص تیار ہو کر اپنے ظرف میں پہنچتا ہے کہ نہ اس میں گوبر کی بو ہے اور نہ خون کی ملاوٹ صانع حکیم کی توحید کی ناقابل تردید برہان ہے کیونکہ ایک ہی جگہ پر ایک ہی مشینری میں سب کا تیار ہو کر الگ الگ چلا جانا عظمت پروردگار کا بولتا ہوا ناقوس ہے اور جو شخص اس واضح حقیقت سے بھی نصیحت نہیں لے سکتا اور وہ خالق کی قدرت وحکمت اور اس کی یکتائی و بے ہمتائی کی معرفت نہیں حاصل کر سکتا تو وہ عقل کا اندھا اور دانش سے کورا ہے۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ ۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے لکم عبرۃ فیما اخرج لکم من ثمرات ۔ الخ یعنی تمہارے لئے عبرت ہے اس میں جو نکالی ہے خدا نے ۔ یعنی کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں کہ اس سے تم ایسی چیز بھی بناتے ہو جو تم پر حرام ہے جیسے شراب اور اس سے رزق حسن بھی تم حاصل کرتے ہو اور بعض مفسرین نے سُکر کا معنی جائز اور حلال قسم کے مشروبات کیا ہے اور بعض لوگوں نے نبیذ کی حلیت اسی آیت مجیدہ سے ثابت کرنے کی سعی لاحاصل بھی کی ہے کہ خدا نے اس کو اپنے احسانات وانعامات میں سے ذکر فرمایا ہے لہذا وہ حلال ہے اور یہ آل محمدؐ سے روگردانی کے بدترین نتائج میں سے ہے۔

سکر چار معنی میں مستعمل ہوتا ہے (۱) نشہ آور شراب (۲) مطلق مشروبات (۳) سکون جس طرح ساکرہ بمعنی ساکنہ

(۴) حیرت سے آنکھوں کا ٹکٹکی باندھنا۔

اَوْحیٰ[۲۲] قرآن مجید میں وحی کا متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے (۱) وحی بصورت جبریل یا خواب والہام یا ہاتف غیب جو صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے (۲) وحی بمعنی الہام جس طرح شہد کی مکھی کی وحی اور اوحینا الی ام موسیٰ وغیرہ (۳) اشارہ اوحیٰ الیہ یعنی اس کی طرف اشارہ کیا (۴) رازدار بنانا جیسے یوحی بعضھم الی بعض یعنی بعض دوسرے بعض کو رازدار بناتا ہے۔ آیت مجیدہ میں شہد کی مکھی کا الہام یہ ہے کہ خدا نے اس کی فطرت میں یہ چیز داخل کر دی ہے گویا اسجگہ الہام تکوینی تخلیق کا دوسرا نام ہے جس طرح کہ اس کے بعد اوامر کا تعلق بھی اس کے ساتھ تکوینی ہے۔ اس کے مقابلہ میں انسانوں کا الہام تشریعی ہوا کرتا ہے جس طرح کہ اس کے ساتھ امر یا نہی کا معاملہ بھی تشریعی ہوتا ہے پس شہد کی مکھی کی فطری خلقی عادت یہ ہے جو اللہ کی جانب سے الہام تکوینی کے طور پر اس کو عطا کی گئی ہے کہ پہاڑوں درختوں اور بیلوں میں گھسے پس ہر قسم کے میوہ جات کا رس چوسے اور یہ وہ راستے ہیں جو خدا نے اس کے لئے آسان کئے ہیں یا یہ وہ ذرائع ہیں جو قدرت نے اس کو عطا کئے ہیں پس اس کا چوسا ہوا مختلف خواص و آثار کے پھلوں کا رس ایک معجون تیار ہوتا ہے اور وہ بھی موسموں کے اختلاف اور پھلوں کے تفاوت کی بنا پر رنگ برنگی شکل میں ہوتا ہے اور پھر اس کے آثار کا مختلف ہونا بھی بعید از قیاس نہیں لیکن مجموعی طور پر وہ باعث شفا ضرور ہے۔

ذُلُلاً[۲۳] - حال ہے سبل سے کہ وہ راستے یا ذرائع تیرے لئے مناسب و موزوں ہیں یا حال ہے فاعل سے یعنی مکھی خود مطیع ہو کر ایسا کرتی ہے۔

من بُطُوْنِهَا[۲۴] اس سے ظاہر ہے کہ مکھی کے پیٹ میں داخل ہو کر یہ رس دوبارہ اگلا ہوا اس کے منہ سے باہر آتا ہے۔ گویا مکھی کا شکم اس کی اصلاح کے لئے ایک الگ مشین ہے تاکہ بعض پھلوں کے مضر اثرات کا قلع قمع ہو جائے پس وہ محض شفا بن کر بنی آدم کے لئے کام آئے۔

اور قدرت صانع حکیم دیکھئے کہ ڈاکٹروں اور حکیموں سے کوئی معجون ایسی دستیاب نہیں ہو سکتی جس کا جزو اعظم شہد نہ ہو۔

خداوند قدوس نے مکھی اور شہد کے ذکر سے انسان کو عبرت و نصیحت کا درس دیا ہے اور مکھی میں عبرت و نصیحت کے چند مقام ہیں۔

۱۔ پھلوں کا رس چوسنے کے بعد وہ اپنے چھتے میں پہنچ کر منہ کے ذریعے سے وہ رس اگلتی ہے۔

۲۔ جو مقام اس کے کاٹنے کا ہے اسی زہریلے مقام سے یہ رس اگلتی ہے اور وہ بجائے زہریلے اثرات دینے کے شفا بن جاتی ہے۔

فِيْهِ سَوَاۤءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ

برابر ہیں تو کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں ؟ اور اللہ نے پیدا کیں

لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ

تمہارے لئے تم ہیں سے تمہاری بیویاں اور پیدا کئے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے

بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

اور نواسے اور رزق دیا تمہیں پاکیزہ کیا باطل پر ایمان

۳۔ یہ محفوظ مقام میں اپنا چھتہ تیار کرتی ہے تاکہ لوگوں کی دسترس سے محفوظ رہے۔

۴۔ اس کے چھتے کے خانہ جات سب کے سب مخمّس ہوا کرتے ہیں اور ناپ میں اس کے سب اضلاع برابر ہوتے ہیں جو بغیر آلات ناپ کے ان سے صادر ہوتے ہیں۔

۵۔ مکھی کوئی برا رس نہیں لیتی پاکیزہ رس لیکر پلٹتی ہے اور اس میں وہ ہمیشہ پوری محتاط رہتی ہے۔

۶۔ پورے چھتے میں ان کا ایک بادشاہ ہوتا ہے جو امیر النحل یا یعسوب النحل کہلاتا ہے۔

۷۔ تمام مکھیاں امیر النحل کی پوری پوری مطیع و فرمانبردار رہتی ہیں۔

۸۔ جو مکھی امیر النحل کے حکم سے سرتابی کرے باقی مکھیاں اس سے بائیکاٹ کر لیتی ہیں۔ اور اسے کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔

۹۔ جس طرف جائیں امیر النحل سب کے آگے آگے ہوتا ہے اور کوئی مکھی بے ادب ہو کر اس سے آگے چلنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔

۱۰۔ امیر النحل تمام مکھیوں کی ڈیوٹی معین کرتا ہے جس پر عمل پیرا ہونا سب کے لئے ضروری ہوا کرتا ہے۔

۱۱۔ امیر النحل تمام مکھیوں کی پوری دیکھ بھال کرتا ہے اور اس تنظیم سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔

۱۲۔ امیر النحل باہر سے آنے والی ہر مکھی کا معائنہ کرتا ہے اگر کسی مکھی سے بُو خراب آتی ہو تو اس کو فوراً جماعت سے خارج کر دیتا ہے۔

۱۳۔ امیر النحل مکھیوں کو پاکیزہ اور ستھری رس چوسنے پر مامور کرتا ہے پس نافرمان کو سزائے موت دیتا ہے۔

۱۴۔ جب امیر النحل مارا جاتے یا گم ہو جائے تو باقی مکھیوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی امور کافی مصالح پر مشتمل ہیں جن کو پروردگار ہی بہتر جانتا ہے اور حضرت امیر علیہ السلام نے

وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اللہ کے غیر

اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا

کی جو نہیں مالک اپنے رزق کے آسمانوں اور زمین میں سے کچھ بھی

وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں پس نہ بیان کرو اللہ کی مثالیں تحقیق اللہ

يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا

جانتا ہے اور تم نہیں جانتے بیان کرتا ہے اللہ مثال ایک غلام مملوک کی

مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا

جو نہ قدرت رکھتا ہو کسی شے پر اور دوسرا جس کو ہم نے رزق دیا

فرمایا تھا کہ میں مومنوں کا یعسوب ہوں۔

ارذل العمر[۲۲۵]۔ حضرت امیر علیہ السلام سے پچھتر سال کی عمر سے بڑھنا ارذل العمر منقول ہے کہ انسان کی حالت بچپنے کی طرف عود کر آتی ہے اور اس کا علم نسیان کے گوشوں میں چلا جاتا ہے۔

رکوع نمبر ۱۶ دعوت توحید کا نرالا انداز

واللّٰہ فَضَّلَ[۲۲۵]۔ خداوند کریم نے شرک کرنے والوں کی تفہیم میں ہر قابل قبول طریق تبلیغ کو استعمال فرمایا ہے۔ پچھلے رکوع میں نعمات کا تذکرہ اسی سلسلہ کی اہم کڑی تھی اس جگہ ایک مثال کے طور پر واضح فرماتا ہے کہ دیکھو خدا نے تم سب کو رزق عطا فرمایا آقاؤں اور غلاموں سب کا رازق تو اللہ ہے پس وہ آقا جن کو اللہ نے رزق زیادہ عطا فرمایا ہے۔ کیا وہ اپنے رزق سے کچھ حصہ اپنے غلاموں کو عطا کریں گے؟ تو جب اللہ کے عطا کردہ زائد رزق میں تم اپنے غلاموں کو شریک کرنے پر تیار نہیں ہو تو اللہ کے ملک وسلطنت میں تم اللہ کے بندوں کو کیسے شریک کرتے ہو؟ اور یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ زیادہ رزق والے کم رزق والوں کے رازق نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رزق سے ہی ان کی تربیت کرتے پس سب کے سب رزق اللہ کا ہی کھاتے ہیں۔

وَاللّٰہُ جَعَلَ[۲۲۶]۔ پھر نعمات کا تذکرہ دعوت توحید کا پیش خیمہ ہے۔

حَفَدَةً۔ جمع حافد کی ہے اسکا معنی ہے جلدی کام کرنیوالے اور اس سے نوکر و غلام مراد لئے جاتے ہیں اور اس جگہ اس کا معنی

حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ

رزق اچھا پس وہ خرچ کرتا ہے اس سے ظاہر و پوشیدہ کیا یہ دونو برابر ہیں الحمد للہ

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ

بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے اور بیان کی اللہ نے مثال دو آدمی ہوں

اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا

ان میں سے ایک گونگا ہو جو بولنے کی قدرت نہ رکھتا ہو کچھ بھی اور وہ اپنے مربی پر بوجھ ہو اسے جس طرف

يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ

بھیجے نہ پلٹے بھلائی کے ساتھ کیا وہ برابر ہے اُس کے ساتھ جو عدل کا حکم دے

لوا سے منقول ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ [۲۲۸] مشرکین کو تنبیہ فرماتا ہے کہ یہ لوگ عبادت کرتے ہیں انکی جو اپنے رزق کے بھی خود مالک نہیں اور نہ وہ بذات خود کسی چیز کی قدرت رکھتے ہیں بلکہ سب کچھ اللہ کا ہی عطیہ ہے پس ان کو اللہ کا مشابہ نہ بناؤ اور نہ ان کی پوجا کرو بلکہ ان کو اللہ کا محتاج سمجھو اور تمام مخلوق کا حاجت روا صرف اللہ ہی کو جانو۔

ضَرَبَ اللّٰهُ [۲۲۸] دعوت توحید کی دوسری مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک عبد مملوک جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا کیونکہ وہ کسی شی کا مالک نہیں ہے۔ اور دوسرا وہ انسان جو آزاد ہے اور اس کو اللہ نے رزق عطا فرمایا ہے وہ ظاہر و پوشیدہ خرچ کرنے کا مجاز ہے کیا یہ دونو برابر ہو سکتے ہیں تو جب اللہ کی مخلوق میں سے آزاد و غلام برابر نہیں تو مخلوق کا کوئی فرد اللہ کے برابر کیسے ہو سکتا ہے اس کے بعد فرماتا ہے کہ حمد و ثنا کا سزاوار اللہ واحد ہے اور جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں وہ یقیناً معرفت پروردگار سے اپنے دامن کو پُر کر لیتے ہیں۔ لیکن اکثریت جاہلوں کی ہوتی ہے۔

رَجُلَيْنِ مزید وضاحت کے لئے پھر ایک مثال بیان فرمائی کہ دو شخص ہوں ان میں سے ایک گونگا ہو جو بولنے کی طاقت نہ رکھتا ہو (یہاں شئے سے مراد گویائی ہے) اور اپنے آقا و مربی پر اس کا وجود بوجھ ہو کسی طرف سے وہ بھلائی کے ساتھ نہ پلٹتا ہو۔ کیا وہ ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو عالم اور دانا بینا ہونے کے بعد لوگوں کو انصاف کا حکم دیتا ہو پس جب مخلوق میں ایک عاجز بے علم اور دوسرا قادر و عالم برابر نہیں تو وہ اللہ جو علیم و حکیم اور علیٰ کل شی قدیر ہے اس کے برابر اس کی مخلوق کیسے ہو سکتی ہے جو ہر آن و لمحہ قدرت و علم و جملہ صفات میں اس کی محتاج ہیں ؟

وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور وہ ٹھیک راستے پر ہو اور اللہ کے لئے ہی ہے آسمانوں اور زمین کا غیب

وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

اور نہیں معاملہ قیامت کا مگر پلک جھپکنے کے برابر یا اس سے بھی قریب تر تحقیق اللہ ہر شے پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا

قادر ہے اور اللہ نے نکالا تم کو اپنی ماؤں کے شکموں سے کہ کچھ نہ جانتے

تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ

تھے اور بنائے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل تاکہ شکر گذاری

تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ

کرو کیا نہیں دیکھتے پرندوں کو جو فضائے آسمانی میں مسخر ہیں نہیں روکتا ان کو

اور آیت مجیدہ کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ ان مثالوں سے مومن اور کافر کے درجات میں فرق واضح کیا گیا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں وَجَدْتُكَ رَبًّا كَمَا اَرْتَضِىْ فَاجْعَلْنِىْ عَبْدًا كَمَا تَرْتَضِىْ۔ اے اللہ تو میرا وہ رب ہے جس طرح میں چاہتا ہوں۔ پس تو مجھے اپنا عبد بنا جیسے تو چاہتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں كَفٰى بِىْ عِزًّا اَنْ اَكُوْنَ لَكَ عَبْدًا (او كما قال) میری عزت کے لئے اتنا کافی ہے کہ میں تیرا عبد ہوں۔ وَكَفٰى بِىْ فَخْرًا اَنْ تَكُوْنَ لِىْ رَبًّا اور میرے لئے مقام افتخار ہے اور مجھے بجا ناز ہے کہ تو میرا پروردگار ہے۔ پس جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کر کے ان کو خالق یا رازق یا قسیم الرزق مان کر شرک کرتے ہیں ان کو آپ کی ان فرمائشات سے درس حاصل کر کے اپنے عقائد فاسدہ سے توبہ کر لینی چاہیئے۔

رکوع نمبر ۱۷ مسئلہ علم غیب تفسیر مجمع البیان میں ہے یعنی جنوں، انسانوں، فرشتوں، ولیوں اور نبیوں سے جو چیزیں غائب ہیں ان سب کا علم اللہ کو ہے اور اللہ کا علم اس کی عین ذات ہے وہ ہر شے کو ہر وقت جانتا ہے، انبیاء و اولیاء صرف اسی قدر علم رکھتے ہیں جس قدر وہ ان کو عطا فرمائے۔ پس بہت سی ایسی چیزوں کا علم رکھتے ہیں جو ہمارے علماء سے غائب ہوتی ہیں اور ہمارے علماء بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جو عوام سے غائب ہوتی ہیں۔ پس جس طرح علماء کا علم آئمہ و انبیاء سے حاصل کردہ ہے لہذا اس کو علم الغیب نہیں کہا جا سکتا

مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾

مگر اللہ تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ

اور اللہ نے پیدا کئے تمہارے لئے تمہارے گھر رہائش کے لئے اور پیدا کئے تمہارے حیوانوں کے

الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ

چمڑوں سے گھر جن کو تم ہلکا پاتے ہو کوچ کے دن اور قیام کے دن اور ان کی

مِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى

پشم اور اون اور بالوں سے لباس اور سامان ایک وقت تک کے لئے

حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ

(بناتے ہو) اور اللہ نے پیدا کئے تمہارے لئے من جملہ دیگر مخلوق کے سائے اور پیدا کئے تمہارے

مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ

لئے پہاڑوں سے غاریں اور پیدا کیں تمہارے لئے قمیصیں جو تم کو گرمی سے بچاتی ہیں اور

اسی طرح انبیاء و آئمہ کا علم اللہ سے مستفاد ہے لہذا وہ بھی علم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

واللہ اخرجکم صفحہ ۲۲۱ - یعنی اس نے کتم عدم سے منصۂ وجود پر تم کو ظاہر کیا اور نہ جاننے کے بعد تمہیں علم دیا سننے کے لیے کان دیکھنے کو آنکھیں اور سوچنے سمجھنے کے لیے دل عطا کیا تاکہ غور و فکر کر کے اس کی معرفت حاصل کرو اور اس کا شکر ادا کرو

مُسَخَّرَاتٍ صفحہ ۲۳ - یعنی پرندوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ فضا آسمانی میں پرواز کریں۔

مَا يُمْسِكُهُنَّ - یعنی ہوائیں ان کو روکنے والا یعنی گرنے سے بچانے والا اللہ ہی ہے جس طرح تیرنے والوں کو ڈوبنے سے بچاتا ہے کیونکہ ہوا و پانی سب اس کے مطیع ہیں۔

من بیوتکم - رہائش کے لئے گھر اس نے دیئے اور چوپاؤں کے چمڑوں کے ہلکے پھلکے گھر بھی عطا کئے تاکہ مقیم کے لئے پکا گھر اور مسافر کے لئے سفری گھر رہن سہن کے لئے آسانی کا باعث ہو۔

اَصْوَافِهَا - بھیڑوں اور دنبوں کی اون کو کہتے ہیں۔

سَرَابِيلَ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

اور قمیصیں جو کر لڑائی میں تم کو بچاتی ہیں اسی طرح پوری کرتا ہے اپنی نعمت تم پر تاکہ تم اس کے سامنے

تُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٨٢﴾ يَعْرِفُونَ

جھک جاؤ پس اگر پھر جائیں تو تیرے اوپر صرف تبلیغ کرنا ہے لوگ اللہ کی

نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٣﴾ وَ

نعمت کو پہچان کر انکار کرتے ہیں اور اکثر ان کے کفران کرتے ہیں اور

يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت سے گواہ پھر نہ سنی جائے گی بات ان کی جو کافر تھے

اَوْبَارِهَا۔ یہ اونٹ کی اون کو کہا جاتا ہے۔ اَشْعَارِهَا۔ اس کا بکریوں کے بالوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ اثاث سے مراد لباس و بستر وغیرہ ہیں۔ اور متاع سے تجارتی نقطہ نگاہ مقصود ہے۔ اِلٰی حِیْنٍ۔ تاحین حیات یا اس وقت تک جب تک اللہ چاہے کیونکہ رزق کی عطا اور اس کی بقا اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے۔ ظِلٰلًا۔ ایسے اجسام پیدا کیے جو گرمیوں میں تم کو سایہ دیتے ہیں جیسے درخت پہاڑ وغیرہ۔ اَکْنَانًا۔ پہاڑ کی غاریں اور ان کے دامن انسانوں کی رہائش کے مقصد کو پورا کرتی ہیں۔

تَقِیْکُمُ الْحَرَّ۔ چونکہ عرب میں گرمی زیادہ ہوتی ہے۔ لہذا لباس کو گرمی کا محافظ ہونا ظاہر فرمایا اور ضمناً سردیوں کا بچاؤ بھی معلوم ہوجاتا ہے

بَاْسَکُمْ۔ اس لباس سے مراد لوہے سے تیار کردہ زرہیں ہیں جو جنگ میں پہنی جاتی ہیں۔ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ ان تمام نعمات کو گننے کے بعد پھر ایک دفعہ دعوت دے دی کہ ان کو پہچانو اور اللہ کی معرفت حاصل کرکے اس کے سامنے جھک جاؤ اور کفر و انکار سے باز آجاؤ اور شرافت انسانیہ کا تقاضا یہی ہے کہ محسن کے احسان کے سامنے جھک جائے۔ یَعْرِفُوْنَ نِعْمَۃَ اللّٰہِ۔ اس کا عمومی مقصد یہ ہے کہ ہر نعمت پروردگار کی قدر اس کے شکر سے کی جائے اور چونکہ تمام نعمات میں سے نعمت نبوت و ولایت اہم نعمتیں ہیں لہذا ان کی قدر دانی ہر غیرت مند انسان کا فریضہ ہے اور تفسیر برہان میں آئمہ سے مروی ہے کہ یہ ان لوگوں کی سرزنش ہے جنہوں نے حضرت رسالت مآبؐ سے ولایت علی کا اعلان سنا اور پھر جان بوجھ کر اسکا انکار کر گئے۔

رکوع نمبر ۱۸ قیامت کے دن آئمہ کا گواہ ہونا۔ وَیَوْمَ نَبْعَثُ۔ یعنی بروز محشر ہر امت کے اعمال پر امتوں کے

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا

اور نہ ان کو معافی مانگنے کا موقع دیا جائے گا اور جب دیکھیں گے ظالم عذاب کو پس نہ کم کیا

يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ

جائے گا ان سے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی اور جب دیکھیں گے جنہوں نے شرک

أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ

کیا اپنے شرکاء کو تو کہیں گے اے رب یہ ہمارے شرکاء ہیں جن کو ہم تیرے سوا

انبیاء بطور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہر زمانہ کی امت کے ساتھ اس زمانہ کا امام بطور گواہ پیش ہو گا۔ بعض لوگ جہلاء کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر شہید کے لفظ سے آئمہ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ محض دھوکا اور فریب ہے کیونکہ ہر وقت ہر جگہ ہر شے پر حاضر و ناظر صرف ذات پروردگار ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ البتہ اس کی قدرت میں ہے کہ وہ آئمہ کو یا انبیاء کو متعدد مقامات پر ایک وقت میں یا متعدد اوقات میں بھیج دے کیونکہ اگر وہ ملک الموت کو ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر قبض ارواح کے لئے بھیج سکتا ہے تو وہ آئمہ کو بھی یہ طاقت دے سکتا ہے اور ملک الموت کے متعلق تو ثابت ہے کہ خدا نے قبض ارواح کی خاطر اس کو بیک وقت متعدد مقامات پر حاضر ہونے کی طاقت دے رکھی ہے لیکن آئمہ یا انبیاء کے متعلق یہ بات ثابت نہیں ہے بلکہ یہ ثابت ہے کہ وہ ایک جگہ جب ہوتے تھے تو دوسری جگہ ان سے خالی ہوتی تھی لہذا ان کو وہاں بلانا پڑتا تھا اور ان کو چل کر وہاں پہنچنا پڑتا تھا پس ان کا حکم ان کا دین ان کی فرمائشات اور ان کی ولاء ہر مومن کے دل میں حاضر ہے وہ اگر ایک پل دل سے الگ ہو تو ایمان جاتا رہتا ہے اس معنی کے لحاظ سے بے شک وہ حاضر و ناظر ہیں اور محشر کی شہادت کا مقصد یہ ہے کہ وہ پروردگار کے حضور میں اپنی تبلیغی مساعی کی رپورٹ پیش کریں گے کہ ہم نے ان لوگوں تک اصول مذہب اور احکام دین پہنچا دیئے تھے اور ان کو اچھی طرح سمجھا دیتے تھے پس وہ عذر کو قطع کر دیں گے اسی بناء پر تو آیت مجیدہ میں صاف اعلان ہے کہ انکار کرنے والوں اور غلط کاروں کو بولنے کی اجازت نہ ہو گی یا یہ کہ ان کی کوئی گذارش نہ سنی جائے گی جس طرح کہا جاتا ہے أَذِنْتُ لَهُ میں نے اس کی بات سنی اور نہ ان کو اپیل معافی کا موقع دیا جائے گا کہ وہ عذر پیش کر کے معافی حاصل کر لیں استعتاب کا معنی ہے معافی مانگنے کا موقع دینا۔ اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ کو معلوم ہے تو وہ آئمہ سے گواہی کس لئے لے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شہادت اثبات مطلب کے لئے نہیں ہے بلکہ لوگوں کو بدکاریوں سے روکنے

كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۚ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ

پکارتے تھے پس (بقدرتِ خدا) وہ ان کو جواب دیں گے کہ تم جھوٹ

لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ

کہتے ہو اور پیش کریں گے اللہ کی طرف اس دن اپنی اطاعت اور باطل ہو جائے گی

مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ

وہ بات جس کا افترا باندھتے تھے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا اللہ کے راستے سے ان کے

اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾

عذاب کے اوپر دوسرا عذاب بڑھائیں گے بوجہ اس کے کہ وہ تھے فساد کرتے

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا

اور جس دن اٹھائیں گے ہم ہر اُمّت سے گواہ ان کے اوپر اپنے نفسوں سے اور لائیں گے تجھ کو گواہ انکے

کا یہ ایک بہانہ ہے کیونکہ جب پتہ ہو کہ بروز محشر مخلوقِ خدا کے سامنے میرے گناہ کھلیں گے اور مجمع عام میں رسوائی ہوگی اور آئمہ کی شہادت بھی ہوگی تو ایسی صورت میں ارتکاب معاصی سے شرم کرے گا۔

شُرَكَاءُهُمْ[۲۳۳] - اس جگہ شرکاء سے وہ اشخاص مراد ہیں جن کو مشرک لوگ خدا کا خدائی میں شریک مانتے تھے۔

فَأَلْقَوْا - القاء کا معنی ہے ڈالنا اور کسی تک بات پہنچانی ہو تو القا سے تعبیر کرتے ہیں اور کسی سے حاصل کرنی ہو تو تلقّی سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے فَتَلَقَّىٰ آدَمُ - الخ گویا بروز محشر مشرکین کو اپنے شرکاء نقد جواب دیں گے کہ تم جھوٹے ہو اور مشرکین اللہ کے سامنے اپنی فرمانبرادی پیش کریں گے - یعنی نخوت، تکبر اور غرور سب ختم ہو جائیں گے پس عاجزی کو پیش کرینگے

ضَلَّ عَنْهُمْ - ان کو جو دنیا میں یہ وہم وخیال تھا کہ ہمارے خدا ہم کو عذاب سے چھڑا لیں گے وہ سب باطل ہو جائیگا کیونکہ یہ ان کا افترا تھا - فَوْقَ الْعَذَابِ - عذاب نار کے ساتھ بچھوؤں اور سانپوں وغیرہ کا عذاب ان پر بڑھا دیا جائیگا۔

شَهِيدًا - حدیث میں ہے کہ آئمہ خلق پر شہید ہوں گے اور رسول آئمہ پر شہید ہوگا اور یہ ان کے نفسوں سے ہوں گے یعنی ان کے ہم جنس بشر ہی ہوں گے اور یہ بھی مروی ہے کہ نیک مومن بھی گواہی دیں گے۔

نَزَّلْنَا - یعنی ہم نے تجھے کتاب دی جس میں ہر مسئلہ ضروریہ شرعیہ کا واضح بیان موجود ہے یعنی قیامت تک کے پیش آمدہ ضروری مسائل شرعیہ کا حل قرآن مجید میں موجود ہے خواہ نص وظاہر کے لحاظ سے قرآن میں ہو یا اشارہ

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً

اوپر اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب جو واضح بیان ہے ہر شے کا اور ہدایت اور رحمت اور

وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ

خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے تحقیق اللہ امر کرتا ہے انصاف

کے ذریعے سے کیونکہ فرمان رسالت اور فرمان امام بحکم قرآن کتاب کا فرمان ہے کیونکہ آیۂ اطاعت وولایت ہی اسکا مرجع ہے۔

علمِ آئمہ کی وسعت

قرآن مجید کے متعلق تبیاناً لکل شیئ کا ارشاد ہے یعنی ہر امر ضروری کی وضاحت نصاً یا ظاہراً یا حکماً اس میں موجود ہے اور قرآن چونکہ تمام کتب سماویہ کی جامع اور ان کے علوم پر حاوی کتاب ہے لہذا اس کے عالم انبیاء سابقین سے افضل ہوں گے اور چونکہ آئمہ طاہرین علیہم السلام علم قرآن میں حضرت رسالت مآبؐ کے صحیح وارث تھے لہذا وہ باقی تمام انبیاء سے افضل ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں آئمہ سے متعدد احادیث وارد ہیں۔ تفسیر برہان میں ایک حدیث کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ کے متعلق خدا فرماتا ہے کَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ اور من تبعیض کے معنی میں ہوتا ہے یعنی الواح میں موسیٰ کے لئے ہم نے ہر شے میں سے کچھ لکھا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ سب کچھ اس میں نہ تھا بلکہ کچھ تھا لیکن قرآن مجید کے متعلق صراحت سے فرمایا کہ اس میں سب کچھ کی وضاحت ہے تو قرآن کا عالم تورات کے عالم سے افضل ہوگا۔ بنابریں حضرت علیؑ ان سے افضل ہیں۔ یہ بیان آپ نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا تھا کہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ افضل ہیں یا علیؑ؟

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ نے عالم سے ایک سوال کیا تھا جس کا ان کے پاس جواب نہ تھا اگر میں ان کے پاس موجود ہوتا تو میں ان دونو کو اپنے اپنے مسئلہ کا جواب دے دیتا اور میں ایسا مسئلہ ان سے پوچھتا کہ وہ جواب نہ دے سکتے۔ حضرت موسیٰ اور خضر کے قصہ کی تفصیل اگلی جلد میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

نیز بروایت سدیر آپ سے مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ اور عالم کی ملاقات ہوئی اور باہمی گفتگو کا سلسلہ جاری ہوا تو موسیٰ نے ایک پرندہ کو دیکھا جسے خطاف عربی میں کہتے ہیں اور وہ تیتر کی قسم سے ہے کہ وہ پرندہ سیٹی بجاتا اور آسمان کی طرف پرواز کرتا تھا پھر دریا میں غوطہ زن ہوجاتا تھا تو عالم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ پرندہ کیا کہتا ہے؟ حضرت موسیٰ نے نفی میں جواب دیا پس عالم نے جواب دیا یہ کہتا ہے کہ آسمان وزمین کے رب کی قسم تم دونوں کا علم اللہ کے مقابلہ میں ایسا ہے جس طرح میری چونچ کا قطرہ دریا کے مقابلہ میں، پس حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اگر میں ان دونوں کے پاس ہوتا تو ان سے ایسا مسئلہ دریافت کرتا جس کا جواب دونوں کے پاس نہ ہو سکتا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے اپنی مخصوص جماعت کے زمرہ میں ارشاد فرمایا مجھے

رب کعبہ کی قسم (تین بار) اگر میں موسیٰؑ اور خضرؑ کے درمیان ہوتا تو دونوں پر ثابت کرتا کہ میں ان سے اعلم ہوں اور ان کو ایسی باتیں بتاتا جن سے وہ بے علم ہوتے اور کلینی کی روایات میں ہے آپ نے فرمایا کہ موسیٰ اور خضر کو ما کان کا علم تھا اور ان کے پاس ما یکون کا علم نہیں تھا یعنی وہ ماضی کا علم رکھتے تھے لیکن مستقبل کا علم ان کے پاس نہ تھا۔ تا قیامت اور ہم نے وراثۃً نبی علیہ السلام سے وہ علم حاصل کیا ہے لیکن یہ یاد رکھئے کہ ان کا علم جتنا بھی وسیع تھا وہ سب حضرت رسالتمآبؐ کے ذریعے سے علم مستفاد تھا اور حضرت رسالتمآبؐ کا علم خدا سے مستفاد تھا اور جو علم غیب اللہ کے ساتھ مختص ہے وہ علم ذاتی ہے نہ کہ مستفاد۔

تفسیر برہان میں ایک مرسلہ روایت درج ہے کہ جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے درمیان کشتی غلام اور دیوار وغیرہ کے بارے میں تلخ کلامی ہوئی اور اس کے بعد حضرت موسیٰ واپس گھر پلٹ کر آگئے تو ہارونؑ نے دریافت کیا کہ آپ خضر سے کیا کچھ سیکھ آئے ہیں؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا وہ ایسی باتیں تھیں جن سے بے علمی نقصان دہ نہیں ہوتی ہاں ایک اس سے بھی عجیب و غریب واقعہ ہمیں پیش آیا تھا پس ہارون نے پوچھا کہ وہ کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا جب ہم دونوں دریا کے کنارے سفر کر رہے تو ایک دفعہ ہم وہاں کھڑے ہو گئے اور دیکھا کہ خطاف کی شکل کا ایک پرندہ دریا کے کنارے اترا اور اس نے اپنی چونچ میں پانی لے کر اسے مشرق کی طرف پھینکا پھر دوبارہ مغرب کی طرف پھینکا پھر تیسری مرتبہ آسمان کی طرف اور چوتھی دفعہ زمین پر گرا دیا اس کے بعد پانچویں دفعہ پانی لے کر دریا میں ڈال دیا اس کے بعد پھڑپھڑاتا ہوا ہوا میں پرواز کر کے چلا گیا ہم دونو حیران تھے کہ اس پرندے نے ایسا کیوں کیا اور اس کی غرض کیا تھی؟ اسی اثنا میں بشکل آدمی اللہ کی جانب سے ایک فرشتہ آیا اور ہم سے پوچھنے لگا کہ آپ اس جگہ حیران کیوں کھڑے ہیں؟ ہم نے اس پرندے کی داستان سنائی اور اپنی حیرت کی وجہ بیان کی وہ کہنے لگا کہ تمہیں خبر نہیں کہ وہ کیا کہہ گیا ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ تو وہ کہنے لگا اس پرندے کا مقصد یہ تھا کہ مجھے اللہ کی قسم جس نے مشرق کو مشرق بنایا۔ مغرب کو مغرب بنایا۔ آسمان کا شامیانہ تنا اور زمین کا فرش بچھایا۔ وہ آخری زمانہ میں ایک نبی مبعوث فرمائے گا جس کا نام محمدؐ ہو گا اور اس کا ایک وصی ہو گا جس کا نام علی ہو گا اور تم دونو کا علم اس کے علم کے مقابلہ میں اس طرح ہے جس طرح یہ قطرہ آب بھرے سمندر کے مقابلہ میں ہے۔

رکوع نمبر ۱۹ درس اخلاق

اِنَّ اللّٰہ ۔ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے عدل احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور زنا بدکاری اور ظلم سے منع فرمایا ہے۔ اور یہی چیزیں اخلاق کریمانہ کے بنیادی اصول و دستور ہیں اور علم الاخلاق کے جملہ فروعی مسائل کی بازگشت انہی تین اصولوں کی طرف ہوا کرتی ہے۔ پس یہی انسانی بلند کردار کا محور و مرکز ہیں۔ عدل کے تین مقام ہیں (۱) اللہ کے حقوق میں عدل (۲) اپنے

وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآئِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَیَنۡهٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ

احسان اور قریبیوں کو دینے کا اور روکتا ہے بدکاری اور منکر اور ظلم اور تم کو

وَالۡبَغۡیِ یَعِظُكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۹۰﴾ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ

نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور وفا کرو اللہ کے (ساتھ کئے ہوئے) عہد

نفس کے حقوق میں عدل (۳) معاشرہ کے حقوق میں عدل۔ پس حقوق اللہ میں عدل یہ ہے کہ اس کے اوامر کو بجالائے اور اس کی منع کردہ چیزوں سے بچے اور اسی کا نام ہے تقویٰ۔ پس مخلوق کا اپنے خالق کے حقوق میں عدل تقویٰ ہے اور اس کے کم و بیش ادنیٰ و اعلیٰ مراتب ہیں اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام تمام متقیوں کے امام و پیش رو ہیں جناب رسالت مآبؐ کے بعد اس مقام عدل میں ان سے کوئی نہیں بڑھ سکا اور اپنے نفس کے حقوق میں عدل یہ ہے کہ اپنے نفس کو ہر بد عادت سے بچائے اور ہر نیک عادت کی طرف اس کو آگے بڑھائے۔ پس نفس کو حیوانی پستی سے بلند کر کے اوج شرف انسانی سے ہمکنار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑے اور حقوق معاشرہ میں عدل یہ ہے کہ معاشرہ کے تمام شعبوں میں شرعی نقطۂ نگاہ کو ملحوظ رکھے۔ مثلاً عورت و مرد کے حقوق اولاد و والدین کے حقوق آقا و غلام کے حقوق، سلطان و رعایا کے حقوق اور مالک و مزارع کے حقوق بائع و مشتری کے حقوق، ہمسایوں کے حقوق، علماء کے حقوق، مساجد کے حقوق اور استاد کے حقوق وغیرہ اور ان کلیات کو شمار میں لانا بھی کافی مشکل ہے چہ جائیکہ ان کی جملہ جزئیات پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے۔ بہرکیف ان تمام شعبہ جات میں عدل گستری انسان کی بلندیٔ کردار کی ضمانت ہے اور ہم نے عدل کی قدرے مفصل بحث اپنی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں کر دی ہے عدل و انصاف کے اصولوں کو سمجھنے اور اپنانے والوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت فائدہ مند ہوگا۔

بیان پروردگار کی سلاست اور اس کی پُرکشش روش کو ملاحظہ فرمایئے کہ پہلے عدل پھر احسان پھر صلہ رحمی کو ترتیب دیا۔ نکتہ سنج اور ذہن رسا طبائع اس طرز بیان کی جاذبیت اور حقائق کی ترجمانی میں اس کی پُر از حکمت و تدبر نگارش کو دیکھ کر کیوں نہ مسحور ہوں جب کہ مکہ کے بدترین دشمنان پیغمبر بھی سوائے عناد و سرکشی کے اس کے انکار کا اور کوئی بہانہ نہ پیش کر سکے۔ دیکھئے عدل کا معنی مساوات کو ظاہر کرتا ہے یعنی جس قدر حق ہے اس کو پورا کیا جائے۔ پس حقوق اللہ حقوق النفس اور حقوق العباد میں صرف واجب کی پوری پوری رعایت سے عدل کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے۔ اور یہی تقویٰ کی پہلی منزل ہے۔ پس اس کے بعد احسان کا حکم دیا جو ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف ترقی کا زینہ ہے گویا واجب کا ادا کرنا ہے۔ عدل اور اس سے بڑھ کر مستحباب کو عمل میں لانا ہے احسان مثلاً مشتری کو پورا تول کر دینا عدل ہے اور زیادہ دینا احسان ہے اور جملہ حقوق کی یہی حالت ہے اسی بنا

پر قرآن مجید میں ایک مقام پر تقوےٰ کے اوپر احسان کا عطف ہے۔ اِتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا۔ اور پھر فرمایا کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور عمومی احسان سے صلہ رحمی کرتے ہوئے اپنے آقارب پر احسان کرنا چونکہ زیادہ اہم ہے لہذا اُس کو بعد میں ذکر فرمایا اور یہی حسن کردار کی آخری منزل ہے۔ اور رسول کی صلہ رحمی ہر مسلمان کا چونکہ اہم فریضہ ہے لہذا ذی القربیٰ سے مراد آل محمدؐ تاویل کے طور پر اس کے اہم فرد ہیں اور حضرت صادق آل محمدؐ سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ میں ذی القربیٰ سے مراد ہم ہیں۔ چونکہ کردار انسانی کا حسن نفی و اثبات کے دونو پہلوؤں کے اندر ہے گویا اوصاف ناشائستہ کی نفی اور اوصاف شائستہ کا اثبات جب تک نہ ہو کردار میں بلندی آہی نہیں سکتی۔ عادات رذیلہ کی نفی کو تخلیہ کہتے ہیں اور خصائل حمیدہ کے اثبات کو تحلیہ کہا جاتا ہے۔ تو جس طرح تحلیہ میں عدل و انصاف اور صلہ رحمی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسی طرح تخلیہ میں فحشاء و منکر اور بغی کو بھی جملہ صفات بد میں مرکزی مقام حاصل ہے اور جس کی سعادت نے یاوری کی اور توفیق ایزدی شامل ہوئی پس ان تینوں سے بچ نکلا اور سعادت کے کندھوں پر سوار ہو کر اوج انسانیت کے زینوں پر منازل ارتقاء کو طے کرنے کے اہل بن گیا۔

جس طرح حسن کردار میں صلہ رحمی کو آخری منزل ارتقاء حاصل تھی اسی طرح اس کے مقابلہ میں فحشاء زنا کو پستیٔ کردار میں آخری یعنی پست ترین مقام حاصل ہے گویا جس طرح وہ عدل کے تدریجی زینوں سے آخری بلند زینہ تھا اسی طرح یہ بغی ظلم کے تدریجی زینوں میں سے آخری پست ترین زینہ ہے وہ حسن اخلاق میں نیک ترین خصلت تھی، اور یہ اخلاق رذیلہ میں سے بدترین عادت ہے۔ جب یہ عادت مقام عدل سے کوسوں دُور ہے تو مقام احسان سے یا بعد والی ارتقائی منزل سے تو اس کا لگاؤ ہی کوئی نہیں۔ پس بدترین حیوان غالنسان ہے وہ آدم زادہ جو مقام اخلاق میں اس قدر پستی میں گرا ہوا ہو۔ اسی لئے انسان کو بلندی کی طرف دعوت کے لئے پست ترین منزل سے اوپر کو کھینچنا تھا لہذا پہلے فحشاء سے بچنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ہر وہ عادت رذیلہ جو کردار انسانی کے لئے ناشائستہ ہو اُس سے گریز کرنے کا حکم دیا اور اس کو منکر سے تعبیر فرمایا اور سب سے آخر بغی سے روکا جس کا معنی ہے ظلم اور یہ عدل کی ضد ہے پس جس طرح عدل کی تین قسمیں تھیں اسی طرح حقوق کے لحاظ سے ظلم کی بھی تین قسمیں ہوں گی یعنی حقوق نفسیہ میں ظلم حقوق خالق میں ظلم اور حقوق معاشرہ میں ظلم تو جو انسان پستی کی ان منازل سے نکل جائے تو مقام تخلیہ میں اُس نے اپنے نفس کی خیر خواہی کر لی اب مقام تحلیہ میں عدل و احسان کے زیور سے آراستہ ہو کر آگے بڑھنا کوئی مشکل نہ ہوگا۔

مقام بیان میں اگرچہ مقام تخلیہ کا ذکر موخر ہے اور تحلیہ مقدم ہے لیکن مقام ارتقاء میں معاملہ بالعکس ہوا کرتا ہے۔ یعنی پہلے جسم کی میل کچیل دور ہو تو تب زیورات سے آراستگی کوئی معنی رکھتی ہے ورنہ مضحکہ خیز۔ اسی طرح اوصاف حمیدہ اپنے اندر جذب کرنے کے لئے عادات رذیلہ سے بچنا پہلے ضروری ہوا کرتا ہے اور مقام بیان میں چونکہ وجود عدم سے اشرف ہے لہذا وجودی پہلو کو عدمی پر سبقت دے دی گئی ہے۔ واللہ اعلم

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ منع کرنے میں ہر سہ صفات بد کو الگ الگ ذکر کیا ہے حالانکہ منکر کے لفظ میں سب آجاتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ برائی کی تین صورتیں ہوتی ہیں (۱) وہ برائی جو ظاہر نہیں کی جاتی وہ فحشا ہے (۲) وہ برائی جو ظاہر کی جاتی ہے اور نہی عن المنکر کا فرد بنتی ہے وہ منکر ہے اور (۳) وہ برائی جو دوسروں پر برتری کو ظاہر کرے وہ بغی ہے ملخصاً اور بعضوں نے کہا ہے کہ فحشا کا معنی زنا اور منکر ہر وہ فعل جس کو شریعت ناجائز کہے اور بغی کا معنی ظلم ہے جس طرح ہماری تقریب سابق میں مفصلاً ذکر ہوا ہے۔ نیز ایک قول یہ ہے کہ ظاہر و باطن کا ایک جیسا ہونا عدل ہے اور باطن کا ظاہر سے خوب تر ہونا احسان ہے اور ظاہر کا باطن سے اچھا ہونا فحشاء و منکر ہے۔

عثمان بن مظعون سے مروی ہے کہ چونکہ حضورؐ مجھے بار بار اسلام لانے کی دعوت دیتے تھے لہذا شرم کے مارے میں مسلمان ہو گیا تھا لیکن دل نہیں مانتا تھا ایک دن میں خدمت نبوی میں موجود تھا کہ آپ نے ٹکٹکی باندھ کر آسمان کی طرف نظر کی جیسے کہ کوئی بات سمجھ رہے ہوں۔ جب آپؐ کی وہ حالت ختم ہوئی میں نے وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا میں نے جبریل کو دیکھا ہے اور وہ یہ آیت لایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ الخ۔ پس یہ سنتے ہی اسلام میرے دل میں راسخ ہو گیا میں نے ابو طالب سے یہ ماجرا بیان کیا تو انہوں نے فرمایا اے قریش۔ محمدؐ کی اتباع کرو گے تو ہدایت پاؤ گے کیونکہ وہ تم کو مکارم اخلاق کا درس دیتا ہے پھر میں ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچا اور وہی ماجرا بیان کیا تو وہ کہنے لگا اگر یہ بات محمدؐ نے کہی ہے تو وہ بھی خوب ہے اور اگر اس کے خدا نے کہی ہے تو بھی خوب ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بہ نفس نفیس یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے پڑھی تو اس نے کہا دوبارہ پڑھیے۔ پس آپ نے دوبارہ پڑھی تو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا اور بے تحاشا اس کے منہ سے نکلا۔ اِنَّ لَهٗ لَحَلَاوَةً وَاِنَّ عَلَيْهِ لَطُلَاوَةً وَاِنَّ اَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ وَاِنَّ اَسْفَلَهٗ لَمُغْدِقٌ وَمَا هُوَ قَوْلُ الْبَشَرِ۔ یعنی تحقیق یہ کلام شیریں اور بیان دلکش ہے اس کی شاخیں پھلدار اور جڑیں دور رس ہیں اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

تفسیر برہان میں آیت مجیدہ کی تاویل یہ ہے کہ عدل سے مراد حضرت رسالتمآبؐ اور احسان سے مراد حضرت امیر المومنینؑ اور ایتاء ذی القربیٰ سے مراد مودت اہل بیت اور فحشاء و منکر و بغی سے علی الترتیب تین دشمنان اہلبیت ہیں جن سے بیزاری کا حکم دیا گیا ہے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ بعض لوگوں نے حضرت رسول کریمؐ کی بیعت کی تھی اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے چونکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی تو دوسری قوموں نے ان کو اپنی کثرت و طاقت کے بل بوتے پر ڈرایا دھمکایا اور اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف پلٹنے کی ترغیب دی چنانچہ انہوں نے اسلام کو چھوڑ کر اور بیعت نبوی کو توڑ کر کفر کو اختیار کر لیا پس خداوند کریم باقی مسلمانوں کو عہد کی وفا کی تلقین کر رہا ہے کہ اپنی قلت سے گھبرا کر کثرت سے مرعوب ہو جانا جوانمردی نہیں بلکہ تمہارا فریضہ ہے کہ جب تم نے اللہ سے عہد کر لیا اور قسم بھی اٹھالی ہے تو اس کو پورا کرو۔

إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ

کہ جب عہد کرو اور نہ توڑو قسموں کو بعد پکا کرنے کے حالانکہ تم اللہ کو ضامن

اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا

بنا چکے ہو تحقیق اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور نہ ہو جاؤ

كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ

اس عورت کی طرح جو اُدھیڑ دے اپنے کاتے ہوئے کو بٹنے کے بعد کچا سوت بناتے ہو اپنی قسموں کو

وَلَا تَكُونُوا۔ کہتے ہیں قریش میں ایک بیوقوف عورت تھی جس کا نام ریطہ بنت عمرو بن کعب تھا وہ دوپہر تک سوت کاتتی تھی اور پھر اس کو کچا کر کے اون بنا لیتی تھی اور پھر اس کو کاتنے لگ جاتی اور یہی اس کا دستور تھا۔

أَنكَاثًا۔ نکث کی جمع ہے اون یا بالوں کو کاتنے اور بٹ دینے کے بعد دوبارہ بٹ نکال کر پہلی صورت پر لانا یعنی پختہ کرنے کے بعد کچا کرنا خواہ وہ رسّہ ہو یا تاگا ہو اس کو نکث کہا جاتا ہے اسی بنا پر امام کی اطاعت کو قبول کرنے اور بطیب خاطر یعنی بلا جبر و اکراہ۔ اس کی بیعت کر لینے کے بعد اس کو توڑ کر اس کے خلاف خروج کرنے کو بھی نکث کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جنگ جمل میں علیؑ سے لڑنے والوں کو ناکثین کہا جاتا ہے۔

اس مقام پر اگرچہ ہر عہد خداوندی کو توڑنے پر سرزنش وارد ہے لیکن جس چیز کے متعلق عہد لیا گیا ہو وہ جسقدر اہم ہو گی اس عہد کی منزلت اسی قدر ہی بلند ہو گی اور مسلمانوں نے رسول کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد جو غدیر خم کے روز حضرت علی کی ولیعہدی اور ولایت کا عہد کیا اس کی اہمیت کتب تاریخ میں سیر کرنے سے معلوم ہوتی ہے حالانکہ عہود اسلامیہ میں سے جس قدر عہد غدیری میں اہتمام کیا گیا شاید اور کہیں یہ صورت واقع نہ ہوئی ہو گی۔ پس اس عہد کو توڑ کر اپنی من مانی حکومت کی تشکیل یقیناً منافع دنیاویہ سے مستفید ہونے کی غرض سے ہو سکتی ہے ورنہ جس کو خدا کی خوشنودی کی ضرورت ہو اس کو اپنے عہد و پیمان کو توڑنے کی کیا ضرورت ہے اسی بنا پر تفسیر آئمہ میں صاف و صریح ہے کہ ان آیات میں خدا مسلمانوں سے ولایت علی کے بارے میں عہد شکنی کرنے والوں کو تنبیہ فرما رہا ہے۔ گویا ولایت علی کا عہد ہی اس کا تاویلی مصداق ہے۔

أَن تَكُونَ ص ۲۴۱۔ بعض لوگوں کا دستور تھا بلکہ ہر دور میں یہ ہوتا رہتا ہے کہ ظاہراً قسم اٹھا لیتے ہیں اور عہد بھی کر لیتے ہیں لیکن دل میں اس کو پورا کرنے کا خیال نہیں ہوتا۔ خداوند کریم اسلامی عہد کرنے والوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ مسلمانوں کی کم تعداد کو دیکھ کر اور کفار کی کثرت سے مرعوب ہو کر عہد شکنی اور قسم کی خلاف ورزی نہ کرو۔ کیونکہ اگر بذریعہ جبر و اکراہ چاہتا

دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ

دھوکا اپنے درمیان اس لئے کہ ایک قوم تعداد میں زیادہ ہے دوسری قوم سے سوائے اس کے نہیں کہ

اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ

خدا آزماتا ہے تم کو اس سے اور واضح کریگا تمہارے لئے قیامت کے دن جس میں تم اختلاف کرتے تھے

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ ﴿۹۲﴾

اور اگر چاہتا اللہ تو کرتا تم کو ایک قوم لیکن وہ گمراہی میں چھوڑتا ہے جسے

يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

چاہے اور ہدایت پر لاتا ہے جسے چاہے اور ضرور پوچھے جاؤ گے اُس سے جو عمل کرتے ہو

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ

اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو دھوکا اپنے درمیان ورنہ پھسل جائے گا قدم بعد ثابت ہونے کے

توسب کو ایک مسلمان قوم بنا دیتا لیکن یہ اس کی مصلحت کے خلاف ہے پس اس نے اسلام وکفر کا معاملہ انسان کے اختیار پر چھوڑ دیا ہے تاکہ جنت وجہنم میں لوگ اپنے اختیار سے جائیں۔ اور قیامت کے دن حق وباطل کی اس دنیاوی جنگ کا نتیجہ معلوم ہوگا کہ صبر کرنے والوں کا انجام کیا ہے اور ظلم کرنے والوں کا حشر کیا ہے؟

يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ ۔ ضلالت اور ہدایت کا اللہ کی طرف منسوب ہونا ہم نے تفسیر ہذا کی دوسری جلد میں بیان کیا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیات حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے بارے میں اس عہد کی توثیق وتصدیق سے متعلق ہیں جس میں جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا کہ تمام مومنوں کے امیر ہونے کے عہدہ کا حضرت علی کو سلام کرو۔

تفسیر برہان وصافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حضرت علی کی ولایت کا حکم نازل ہوا اور حضورؐ نے فرمایا کہ سَلِّمُوْا عَلٰى عَلِيٍّ بِاِمْرَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ یعنی علی کا امیر ہونے کی حیثیت سے سلام کرو اور دو شخصوں کو زیادہ تاکید فرمائی تو وہ کہنے لگے کہ کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ تو وَلَا تَنْقُضُوا الخ نازل ہوئی۔ بہرکیف اس قسم کی روایات آیت مجیدہ کی باطنی تفسیریں ہیں۔

وَلَا تَشْتَرُوْا ۔ صـ۲۴۳۔ مجمع البیان میں ہے کہ حضرموت کے علاقہ کا ایک آدمی عبدان نامی بارگاہ نبوی میں فیض یاب ہوا اور

ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ

اور چکھوگے عذاب کو بوجہ اس کے جو روکا تم نے اللہ کے راستے سے اور تمہارے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ

لئے بڑا عذاب ہوگا اور نہ لو اللہ کے عہد کے بدلہ میں چند ٹکے

اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ

سوائے اس کے نہیں کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانو جو تمہارے پاس

يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ

ہے وہ ختم ہوگا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے اور ہم جزا دیں گے ان کو جو صابر ہیں اپنے اجر کی

اُس نے امرأالقیس کندی کے خلاف یہ دعویٰ دائر کر دیا کہ یہ شخص میرا ہمسایہ ہے اور اس نے ناجائز طور پر میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے اور لوگ اگرچہ مجھے حق بجانب جانتے ہیں لیکن یہ شخص اپنی قوم میں معظم و محترم ہے لہٰذا شاید اس کے خلاف میرے حق میں گواہی دینے کو کوئی بھی تیار نہ ہو۔ پس آپ نے امرأالقیس کندی کو طلب فرمایا تو اس نے مدعی کے دعوے کو غلط قرار دیکر اپنے غاصب ہونے کا صریح انکار کر دیا آپ نے فرمایا تم قسم اٹھالو۔ تو فوراً مدعی (عبدان) نے درخواست کی کہ حضور! یہ شخص فاجر ہے ہوسکتا ہے کہ جھوٹی قسم اٹھائے آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس گواہ نہیں ہیں تو اس کی قسم پر تم کو فیصلہ ماننا پڑے گا۔ چنانچہ امرأالقیس قسم کے لئے آگے بڑھا تو آپ نے اس کو مہلت دیدی یعنی اس مقدمہ کے فیصلہ سنانے کی تاریخ آگے بڑھادی۔ پس یہ آیتیں اتریں اور آپ نے فیصلہ سنانے سے پہلے ان کو پڑھا تو امرأالقیس کہنے لگا کہ حضور میرے پاس جو مال و دولت ہے وہ ضائع ہونے والی چیز ہے اور آخرکار ایک دن اس نے ختم ہی ہو جانا ہے۔ درحقیقت میرا مدعی حق بجانب ہے۔ اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں نے اس کی کس قدر زمین دبا رکھی ہے۔ لہٰذا اس کی جس قدر مرضی ہو میری زمین سے لے بلکہ چونکہ میں اس زمین کے بعض فصل بھی برداشت کر چکا ہوں لہٰذا میں اس کو اپنے حق سے دوگنا دیتا ہوں پس اگلی آیت اتری۔ من عمل۔ الخ

فَلَنُحْيِيَنَّه ص ۲۴۳۔ یعنی ایسے شخص کو قناعت و صبر کی پاکیزہ زندگی بخشیں گے۔

حکم استعاذہ

اِذَا قَرَأْتَ ص ۲۴۳۔ اس مقام پر نحوی قواعد کی رو سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فا کا استعمال عطف اور ترتیب کے لئے ہوتا ہے تو اس مقام پر قرأت قرآن پر فاستعذ کا عطف اس امر کو ثابت

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ

بہتر اس سے جو عمل کرتے تھے جو عمل کرے اچھا مرد ہو یا

اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

عورت اور وہ مومن بھی ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی بخشیں گے اور اس کو جزا دیں گے

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ

ان کے اجر کی بہتر اس سے جو وہ عمل کرتے تھے پس جب پڑھو قرآن کو تو پناہ

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ

مانگو ساتھ اللہ کے شیطان سے جو رجیم ہے تحقیق نہیں ہے اس کا غلبہ

عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ

ان لوگوں پر جو ایمان لائیں اور اللہ پر توکل کریں سوائے اس کے نہیں اس کا غلبہ

ثابت کرتا ہے کہ پہلے قرآن پڑھ لیا جائے اور بعد میں بلا فاصلہ اعوذ باللہ پڑھا جائے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ پہلے استعاذہ ہونا چاہیئے اور بعد میں قرأت قرآن ہونی چاہیئے پس اس کا حل یہ ہے کہ اس جگہ قرأت سے مراد ارادۂ قرأت ہے یعنی جب قرأت قرآن کا ارادہ کرو تو استعاذہ کر کے قرأت کو شروع کرو جس طرح قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے۔ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ ۔الخ وہاں بھی یہی مطلب ہے کہ جب نماز کا ارادہ کرو تو پہلے وضو کرو نیز محاورہ عام میں کہا جاتا ہے۔ اِذَا اَكَلْتَ فَاغْسِلْ يَدَيْكَ ۔ یعنی جب کھانا چاہو تو ہاتھ دھو لو۔ وغیرہ فَاسْتَعِذْ اس کی صورت یہ ہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ یا یوں کہہ دیا جائے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ نماز یا غیر نماز میں قرأت سے پہلے اس کا پڑھنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے پس اس مقام پر امر استحباب کے لئے ہے۔

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ ۔ ص ۔ تفسیر اہل بیت میں ہے کہ شیطن مومن کے بدن پر مسلط ہوتا ہے۔ لیکن ان کے ایمان پر مسلط نہیں ہو سکتا اور غیروں کے بدن اور ایمان دونوں پر مسلط ہوتا ہے۔ ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ شیطان مومن کو ولایت سے نہیں ہٹا سکتا۔ باقی گناہوں میں اس کو مبتلا کر سکتا ہے جس طرح کہ غیروں کو کر سکتا ہے۔

عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۹ وَاِذَا

ان پر ہے جو اس سے محبت کریں اور جو اس کی بدولت شرک کریں اور جب ہم

بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ

تبدیل کریں آیت کو آیت کے بدلہ میں اور اللہ ہی جانتا ہے جو اتارتا ہے تو کہتے ہیں کہ تو

اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ

افترا کرتا ہے بلکہ اکثر ان میں سے نہیں جانتے کہہ دیجئے اس کو اتارا

رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى

ہے روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے ساتھ حق کے تاکہ ثابت کرے ان کو جو ایمان لائیں اور ہدایت

وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا

و خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے اور تحقیق ہم جانتے ہیں وہ کہتے ہیں اس کو سکھاتا ہے ایک

يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّ

آدمی وہ جس کی طرف نسبت دیتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور

رکوع نمبر ۲۰

وَاِذَا بَدَّلْنَا ۔ یعنی جب کوئی آیت مصلحت وقت کے ماتحت منسوخ ہو اور اس کی جگہ دوسری آئے تو کفار و مشرکین کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ خود بناتا ہے اور اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے ورنہ اگر خدا نازل کرتا تو یہ ردّ و بدل نہ ہوتی۔

واللہ اعلم۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی آیات اتارنے اور آیات کے منسوخ کرنے یا تبدیل کرنے کی مصلحتوں کو وہ خود جانتا ہے۔ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ ۔ اہل مکہ کہتے تھے کہ اس کو ایک آدمی سکھاتا ہے اور یہ بنا بنا کر آیتوں کی شکل میں پیش کرتا ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ کون تھا (۱) بعض کہتے تھے کہ سلمان فارسی اس کو گذشتہ واقعات بتاتا ہے (۲) قریش میں ایک رومی نصرانی بلعام نامی لوہار تھا۔ کہتے تھے کہ وہ آپ کو واقعات بتاتا ہے (۳) بعض کے نزدیک رومی غلام تھا جس کا نام یعیش یا عائش تھا جو اہل کتاب میں سے اسلام لایا تھا اور بہترین مسلمان تھا (۴) عین التمر کے دو نصرانی نوجوان تھے ایک کا نام لیسار اور دوسرے کا نام خیر تھا۔ صیقل کا کام کرتے

هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ

یہ زبان عربی فصیح ہے تحقیق جو لوگ نہیں ایمان لاتے اللہ کی آیات پر

اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي

نہ ہدایت کریگا ان کو اللہ اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہوگا سوائے اس کے نہیں

الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

کہ جھوٹا افترا باندھتے ہیں وہ جو نہیں ایمان لاتے اللہ کی آیات پر اور وہی جھوٹے ہیں

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ

جو کفر کرے اللہ کا بعد ایمان لانے کے سوائے ان کے جن کو مجبور کیا گیا درحالیکہ ان کا دل

مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ

ایمان سے مطمئن تھا لیکن جو کھلا کردے کفر کے لئے اپنے سینہ کو تو ان پر اللہ کا

غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ

غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے یہ اس لئے کہ انہوں نے

تھے وہ کہتے تھے کہ حضورؐ کو اپنی زبان میں ایک کتاب سنایا کرتے ہیں۔

لِسَانُ الَّذِيْ[۲۴۴] خداوند کریم ان کی تردید فرماتا ہے کہ جس کے متعلق یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حضورؐ کو سکھاتا ہے وہ خود عربی صحیح بول نہیں سکتا پس آپ کو کیسے سکھاتا ہے حالانکہ قرآن مجید عربی فصیح میں ہے۔

يُلْحِدُوْنَ۔ الحاد کا معنی ہے مائل کرنا اور یہاں مراد ہے نسبت دینا یعنی جس کی طرف نسبت دیتے ہیں۔

اَعْجَمِيٌّ[۲۴۵] عجمی اس کو کہتے ہیں جو عرب کا رہنے والا نہ ہو اور اعجمی وہ ہے جو فصیح عربی نہ بول سکتا ہو۔ پس اس مقام پر عجمی نہ کہا کیونکہ بعض عجمی صحیح عربی بول سکتے ہوں مثلاً سیبویہ عجمی تھا لیکن لغت عربی فصیح کا ماہر تھا حتیٰ کہ امام النحو ہوا (مجمع البیان)

مَنْ كَفَرَ۔ اصل میں تقدیر عبارت یہ ہے مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ وَشَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ الخ۔ یعنی جس نے اللہ کا کفر کیا اور مرتد ہو گیا اور جس کا دل کفر کے لئے کشادہ ہوا یعنی بدل وجان اس نے کفر کو قبول کیا تو غضب پروردگار میں آ گیا

بیانِ تقیہ اور عمار کا واقعہ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ۔ مروی ہے کہ عمار اور اس کا ماں باپ یاسر اور سمیہ اور صہیب بلال

اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

پسند کرلیا دنیاوی زندگی کو آخرت پر اور تحقیق اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

مجبور نہیں کرتا وہ لوگ ہیں کہ مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں

وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

کانوں اور آنکھوں پر اور وہ غافل ہیں

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ

بے شک وہ ہی آخرت میں خسارہ پانے والے ہوں گے پھر تحقیق تیرا رب

لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا

ان کے لئے جنہوں نے ہجرت کی بعد مصیبت پڑنے کے پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ

تحقیق تیرا رب اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے جس دن آئے گا ہر نفس

نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ

کہ جھگڑا کرے گا اپنے متعلق اور پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے عمل کیا اور وہ

اور خباب کو کفار نے اذیت پہنچائی۔ چنانچہ عمار کے ماں باپ شہید کر دیئے گئے اور یہ اسلام کے پہلے شہید ہیں عمار نے تشدد کے خوف سے کلمات کفر زبان پر جاری کر لئے لوگوں نے حضورؐ سے عمار کے مرتد ہونے کی شکایت کی آپؐ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور میں جانتا کہ عمار کا دل ایمان سے سرشار ہے اور ایڑی سے چوٹی تک اس کا پورا وجود ایمان سے پر ہے اور اس کے گوشت و خون میں اسلام رچا ہوا ہے۔ اتنے میں عمار بھی پہنچ گیا اور روتا ہوا بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا آپؐ نے پوچھا کہ کیا گذری ہے؟ عمار نے عرض کی کہ بُری گذری ہے میرے آقا! میں نے تو آپ کے حق میں ناشائستہ الفاظ مجبوراً زبان سے جاری کئے اور میں نے بادل ناخواستہ ان کے خداؤں کو بھی اچھے الفاظ سے یاد کیا حضورؐ

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً

نہ ظلم کئے جائیں گے اور بیان کرتا ہے اللہ مثال بستی کہ جو با امن مطمئن تھی ان کو

مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ

اپنا رزق کشادہ ملتا تھا ہر جگہ سے پس انہوں نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا

بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا

تو چکھایا ان کو بھوک اور خوف کا مزہ بوجہ اس کے جو

يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ

کرتے تھے اور تحقیق ان کے پاس آیا رسول انہی سے تو اس کو انہوں نے جھٹلایا

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا

پس پکڑ لیا ان کو عذاب نے کہ وہ ظالم تھے پس کھاؤ اس سے جو

عمار کی باتیں بھی سنتے تھے اور اس کی بہتی ہوئی آنسوؤں کو اپنے رومال سے پونچھتے جاتے تھے پس آپؐ نے فرمایا اگر پھر بھی ایسا اتفاق بن جائے تو ایسے الفاظ کہہ دینا یعنی دل میں ایمان کو محفوظ کر کے زبان سے تقیہ کر لینا۔ اسی جلد میں تقیہ کا بیان سورہ یوسف کی آیت ۲۷ کے ذیل میں صـ۶۴ پر گذر چکا ہے

طَبَعَ اللّٰهُ صـ۲۴۶ اس کی تفسیر دوسری جلد میں گذر چکی ہے۔ اَلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔ کہتے ہیں عیاش بن ابی ربیعہ اور ابوجندل بن سہیل نے کفار کے ڈر سے کلمات کفر زبان پر جاری کئے پھر ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور جہاد اسلام میں شریک ہوئے ان کے حق میں یہ اتری ہے۔

رکوع نمبر ۲۱

تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا صـ۲۴۶ یعنی اپنے نفس سے دفاع کی خاطر ہر نفس کا تبیین اعمال ملائکہ سے جھگڑا کرے گا اور قسمیں اٹھا کر کہے گا کہ میں نے شرک یا کفر نہیں کیا تھا یا یہ کہ مجادلہ کا معنی عذر داری ہو یعنی اپنے نفس کو بچانے کے لئے عذر پیش کرے گا

ضَرَبَ اللّٰهُ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس بستی سے مراد مکہ ہے کہ خوشحالی کے بعد سات سال تک خدا نے ان کو قحط کے عذاب میں مبتلا کیا حتیٰ کہ چمڑے اور خون سے بھری ہوئی اون بھی کھا گئے اور بھوک کے عذاب کے ساتھ ساتھ ان کو مسلمانوں کی لوٹ مار کا خوف بھی تھا اور اس بھوک اور خوف کے عذاب کا اثر جسمانی کمزوری و بدحالی تھا جس کو لباس

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

تم کو اللہ نے رزق دیا حلال و پاکیزہ اور شکر کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم اس کی

اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَ

عبادت کرتے ہو سوائے اس کے نہیں کہ اس نے حرام کیا تم پر مردار خون اور

لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ

سور کا گوشت اور جس پر نام لیا جائے غیر اللہ کا پس جو مجبور ہو جائے نہ

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا

بغاوت کرنے والا اور نہ ظلم کرنے والا ہو پس تحقیق اللہ غفور رحیم ہے اور نہ کہو

سے تعبیر کیا گیا اور یہ عذاب رسالتمآبؐ کی بددعا سے ان پر نازل ہوا۔ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ یہ بستی ایک نہر کے کنارے پر نہایت سرسبز و شاداب تھی تو ان لوگوں نے اللہ کی نعمت کا کفران کرتے ہوئے آٹے سے استنجا کرنا شروع کر دیا پس خدا نے نہر کو خشک کر دیا اور ان پر قحط مسلط ہو گیا حتیٰ کہ وہی استنجا کردہ روٹی کے ٹکڑے انکو کھانے پڑے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے والد رومال سے ہاتھ صاف کرنا ناپسند کرتے تھے جب کہ اس میں کچھ کھانا لگا ہوا ہو جب تک اس کو پہلے چوس نہ لیتے تھے اور فرماتے تھے میں دستر خوان سے گرے ہوئے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ریزوں کو تلاش کرتا ہوں تو میرے غلام ہنستے ہیں آپ نے فرمایا گذشتہ زمانہ میں ایک خوشحال بستی کے بسنے والوں نے طعام کی بے حرمتی کی تھی وہ کہتے تھے ڈھیلوں کی بہ نسبت روٹی کے ٹکڑوں سے استنجا کرنا ہمارے لیے آسان ہے پس خدا نے ٹڈی جیسی ایک مخلوق بھیج دی جس نے ان کے فصلات تباہ کر دیئے اور درختوں تک کو صاف کر گئی حتیٰ کہ ان لوگوں کو وہی استنجا کردہ روٹی کے ٹکڑے بھی کھانے پڑ گئے اور قرآن مجید میں خدا نے انہی کی مثال بیان فرمائی ہے

تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں کھانا کھانے کے بعد سالن سے اپنی انگلیوں کو بھی چاٹ لیا کرتا ہوں حتیٰ کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہمسایہ اس بات کو حرص پر نہ محمول کرے حالانکہ بات یہ نہیں ہوتی۔ اصل بات یہ ہے گذشتہ زمانہ میں ایک قوم تھی جو نہری آبادی رکھتے تھے خدا کا ان پر بڑا فضل و کرم تھا پس انہوں نے نعمت خداوندی کی بے قدری کی۔ حتیٰ کہ روٹی کے ٹکڑوں سے بچوں کا استنجا کر کے پھینک دیتے تھے یہاں تک کہ روٹی کے ٹکڑوں کا بڑا ڈھیر جمع ہو گیا تھا۔ ایک نیک مرد کا وہاں سے گذر ہوا اس نے دیکھا کہ ایک عورت اپنے بچہ

تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ اَلسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَهٰذَا حَرَامٌ

اس کو جسے تمہاری زبانیں جھوٹ کا لباس دیتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام ہے

لِتَفْتَرُوا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

تاکہ اللہ پر جھوٹا افترا باندھو تحقیق وہ لوگ جو افترا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹا نہ چھٹکارا

لَا يُفْلِحُوْنَ ۞ ۱۱۶ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ ۱۱۷

پائیں گے نفع تھوڑا ہے اور ان کا عذاب دردناک ہے

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا

اور ان پر جو یہودی تھے ہم نے حرام کیا وہ جو تجھ پر بیان کر دیا اس سے پہلے اور ہم

ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۞ ۱۱۸ ثُمَّ اِنَّ

نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے پھر تحقیق تیرا

رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ

رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کیا پھر توبہ کی اس کے بعد

کا استنجا روٹی کے ٹکڑے سے کر رہی تھی اس نے وعظ و نصیحت کی اور اس کو اللہ کی نعمت کی توہین سے باز آنے کی تلقین کی اور اس صورت میں اس نعمت کے چھن جانے کا احساس دلایا تو وہ یہ سن کر کہنے لگی تو ہم کو بھوک سے ڈراتا ہے جب تک یہ ہماری نہر (ثرثار) جاری ہے ہمیں بھوک کا قطعاً کوئی خطرہ ہی نہیں۔ پس دریائے غضب پروردگار جوش میں آیا اور عذاب کا عقاب ان کے سروں پر پھڑ پھڑانے اور منڈلانے لگا تو وہ نہر بقدرت خدا خشک ہوئی آسمان سے مینہ نہ برسا اور زمین خشک سالی کی زد میں آگئی۔ پس وہ لوگ آخر کار استنجا کردہ روٹی کے ڈھیر کی طرف محتاج ہوئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہی روٹی ترازو کے ذریعہ سے تُل کر اپنے اپنے حقوق کے مطابق تقسیم ہونے لگی اور میں نے ایک روایت میں کہیں دیکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے ایک غلام نے نجاست میں پڑے ہوئے روٹی کے ٹکڑے کو پاک و صاف کر کے کھا لیا تو امام نے اس کو آزاد کر دیا اور فرمایا جو شخص اللہ کی نعمت کی قدر کرے اس کو خدا دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے۔ میں کیوں نہ اس کو غلامی سے آزاد کروں۔؟

وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّ

اور نیکی کی تحقیق تیرا رب اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے تحقیق

اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ

ابراہیم (لوگوں کا) امام اللہ کا اطاعت گذار اور ثابت قدم تھا اور نہ تھا مشرکوں

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى

میں سے شکر گذار تھا اس کی نعمتوں کا اس کو اللہ نے چن لیا اور ہدایت کی

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى

سیدھے راستے کی اور ہم نے دی اس کو دنیا میں نعمت اور تحقیق وہ آخرت

الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ

میں منزل صالحین میں ہوں گے پھر ہم نے وحی کی تیری طرف کہ اتباع کر ملت ابراہیم کی

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ

کہ وہ ثابت قدم تھا اور نہ تھا مشرکوں میں سے سوائے اس کے نہیں کہ مقرر

اِنَّمَا حَرَّمَ۔ اس کی تفسیر جلد ۵ میں گذر چکی ہے۔ غَيْرَ بَاغٍ۔ اس کی وضاحت تفسیر کی دوسری جلد صفحہ ۲۵۰ پر گذر چکی ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا۔ یعنی تمہاری بدلگام زبانیں بلا دلیل اگر کسی شی کو حلال یا حرام کہتی ہیں تو اس کو اللہ پر افترا کرتے ہوئے حلال یا حرام نہ کہہ دیا کرو۔ حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا۔ یہودیوں پر مبینہ حرام چیزوں کا تذکرہ سورہ انعام کی تفسیر یعنی جلد ۵ صفحہ ۲۶۴ میں ملاحظہ فرمایئے۔ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ۔ اور بعض چیزوں کا ان پر حرام کرنا ان کے کرتوتوں کی سزا کے طور پر تھا وہ ہمارا ظلم نہیں بلکہ ان کے اپنے ظلم کی پیداوار تھی۔

رکوع نمبر ۲۲

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ۔ معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نیکی کے قائد و معلم تھے یا امام ہدای تھے ان کو امت اس لئے کہا گیا ہے کہ امت کا شیرازہ ان کے ذریعے سے قائم تھا پس مجاز مرسل کے طور پر سبب پر مسبب کے نام کا اطلاق ہوا یا اس لئے کہ وہ اپنے زمانہ کے واحد موحد تھے پس وہ ایک مستقل اُمّت تھے کفار کے مقابلہ میں۔ حَنِيْفًا۔ اسلام پر ثابت قدم اور ادیان باطلہ سے یکسو۔ حَسَنَةً۔ مطلق نعمت یا

السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

کیا گیا سینچر کا دن ان پر جنہوں نے اس میں اختلاف کیا اور تحقیق تیرا رب حکم کرے گا ان کے درمیان

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى

بروز قیامت اس چیز کے بارے میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے بلاؤ طرف

سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

راہِ خدا کے حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اور ان سے بحث کرو

بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

اچھے طریقہ سے تحقیق تیرا رب خوب جانتا ہے اس کو جو اس کے راستہ سے

سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا

گمراہ ہو اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو اور اگر انتقامی کاروائی کرو تو اتنی کرو

نعمتِ نبوت و رسالت اور ابراہیمؑ کا یہ شرف مخصوص ہے کہ تمام مذاہب والے ان کو اپنا قائد و پیشرو سمجھتے ہیں۔ (جو کتب سماویہ پر ایمان رکھتے ہیں۔) ثم اوحینا۔ یہاں سوال ہوتا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ جب سید الانبیاء ہیں تو ان کو ابراہیم کی ملت کی اتباع کا حکم دینا گویا افضل کو مفضول کی اطاعت کی طرف بلانے کا حکم ہے جو یقیناً نازیبا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اتباع اس لئے ہے کہ وہ پہلے گذر چکے ہیں اور بعد میں آنے والا گذر جانے والے کے پیچھے ہوا کرتا ہے۔ پس اس جگہ اتباع اطاعت کے معنی میں نہیں تاکہ اشکال وارد ہو۔

اختلفوا۔ اختلاف کے متعلق کئی وجوہ بیان کئے گئے ہیں (۱) ان کو بروز سینچر شکار کرنے سے روکا گیا تھا۔ پس وہ جمعہ کے روز جال لگا لیتے تھے اور سینچر کو اس میں مچھلیاں پھنس جاتی تھیں جن کو وہ اتوار کو نکال لیا کرتے تھے (۲) ان کو پہلے پہل جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا گیا۔ پس اس میں انہوں نے اختلاف کیا تو ان پر سینچر کی تعظیم کا حکم اُترا۔ اس قصہ کی تفصیل سورہ اعراف میں گذر چکی ہے۔ تفسیر انوار النجف جلد ۶ صـ۱۱۱

طریق تبلیغ

بالحکمۃ۔ جن لوگوں کو تبلیغ کی جائے ان کے مراتب کا خیال رکھنا اور ہر ایک سے اس کے مزاج اور شان کے مطابق بات کرنا زیادہ موزوں اور مؤثر ہوا کرتا ہے۔ پس عالم کے ساتھ عالمانہ

بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ط وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ

جتنی تمہارے ساتھ کی گئی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے

خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا

زیادہ بہتر ہے اور صبر کر اور نہیں ہوگا تیرا صبر مگر

بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا

اللہ کی توفیق سے اور نہ غم کھا ان پر اور نہ تنگدل ہو اس سے جو وہ مکر

يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ

کرتے ہیں تحقیق اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کریں اور جو

هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع ۲۲

احسان کرنے والے ہوں

طرزِ گفتگو اور جاہل کے ساتھ اس کے مزاج کے مطابق بات زیادہ فائدہ مند ہے اور اسی بنا پر کہا گیا ہے۔ كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ یعنی لوگوں سے ان کے عقول واذہان کے مطابق بات کیا کرو۔ خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں اسی طرز تبلیغ کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ چونکہ لوگوں کی ذہن وعقل کے اعتبار سے اور منصف ومجادل ہونے کے لحاظ سے تین قسمیں ہیں ایک ذہین اور اہل فہم ودانش طبقہ۔ پس اُن سے حکمت کی گفتگو کی جائے یعنی دلائل ساطعہ اور براہین واضحہ سے ان کے شکوک وشبہات کا قلع قمع کیا جائے۔ اور قرآن مجید کی روشنی میں ان کو دین اسلام کے اصولوں سے روشناس کرایا جائے۔ پھر دوسری قسم منصف مزاج عوام کی ہے ان کو مواعظ حسنہ مثالیں اور نیک لوگوں کے اچھے انجام اور برائیوں کے بدنتائج سمجھائے جائیں اور پیار ومحبت کے لہجہ میں ان سے گفتگو کی جائے۔ تیسری قسم ہے مناظر طبع جھگڑالو لوگوں کی تو ان سے بحث اچھے اور سلجھے ہوئے طریقہ سے کی جائے اوچھا پن نہ ہو بلکہ متانت ودیانت کو ہی صداقت کا مسلّم اصول سمجھا چاہیے ضدی لوگ اگرچہ نہ مانیں لیکن منصف مزاج طبقہ حق کے دامن سے وابستہ ہوجایا کرتا ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ ﴿۱۵۱﴾ جنگ احد میں جب حضرت حمزہ کی لاش کا مثلہ کیا گیا تو طیش میں آکر مسلمانوں میں سے بعض نے کہا اگر ہم کو موقعہ ملا تو ہم ان کے زندہ آدمیوں کی یہی حالت کریں گے جو انہوں نے مرنے کے بعد حمزہ کی لاش سے کی ہے۔ بلکہ ایک کی بجائے ستر آدمیوں کا مثلہ کریں گے تو یہ آیت اتری۔ پس جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا: میں نے

سورۂ بنی اسرائیل

اس کی آیات کی تعداد ایک سو گیارہ ہے۔ اور بسم اللہ کو ملا کر کل تعداد ۱۱۲ ہو گی۔
بعض کے نزدیک پورا سورہ مکیہ ہے اور بعض کے نزدیک پانچ یا آٹھ آیتوں کے علاوہ باقی سورہ مکیہ ہے

۱۔ بروایت ابی بن کعب جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ بنی اسرائیل کی تلاوت کرے اور والدین کے ذکر سے اس کا دل نرم ہو جائے تو جنت میں اس کو دو قنطار اجر دیا جائے گا اور ایک قنطار بارہ سو وقیہ ہو گا جب کہ ایک ایک وقیہ پوری روئے زمین اور اس کی جملہ آبادی سے بہتر ہو گا۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص سورہ بنی اسرائیل کو ہر شب جمعہ پڑھے تو وہ حضرت قائم علیہ السلام کی زیارت کر کے مرے گا اور آپ کے اصحاب میں سے ہو گا۔

۳۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص سبز ریشمی پارچہ پر اس کو لکھ کر تعویذ کرے تو اس کا نشانہ خطا نہ ہو گا اور اگر چھوٹا بچہ کلام نہ کر سکتا ہو تو اس سورہ کو زعفران سے لکھ کر دھو کر بچہ کو پلایا جائے تو بحکم پروردگار اس کی زبان کھل جائے گی اور بچہ بولنے لگے گا۔

۴۔ تفسیر صافی میں منقول ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا اس سورہ مجیدہ کی آخری دو آیتیں قُلِ ادْعُوا اللہ۔ سے آخر تک چوری کے لئے باعث امان ہے۔

۵۔ اس سورہ کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں بنی اسرائیل کو اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس کا دوسرا نام سورۂ اسراء بھی ہے اور اسراء کا معنی ہے لے جانا چونکہ اس کی ابتدا حضورؐ کو معراج پر لے جانے کے ذکر سے کی گئی ہے اس لئے اس کا نام سورہ اسراء رکھا گیا ہے۔

۱۵
پارہ

ذکر معراج

چونکہ پارہ ۱۵ اور سورہ بنی اسرائیل کی ابتداء ذکر معراج سے ہو رہی ہے لہٰذا مناسب ہے کہ معراج کے بعض پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے مثلاً کیا معراج ممکن ہے یا نہیں مسجد اقصیٰ کا مفہوم کیا ہے جسمانی معراج تھا یا فقط روحانی۔ آپ کیسے گئے کیا کیا دیکھا کیا باتیں ہوئیں اور کیا حضرت علیؑ بھی شریکِ معراج تھے؟ وغیرہ۔

امکان معراج

ایک وقت تھا جب کہ علمائے ہیئت نے خرق والتیام کے مسئلہ کو آسمان پر چڑھایا ہوا تھا خدا معلوم یہ مسئلہ کب سے چلا اور اس کی ضرورت کیوں پیش آئی کس نے اس مفروضہ کو گھڑا اور کیوں گھڑا بہرکیف بڑے زور شور سے اس مسئلہ نے کتب علم ہیئت میں اپنا مقام پیدا کیا اور علم حکمت کی فلکیات کی ابحاث میں یہ مسئلہ معرکۃ الآراء قرار پایا چنانچہ متاخرین آنکھیں بند کر کے متقدمین کے اس مفروضہ کو اصول مسلّمہ کی طرح مانتے چلے آئے نہ کسی نے اس دعویٰ کے خلاف احتجاج کیا اور نہ کسی کو اس کی مرتجہ ادلّہ میں قدغن کی جرأت ہوئی۔ پس حضرت رسالت مآبؐ کے امکانِ معراج کے راستہ میں یہ مسئلہ کوہِ گراں بن کر ہر دور کے عمار اسلام کے افکار وانظار کو چیلنج کرتا رہا چنانچہ بہت سوں کے ہاتھ سے دامنِ حق چھوٹ گیا اور معراج کا انکار کر بیٹھے اور جو اقرار پر ڈٹے رہے وہ معراج روحانی کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے البتہ تھوڑے اللہ کے بندے تھے جنہوں نے باطل کی غوغا آرائیوں پر کان دھرے بغیر آوازِ قدرت پر لبیک کہی اور ہر قسم کی موشگافیوں سے بے نیاز ہو کر صدائے وحدت کو من وعن تسلیم کرتے ہوئے عرفان وایقان کی منازل کی طرف آگے بڑھے۔ کیونکہ جب اللہ ہر شے پر قادر ہے تو وہ جب چاہے جس طرح چاہے جہاں جہاں چاہے اپنے بندے کو سیر کرا سکتا ہے۔ مخلوق ومصنوع کا کوئی فرد کسی وقت اس کی قدرت ومشیت کے آگے حائل نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن مجید میں اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کا فقرہ ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ ازخود نہیں گئے بلکہ اللہ ان کو لے گیا۔ پس جب وہ لے گیا تو اس کے لئے سب کچھ ممکن ہے۔

سائنس کے اس دور میں جو علم ہیئت کے سابقہ مفروضہ کے جھوٹ کی قلعی کھلی تو آسمانوں میں خرق والتیام کے محال جاننے والوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب دیکھا کہ ترقی یافتہ ممالک نے سائنسی آلات کے ذریعے ارضی مواد سے طاقت حاصل کر کے آسمانوں کی بلندیوں کو سر کرنے کا پروگرام مرتب کر لیا ہے۔ اور آئے دن چاند اور دیگر سیارات پر ڈیرہ ڈالنے اور قبضہ جمانے کی خاطر راکٹوں کا بے پناہ سلسلہ قائم ہونے کی خبریں شائع ہونے لگی ہیں جن کو کوئی ذی ہوش ٹھکرانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ چاند کی سطح کی تصویریں اتاری جا رہی ہیں اس پر آبادی کے امکانات پر رائے زنی ہو رہی ہے۔ طاقتور حکومتیں اس پر اپنا پرچم لہرانے کے لئے بے تاب ہیں اور وہاں تک پہنچنے کے لئے فضائی اڈوں کی تجاویز بھی زیر غور ہیں تو ان پیش آمدہ حالات کے ماتحت جب کہ مسئلہ خرق والتیام ایک فرسودہ خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور مادی قوتوں سے استفادہ کرنے والوں نے جب آسمانوں کی تسخیر اور ان کی سیر کو حرف ممکن نہیں بلکہ قریب الوقوع قرار دے دیا ہے تو وہ ذات جو مقصود کائنات ہو جس نے زمین پر بیٹھے ہوئے چاند سے اپنی نبوت کی گواہی طلب کر لی ہو اور اس نے دو ٹکڑے ہو کر اپنے مسخر ہونے پر مہر تصدیق ثبت کی ہو اور وہ ذات جو قوتِ روحانیہ میں تمام روحانیوں سے اشرف واعلیٰ حیثیت کی حامل ہو حتیٰ کہ سید الملائکہ

حضرت جبریل جس کا ادنیٰ غلام ہو اس کے لئے آسمانی بلندیوں کا سر کرنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے اور پھر جب بلانے والا اور لے جانے والا اللہ ہو تو کس کی مجال ہے کہ اس کو ناممکن کہہ سکے؟

معراج جسمانی

اس حد تک تو تمام اہل اسلام بلا تفریق مذاہب متفق ہیں کہ حضور معراج پر تشریف لے گئے اور ہمارے نزدیک معراج کا عقیدہ ضروریات مذہب سے ہے چنانچہ اس کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور حضورؐ سے ایک روایت منقول ہے جس میں ارشاد ہے کہ جو معراج کا انکار کرے وہ میری اُمّت سے خارج ہے جو لوگ فلاسفۂ یونان اور قدیم ہیئت دانوں کے بے سروپا مفروضات پر اندھا دھند ایمان لاتے انہوں نے جہاں ان کی دوسری بے تکی باتوں کے سامنے سر تسلیم خم کیا وہاں آسمانوں کے خرق والتیام کو ناممکن کہتے ہوئے معراج جسمانی کے انکار کی جسارت بھی کرنے لگے۔ اس بارہ میں نہ ان کے کان آیات خداوندی سے متاثر ہوئے اور نہ فرمانِ پیغمبران کو مطمئن کر سکا جس طرح آجکل کے گودِ مغرب میں تربیت یافتہ یتیم العقل لوگوں کا وتیرہ ہے بلکہ ہر وہ انسان جس کا ذہن و دماغ احکام شرعیہ اور حدود دینیہ سے باغی ہو وہ دین کے ہر مسئلہ کو اعتراض کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اسے بار بار کریدتا ہے تاکہ کسی صورت میں اس سے گلو خلاصی ہو جائے اور اس طرز عمل کو وہ اپنی روشن دماغی تصور کرتے ہوئے تحقیق و تدقیق سے تعبیر کرتا ہے اور اس قسم کے بال کی کھال اتارنے والے جہاں علماء کے لئے دردِ سر بنتے ہیں وہاں عوام کیلئے شرعی احکام سے بغاوت کی داغ بیل ڈالنے کے موجب ہوتے ہیں اور نا معلوم ان کا ناقد دماغ جہاں ہر مسئلہ شرعیہ کو ہدف تنقید بنانے کی جسارت کرتا ہے وہاں اہل مغرب کے اقوال و اعمال کو یکسر آنکھیں بند کر کے کیوں قابل تسلیم قرار دیتا ہے، ان کے نزدیک پیغمبر کا قول اہل مغرب کی تصدیق کا محتاج ہے لیکن اہل مغرب کا کوئی قول پیغمبر کے فرمان کی موافقت یا مطابقت کا محتاج نہیں حتّیٰ کہ آجکل سائنسی دور کی تحقیقات نے جب مسئلہ خرق والتیام کو عملاً ایک فرسودہ و بیہودہ خیال ثابت کر دیا اور امکان معراج نئی روشنی میں محتاج بیان نہ رہا تاہم ثبوت معراج میں مغرب زدہ اذہان کو چین نصیب نہیں ہوتا۔ وہ چاند پر راکٹ اترنے کی خبروں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے اور ان کو تسلیم کرتے ہیں حتّیٰ کہ دلیل طلب کرنے والے کو تاریک دماغ اور قدامت پسند قرار دیتے ہیں لیکن معراج رسولؐ کو ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اس کو بعید از عقل کہنے میں ذرہ بھر توقف نہیں کرتے۔

اہل اسلام میں معراج کے متعلق تین خیال پہلے سے اب تک ہیں پیغمبر اسلام اور اسلام کی قدروں سے ناواقف لوگ دشمنانِ اسلام کی تنقیدات سے مرعوب ہو کر معراج کو خواب کہتے رہے اور جنہوں نے اس کو خواب کی حقیقت سے آگے بڑھایا وہ اسے معراج روحانی کہہ کر آگے نہ بڑھ سکے اور مذہب شیعہ کا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج جسمانی حضرت پیغمبرؐ کو نصیب ہوا اور آپ کی خصوصیت میں سے ہے۔

علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ اس کو نیند کا واقعہ بتاتے ہیں سراسر غلط ہے کیونکہ ایسی صورت میں نہ معجزہ رہتا ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل ناطق ہے اور معراج کے متعلق ہمارے ہاں متعدد روایات موجود ہیں کہ حضورؐ آسمانوں

پر تشریف لے گئے اور بہت سے صحابہ ان کے راوی ہیں، مثلاً ابن عباس۔ ابن مسعود۔ انس۔ جابر بن عبداللہ۔ حذیفہ۔ عائشہ اور ام ہانی وغیرہ البتہ ان میں الفاظ کی کمی وبیشی ضرور ہے اور ہم ان کو چار قسموں پر تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) ایک وہ حدیثیں ہیں جن کی صحت کا ہمیں علم ہے کیونکہ تواتر سے منقول ہیں اور وہ وہ ہیں جن میں حضورؐ کا معراج پر جانا منقول ہے۔ پس ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ خواب میں نہیں بلکہ بیداری کے عالم میں تشریف لے گئے۔

(۲) وہ حدیثیں جن کا مضمون عقلاً ممکن ہے اور اصول بھی ان کو قبول کرتے ہیں۔ مثلاً آسمانوں کی سیر انبیاء و ملائکہ کے ساتھ ملاقاتیں، عرش سدرۃ المنتہیٰ اور جنت و نار وغیرہ کو دیکھنا۔

(۳) وہ حدیثیں جو ظاہراً اصول سے ٹکراتی ہیں لیکن ان کی تاویل کی جا سکتی ہے مثلاً جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں دیکھنا۔ ان میں اصولی مخالفت یہ ہے کہ جو لوگ اُمت محمدیہ میں ابھی پیدا نہیں ہوئے وہ قبل از وقت جہنم میں اپنے اعمال کی جزا و سزا کے لیے کیسے پہنچ گئے؟ پس ان کی تاویل یہ ہے کہ حضورؐ کو ان کی مثالیں دکھائی گئیں یا ان کے نام و کام بتائے گئے۔

(۴) وہ حدیثیں جو ظاہراً صحیح نہیں اور نہ ان کی تاویل کی جا سکتی ہے۔

پس ان کو ہم قبول نہیں کرتے مثلاً یہ کہ آپؐ نے اللہ کو دیکھا یا اس کے ساتھ تخت پر بیٹھے یا آپ کے پیٹ کا اپریشن ہوا اور اس کو دھویا گیا وغیرہ۔ کیونکہ خداوند کریم جسم و جسمانیات اور مخلوق کی تشبیہ سے بلند و بالا ہے اور حضورؐ ہر عیب و کثافت سے طاہر و مطہر پیدا ہوئے نیز دل کو عقیدہ کی کثافتوں سے پانی کے ساتھ دھونا غیر معقول بات ہے

بُراق کا حُلیہ

مغرب زدہ اسلام سے باغی اذہان کی تسکین اس میں ہوتی ہے کہ ہر بعید از عادت بات کو غلط کہہ کر اس کا انکار کر دیں وہ جدید تحقیقات کی روشنی میں سائنس کی خارق عادت مصنوعات کو آسانی سے مان سکتے ہیں لیکن خلاق کائنات کی خارق عادت تخلیق کو تسلیم کرتے ہوئے بھی جھجکتے ہیں۔ بلکہ تسلیم کرنے کو کورانہ تقلید سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبروں کے جملہ معجزوں کا انکار اور ان کی رکیک تاویلیں اسی کور باطنی کا شاخسانہ ہیں۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے مغربیت کی اسی روش سے فائدہ اٹھا کر جدید اسلامی پود کو اپنے رنگ میں رنگنے کا کردار ادا کیا ہے اور تمام نبوی معجزوں کو اس نے تمثیل قرار دے کر غیر پختہ اسلامی نونہالوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا لیا ہے حالانکہ بغیر مادۂ موجودہ تخلیق کائنات پر قادر خدا جہاں بے حد و حساب مخلوق کو کتم عدم سے منصۂ شہود پر لا سکتا ہے اس کی قدرت سے اس قسم کے جزوی تخلیقی کارنامے نہ بعید ہیں نہ مشکل۔ بنا بریں بُراق کا جو حلیہ کتب احادیث میں مرقوم و مسطور ہے اس پر عقلی استبعاد کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

تفسیر مجمع البیان میں اس کا حلیہ اس طرح ہے کہ گدھے سے بڑا خچر سے چھوٹا چہرہ انسان نما دُم بیل کی گردن کے بال گھوڑے کی طرح اور پاؤں اونٹ کی مانند تھے۔ جنت کی زین سے مزین تھا اس کے پچھلے دو پٹھوں کے اوپر دو پر تھے اور اس کے دو قدموں کا درمیانی فاصلہ حد نگاہ تک تھا۔

تفسیر برہان میں امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے براق کو میرے لئے مسخر فرمایا وہ جنت کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا ہے نہ بہت لمبا اور نہ بہت چھوٹا اگر خدا اس کو اذن دے تو ایک ہی دوڑ میں دنیا و آخرت کا احاطہ کرے اور وہ جنت کے تمام حیوانوں میں سے زیادہ خوبصورت ہے۔

بروایت روضۃ الواعظین جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ اس کا چہرہ انسان کا رخسارہ گھوڑے جیسے گردن کے بال موتیوں کی لڑیوں کی طرح کان زبرجد سبز جیسے اور آنکھیں چمکدار تاروں کی مانند مضبوط جسم اور ہاتھ پاؤں دراز میں آدمیوں کی طرح سانس لیتا ہے بات سنتا ہے اور سمجھتا ہے گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ہے (یعنی اسکا قدوقامت درمیانہ مناسب اور نہایت موزوں ہے)

اہل مکہ کا ردّ عمل

تفسیر برہان میں بروایت قمی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں مکہ میں محو خواب تھا علی دائیں جعفر طیار بائیں اور حمزہ میرے پیش موجود تھے میں نے فرشتوں کے پروں کی آواز سنی۔ ایک نے پوچھا کہ اے جبریل تو نے کس کے پاس جانا ہے تو اس نے میری طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس کے پاس اور یہی تمام بنی آدم کا سردار ہے اور یہ اس کا وصی وزیر داماد اور خلیفہ ہے وہ اس کا چچا حمزہ ہے اور وہ اس کا چچازاد بھائی جعفر طیار ہے جس کو دو تر و تازہ پر عطا ہوں گے اور ملائکہ کے ساتھ جنت میں پرواز کریگا۔ اس نبی کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن کان سنتے ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔ انہوں نے ایک کہانی بیان کی کہ ایک بادشاہ ہے جس نے گھر بنوایا دسترخوان لگایا اور دعوت کے لئے قاصد بھیجا حضورؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا وہ بادشاہ اللہ ہے دنیا گھر ہے جنت اس کا دسترخوان ہے اور دعوت دینے والا میں ہوں پس جبریل نے بڑھ کر براق حاضر کیا اور بیت المقدس تک سیر کرائی نبیوں کے محراب اور نشانیاں دکھائیں آپ نے نماز بھی ادا کی۔ پھر راتوں رات واپس بھی پہنچے واپسی پر قریش کے قافلہ کے پاس سے گذرے ان کے ایک برتن سے پانی پیا اور باقی پانی کو گرادیا اور وہ اسوقت ایک گمشدہ اونٹ کو تلاش کررہے تھے آپ نے صبح ہوتے ہی قریش کو اپنے معراج کا قصہ سنایا تو ابوجہل نے کہا اب موقعہ ہے اس کے متعلق سوال کرو چنانچہ انہوں نے پوچھنا شروع کیا اے محمدؐ ہم میں سے بعض لوگ بیت المقدس دیکھ چکے ہیں ذرا بتایئے اس کے محراب کتنے ہیں۔ ستون کس قدر ہیں اور قندیلیں کتنی آویزاں ہیں؟ اتنے میں جبریل نے بیت المقدس کا نقشہ آپ کے سامنے موجود کر دیا اور آپ نے ان سب کو جواب باصواب دے دیا جب آپ نے ان کو قافلہ کی خبر سنائی تو کہنے لگے قافلہ آئے گا تو بات کی حقیقت کھل جائے گی۔ آپ نے فرمایا وہ قافلہ فلاں تاریخ کی صبح طلوع آفتاب کے وقت پہنچے گا اور سب سے آگے سرخ رنگ کا اونٹ ہوگا۔ چنانچہ سب قریش اس دن طلوع آفتاب سے پہلے انتظار میں شہر کے باہر جا کھڑے ہوئے پس ادھر سورج نے طلوع کیا اور ادھر قافلہ بھی آپہنچا اور آگے آگے سرخ رنگ کا اونٹ تھا جب ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ واقعی فلاں شب کو ہمارا اونٹ گم ہوا تھا اور فلاں مقام پر ہم نے پانی رکھا تھا جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ اس برتن سے پانی گرایا جا چکا ہے۔ پس سننے اور یقین کرنے کے بجائے ایمان کے ان کی سرکشی میں اور اضافہ ہو گیا۔

تفسیر برہان میں ایک روایت میں ہے کہ آپ جاتے ہوئے ابوسفیان کے قافلے کے پاس سے گذرے شب تاریک

تھی بار شدہ اونٹوں کے قریب سے گذرے تو براق کی صراحت سے اونٹ ڈر رہے۔ چنانچہ ایک نے دوسرے کو آواز دے کر بلایا کہ او فلاں : دیکھ تو سہی اونٹ ڈر گئے ہیں اور فلاں کا بھار گر چکا ہے اور اس کا اگلا پاؤں بھی ٹوٹ چکا ہے چنانچہ واپس آنے پر ابوسفیان نے اس خبر کی تصدیق کی لیکن ضد اور ہٹ دھرمی پر پکے رہے اور مروی ہے کہ ان اونٹوں پر گندم لدی ہوئی تھی۔

تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ بروایت ابوسعید خدری جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ میں نے واپسی پر جبریل سے پوچھا کہ تیری کوئی خواہش ہو تو بتاؤ۔ پس اس نے کہا میری حاجت یہ ہے کہ اللہ کی جانب سے اور میری جانب سے خدیجہ کو سلام کہنا چنانچہ آپؐ نے سلام پہنچایا تو جناب خدیجہ نے جواب میں عرض کیا۔ اِنَّ اللّٰہَ السَّلَامُ وَمِنْہُ السَّلَامُ وَاِلَیْہِ السَّلَامُ وَعَلٰی جِبْرَآئِیْلَ السَّلَامُ

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ آپ نے جب اہل مکہ کے سامنے اپنا معراج بیان فرمایا تو مطعم بن عدی نامی ایک شخص کہنے لگا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دو ماہ کا سفر آپ ایک گھنٹہ میں طے کر لیں پھر کہنے لگے کہ اپنے سفر نامے میں کچھ بیان کیجئے۔ چنانچہ آپ نے قافلہ کا ذکر کیا اور اونٹ کا گم ہونا اور پیالہ سے پانی پینا بیان فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک نشانی ہے آپ نے پھر دوسرے قافلہ کا ڈرنا اور بھار کا گرنا نیز ایک اونٹ کی ٹانگ ٹوٹنا بیان فرمایا تو کہنے لگے چلو یہ دوسری نشانی ہے پھر کہنے لگے کہ ہمارے اونٹ کہاں تھے تو آپ نے فرمایا مقام تنعیم میں ان کے پاس سے گذرا ہوں پھر آپ نے ان کی تعداد بتائی کہ ۲۳ تھے اور لدے ہوئے مال کی فہرست بتائی اور ان کے ہمراہ غلاموں کے نام بھی بتائے اور حلیے بیان کئے اور فرمایا کہ طلوع شمس کے وقت وہ آن پہنچیں گے سب سے آگے گھنے بالوں والا اونٹ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تیسری نشانی ہے پس انتظار کے لیے شہر کے باہر پہنچے کہ اب فیصلہ کن بات ہوگی ادھر ایک نے کہا کہ وہ سورج طلوع ہو رہا ہے تو دوسرے نے فوراً آواز دیکر کہا کہ لو وہ قافلہ بھی آ پہنچا ہے۔ چنانچہ سب کے سب مبہوت و حیران رہ گئے دوسری نشانیوں کی تصدیق بھی ہو گئی لیکن ایمان لانے کی جرأت نہ کر سکے۔

معراج کا سفر نامہ

مکہ مکرمہ میں حضرت علی علیہ السلام کی ہمشیرہ ام ہانی زوجۂ ہبیرہ بن ابو وہب مخزومی کے گھر حضرت رسالتمآبؐ بستر استراحت پر آرام فرما تھے۔ بعضوں نے مسجد الحرام میں حضور کا محو خواب ہونا ذکر کیا ہے اور حدود حرم کے اندر کی ساری زمین پر بھی مسجد الحرام کا اطلاق کیا گیا ہے۔ بہرکیف بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تین فرشتے جبریل میکائیل اور اسرافیل براق کے ساتھ نازل ہوئے ایک کے ہاتھ میں لگام تھی دوسرا رکاب تھامے ہوئے تھا اور تیسرا براق کی زین کو درست کر رہا تھا بروایت عیاشی جبریل جنت سے پانی بھی لایا جس سے آپ نے غسل فرمایا بروایت کافی ذات رب العزت نے نور کی ایک عماری کا انتظام فرمایا تھا جو نور عرش میں سے چالیس اقسام نور پر مشتمل تھی جن میں سے ہر ایک کے دیکھنے کی انسانوں میں تاب برداشت نہ تھی جب آپ اس پر سوار ہو کر جانب آسمان روانہ ہوئے تو اس نور کی کرنیں آسمان اول تک پہنچیں۔ پس فرشتے ایک جگہ جمع ہو کر سجدہ ربانی میں گر گئے۔ جبریل نے

نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ بروایت قمی آسمان اوّل پر موکل ایک فرشتہ ہے جس کا نام اسمٰعیل ہے اس کے ماتحت ستّر ہزار فرشتہ ہے اور ان میں سے ہر ایک ستّر ستّر ہزار فرشتوں کا سردار ہے۔ پس جبریل کی آواز سُن کر آسمان کا دروازہ کھولا گیا اور فرشتوں نے آپ کا شایانِ شان استقبال کیا پھر آپؐ نے آسمان اوّل کی سیر فرمائی۔

بروایت ابن بابویہ حضور بیت المقدس میں تشریف لائے اور یہاں ستّر نبیوں کو نماز پڑھائی پس جبریل نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں حوالہ کیں کہ آپ کو اختیار ہے چاہیں تو نبوت کے ساتھ ساتھ شہنشاہیت بھی لے لیں اور چاہیں تو نبوت کے ساتھ عبدیت کی زندگی گذاریں۔ پس آپ نے بادشاہت کو ٹھکرا کر عبدیت قبول کی۔ آپ نے پہلے آسمان پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات کی ان کے گرداگرد چھوٹے چھوٹے بچے تھے جن کی وہ تربیت فرما رہے تھے جبریل نے کہا یہ مومنوں کے بچے ہیں جن کی پرورش حضرت ابراہیم کرتے ہیں۔ اور قمی کی روایت میں آسمان ہفتم پر حضرت ابراہیم کا ہونا مذکور ہے چنانچہ بعد میں ذکر ہوگا اور آسمان پر جانے سے پہلے حضورؐ نے مسجد کوفہ میں بھی دو رکعت نماز ادا کی تھی جیسے کہ روایات میں موجود ہے۔ نیز آپ نے مدینہ طیبہ اور طور سینا پر بھی علی الترتیب دو دو رکعت نماز پڑھی ہے (صافی) اور بروایت قمی اسی آسمان پر حضرت آدمؑ سے ملاقات وگفتگو ہوئی پھر ملک الموت سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تمام مرنے والوں کے ارواح کو تو ہی قبض کرتا ہے؟ اس نے جی ہاں کہا۔ آپ نے پوچھا کیا تو سب کو دیکھتا ہے تو اس نے کہا ساری دنیا میرے قبضہ میں اس طرح ہے جس طرح انسان کے ہاتھ میں ایک روپیہ ہو وہ جس طرح چاہے اس کو اُلٹ پلٹ کرتا رہے اور میں دنیا کے ہر گھر میں روزانہ پانچ مرتبہ جھانکتا ہوں۔ اور جب کسی مرنے والے کے غم میں گھر والے رو رہے ہوتے ہیں تو میں ان کو کہا کرتا ہوں مت رؤو میں نے تمہارے پاس بار بار آنا ہے حتیٰ کہ کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا آپ نے فرمایا کہ موت بہت سخت چیز ہے تو جبریل نے کہا کہ حضورؐ! بے شک موت سخت ہے لیکن موت کے بعد کا عالم اس سے سخت تر ہے پھر ایک فرشتہ کو دیکھا جس کا آدھا جسم آگ تھا اور آدھا جسم برف تھا۔ نہ برف آگ پر غالب اور نہ آگ برف پر غالب تھی اور وہ تسبیح پروردگار میں رطب اللسان تھا پھر کافی تعداد میں ملائکہ دیکھے جن کی خلقت عجیب و غریب تھی ان کے جسم کے ہر ہر حصّے سے الگ الگ لب ولہجہ میں تسبیح وتقدیس پروردگار کی صدائیں بلند تھیں اور خوفِ خدا سے وہ سب مشغولِ گریہ بھی تھے۔ جبریل نے بیان کیا کہ ان کی پیدائش ہی اسی طرح کی ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی جب سے پیدا ہوئے ہیں اپنے ساتھی فرشتے کو نہ نظر اٹھا کر دیکھا ہے اور نہ اس سے بات کی ہے نہ یہ اوپر کو دیکھتے ہیں اور نہ نظر جھکا کر نیچے کی طرف دیکھتے ہیں اور ہمیشہ ان کے خشوع و خضوع کا یہی عالم ہے میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے اشاروں اشاروں میں مجھے سلام کا جواب دیا لیکن جب جبریل نے ان سے میرا تعارف کرایا تو انہوں نے تعظیم وتکریم کا فریضہ ادا کیا اور پھر حسب عادت مشغولِ عبادت ہوئے بروایت کافی جب آسمانِ اوّل کے تمام فرشتے آداب بجالائے تو احوال پرسی کرتے ہوئے عرض کی کَیْفَ اَخُوْكَ یعنی تیرے بھائی کا کیا حال ہے اِذَا نَزَلْتَ فَاَقْرَأْهُ السَّلَامَ جب واپس تشریف لے جائیں تو ان کو ہمارا سلام کہنا۔ آپ نے پوچھا تم اس کو کس طرح

پہچانتے ہو تو انہوں نے جواب دیا ہم کیسے اس کو نہ پہچانیں کہ آپ کا اور ان کا اور ان کے شیعوں کا ہم سے میثاق لیا گیا ہے۔ اور ہم ہر روز پانچ مرتبہ یعنی ہر نماز کے وقت اس کے شیعوں کے چہروں کی زیارت کیا کرتے ہیں اور آپ کی ذات پر اور اس جناب پر ہم درود و سلام پڑھا کرتے ہیں۔

اس کے بعد پھر پروردگار عالم نے چالیس اقسام نور کا مجھ پر اضافہ کیا جن میں سے ہر ایک کا رنگ دوسرے سے مختلف تھا پس دوسرے آسمان کی طرف روانگی ہوئی۔ اس نور کی شعاعیں جب دوسرے آسمان پر پڑیں تو فرشتوں میں تحیّر و اضطراب کی لہر پیدا ہوئی۔ چنانچہ سب سجدہ پروردگار میں جھک گئے اور اس کی تسبیح و تقدیس بجا لائے جبریل نے حضورؐ کا تعارف کرایا تو سب آداب و سلام بجا لائے اور عرض کی کہ زمین پر پلٹ کر علی کو ہمارے سلام عرض کرنا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو اس کی معرفت کیسے ہوئی تو عرض کرنے لگے روز اوّل سے تیرا اور اس کا اور اس کے شیعوں کا ہم سے میثاق لیا جا چکا ہے اور ہم ہر دن اس کے شیعوں کی پانچ وقت زیارت کرتے رہتے ہیں (اوقات نمازیں)، بروایت قمی حضورؐ نے دوسرے آسمان پر دو خالہ زاد نبیوں یعنی عیسیٰ اور یحییٰ سے ملاقات کی اور بے حد حساب ملائکہ کو الگ الگ انداز سے جدا جدا زبانوں کے ساتھ محوِ تسبیح و تقدیس دیکھا پھر بروایت کافی چالیس اقسامِ نور کا اور اضافہ ہوا جن میں سے ہر ایک کی نوعیت و شکل دوسرے سے الگ تھی اور تیسرے آسمان کی طرف عروج فرمایا۔ نور کی خیرہ کن شعاعوں کی تاب نہ لا کر فرشتے بحرِ تحیّر میں غوطہ زن ہو کر سجدہ میں گر گئے اور تسبیح و تقدیس پروردگار بجا لائے۔ جبریل نے کلمہ شہادت زبان سے جاری کیا اور حضورؐ کا تعارف کرایا پس سب ملائکہ بہرِ تعظیم جھکے سلام کیا اور احوال پرسی کرتے ہوئے عرض گذار ہوئے کہ علی کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ زمین پر ہیں لیکن تم اس کو کس طرح پہچانتے ہو پس کہنے لگے کہ ہم ہر سال البیت المعمور پر حج کرنے کو جاتے ہیں وہاں ایک سفید تختی پر آپ کا علی کا حسن و حسین کا اور قیامت تک کے ہونے والے ان کے شیعوں کے نام مذکور و مسطور ہیں پس ہم ہر روز پانچ دفعہ اوقات نماز میں ان کے لئے برکت کی دعا کرتے ہیں بروایت قمی اس آسمان پر حضورؐ نے حضرت یوسف سے ملاقات فرمائی اور بے حد و حساب فرشتوں کو جداگانہ حالات میں محوِ عبادت دیکھا بروایت کافی پھر چالیس انواع نور کا اضافہ ہوا جو پہلے انوار سے مختلف تھے۔ اور آسمان چہارم پر پہنچے حسب سابق ملائکہ نے رسمی کلام کے بعد حضرت علی کے متعلق پوچھا اور آپ نے وجہ تعارف دریافت فرمائی تو کہنے لگے کہ ہم اس کو اور اس کے شیعوں کو بھی پہچانتے ہیں جو بشکل نور عرش پروردگار کے ارد گرد موجود ہیں نیز البیت المعمور میں ایک نور کی تختی ہے جس پر محمد و علی و حسن و حسین اور باقی آئمہ اور قیامت تک کے ہونے والے تمام شیعوں کے نام مسطور ہیں اور انکا ہم سے عہد لیا گیا ہے اور ہر جمعہ اس عہد کو ہمارے سامنے دہرایا جاتا ہے۔ پس حکم ہوا کہ سر بلند کرو چنانچہ تمام حجابات دُور ہوئے اور عالم بالا کے تمام ممکنات کو ملاحظہ فرمایا پھر حکم ہوا کہ نیچے دیکھو چنانچہ پردے ہٹے اور زمین تک ہر شی کا معائنہ فرمایا۔ پھر زیرِ عرش چشمہ صاد سے وضو فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ بروایت قمی آسمان چہارم پر حضرت ادریس سے ملاقات ہوئی۔

دوسری روایات میں چرخ چہارم پر حضرت عیسیٰؑ کا ہونا ملتا ہے نیز البیت المعمور بھی اسی آسمان پر ہے اور انبیاء کو نماز
پڑھانا اور سوال وجواب کا تذکرہ بھی ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں سورۂ یونس کی تفسیر میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق
علیہ السلام منقول ہے کہ جب حضورؐ معراج پر تشریف لے گئے تو مناجات پروردگار سے فارغ ہو کر البیت المعمور پر پہنچے جو
چوتھے آسمان پر کعبہ کی محاذات میں واقع ہے وہاں پروردگار نے تمام انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین کو جمع فرمایا جبریل نے
اذان واقامت کہی پس حضورؐ نے آگے بڑھ کر ان کو نماز پڑھائی جب فارغ ہوئے تو ارشاد ہوا۔ سال الذین یقرءون
الکتاب من قبلک الخ۔ آیت ۹۴ سورۂ یونس۔

بروایت ابن شہر آشوب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں جب شب معراج میں چرخ چہارم
پر پہنچا تو جبریل نے اذان واقامت کہی۔ پس تمام نبیوں، صدیقوں شہیدوں اور فرشتوں کو جمع کیا گیا اور میں نے بڑھ کر ان کو نماز
پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر جبریل نے کہا ان سے دریافت کیجئے کہ کسی امر کی شہادت دیتے ہیں تو انہوں نے جواب میں عرض
کی نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانک رسول اللہ وان علیاً امیر المومنین۔ تفسیر ثعلبی اور خطیب کی اربعین سے
بروایت ابن مسعود حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ جب میں شب معراج جبریل کے ہمراہ چوتھے آسمان پر
پہنچا تو میں نے یاقوت سرخ کا ایک مکان دیکھا جبریل نے کہا یہ البیت المعمور ہے جس کو آسمان و زمین کی خلقت سے ۵۰ ہزار
برس پہلے پروردگار نے پیدا کیا ہے پس مجھے حکم ہوا کہ اٹھ کر ان کو نماز پڑھاؤ۔ چنانچہ میں نے تمام نبیوں کو نماز پڑھائی۔ سلام
کے بعد ایک فرشتہ نے پروردگار کی طرف سے سلام پہنچا کر یہ پیغام سنایا کہ ان سے دریافت کرو کہ آپ سے قبل ان کی
بعثت کس لئے ہوئی پس میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔ علیٰ ولایتک وولایۃ علی ابن ابی طالب۔
یعنی تیری اور علی کی ولایت پر ہم مبعوث ہوئے ہیں۔

چوتھے آسمان کی سیر کے بعد بروایت قمی پانچویں آسمان پر پہنچے حضرت ہارون بن عمران سے ملاقات ہوئی اور
پہلے کی بہ نسبت کافی تعداد میں فرشتوں کو دیکھا پھر چھٹے آسمان پر حضرت موسےٰ سے ملاقات ہوئی اور لاتعداد ملائکہ دیکھے
اس کے بعد ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی۔ قمی کی روایت میں البیت المعمور اسی آسمان
پر ہے جو فرشتوں کے لئے مقام حج ہے۔

آپؐ فرماتے ہیں میں نے آسمان ہفتم پر نور کے سمندر دیکھے کہ ان کی چمک آنکھوں کے لئے خیرگی کا باعث تھی
پھر ظلمات کے سمندر بھی دیکھے اور برف کے سمندر بھی ملاحظہ کئے جبریل نے کہا بے شک اللہ کی یہ مخلوق عظیم ہے لیکن
وہ جو ابھی تک آپ نے نہیں دیکھی وہ اس سے بھی عظیم تر ہے۔ پس آپ خوشنود ہو کر شکر پروردگار ادا کیجئے جب مخلوق اس
قدر عظیم ہے تو خالق کی عظمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ پھر مخلوق اور خالق کے درمیان نوے ہزار حجابات ہیں۔ اور اللہ کی
طرف سب سے قریب تر میرا اور اسرافیل کا مقام ہے لیکن ہمارے آگے چار حجابات ہیں (۱) حجاب نور (۲) حجاب ظلمت

(۳) حجاب غمام (۴) حجاب ماء پس آسمان کے عجائبات دیکھنے کے بعد البیت المعمور میں نماز ادا کی۔ چشمہ کوثر سے پانی پیا۔ اور چشمہ رحمت میں غسل کیا پھر جنت کی سیر کی وہاں ایک عورت کو سیر کرتے ہوئے پایا اور پوچھا تو کون ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں زید بن حارثہ کی کنیز ہوں۔ چنانچہ میں نے صبح سویرے اس کو اس کی خوشخبری سنائی۔ پس وہاں کے پرندے دیکھے انار دیکھے جو حجم میں بہت بڑے تھے پھر ایک درخت دیکھا جس کا تنا اسقدر بڑا تھا کہ تیز پرواز پرندہ اس کے ارد گرد سات سو برس پرواز کر سکتا تھا اور جنت کے ہر مکان میں اس کی شاخ موجود تھی میں نے جبریل سے پوچھا تو اس نے کہا کہ شجرۂ طوبیٰ ہے۔ اس کی تفصیل اسی جلد میں سورہ رعد کی آیت نمبر ۲۹ کی تفسیر میں ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۲

میں نے جبریل سے نور کے سمندروں کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ وہ سرادقات عرش ہیں اگر درمیان میں یہ حائل نہ ہوتے تو عرش کا نور باقی تمام مخلوق کو ختم کر دیتا۔ پس میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا جس کا ایک ایک پتہ ایک بڑی جماعت کو سایہ دے سکتا تھا۔

جہنم میں عذاب پانے والے

بروایت قمی منقول ہے حضورؐ نے آسمانِ اوّل کی سیر میں ایک فرشتہ کو دیکھا جس کی شکل ڈراؤنی تھی پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو جبریل نے بتایا یہ مالک داروغہ جہنم ہے پس جبریل نے اس فرشتے کو حضورؐ کی آمد کی اطلاع دی اور تعارف کرایا۔ چنانچہ وہ آپ کے شایان شان فرائض استقبال وآداب بجالایا اور سلام کے بعد آپؐ کو جنت کی بشارت سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ جہنم کے منہ سے ڈھکنا الگ کرو، چنانچہ تعمیل حکم کرتے ہوئے اس نے ڈھکنا کھولا تو اس کے دیو پیکر شعلے بلند ہوئے۔ آپ نے دوبارہ اس کا منہ بند کرنے کا حکم صادر فرمایا تو اس نے ڈھکنا اوپر رکھ کر اس کا منہ بند کر دیا۔ بروایت عیاشی منقول ہے کہ اس کے بعد آپ کو کبھی ہنستے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ نیز اسی روایت میں اس سے قبل مروی ہے کہ آپؐ نے ایک دھماکے کی آواز سنی تو جبریل سے وجہ پوچھی اس نے بتایا آج سے ستّر برس پہلے میں نے جہنم کے کنارہ پر کھڑے ہو کر اس میں ایک پتھر ڈالا تھا اب وہ اس کی تہ پر پہنچا ہے اور یہ اسی کی آواز ہے۔

بروایت ابن بابویہ آپؐ نے ایک قوم کو عذاب میں گرفتار دیکھا کہ جہنم کے زنجیر ان کی ہنسلیوں میں پڑے ہوئے تھے اور وہ لٹک رہے تھے جبریل نے بتایا یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے حلال عطا فرمایا تھا لیکن یہ لوگ حلال کو چھوڑ کر حرام کے پیچھے دوڑتے تھے۔ پھر ایک قوم کو عذاب میں گرفتار دیکھا جن کے چمڑوں کو جہنم کی سلاخوں سے سیا جا رہا تھا جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق عورتوں کی عصمت لوٹتے تھے۔ ان کے بعد دیکھا ایک مرد پر بوجھ لادا جا رہا ہے جسکو وہ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن بجائے کمی کے اس میں اور اضافہ کیا جاتا ہے پس وہ اسی عذاب میں مبتلا ہے۔ جبریل نے کہا یہ وہ شخص ہے جو دنیا میں قرضے اٹھاتا تھا پس بغیر ادا کئے خود اٹھا لیا گیا۔ بروایت قمی حضورؐ نے فرمایا خدا نے آسمان پر دو فرشتے مقرر کئے ہیں ان میں سے ایک ہر وقت با آواز بلند دعا کرتا ہے اے اللہ تو سخی کو زیادہ عطا فرما اور دوسرا

ہر وقت یہ دُعا کرتا ہے اے اللہ تو بخیل کو برباد کر۔ پھر آپ نے ایک قوم کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹ کی طرح بڑھے ہوئے تھے اور ان کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالا جاتا تھا۔ جبریل نے کہا یہ چغلخور لوگ ہیں اس کے بعد ایک قوم کو دیکھا جن کے سروں کو جہنمی ہتھوڑوں سے کوٹا جا رہا تھا۔ جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز عشا پڑھے بغیر سو جاتے تھے پھر ایک قوم کو گرفتار عذاب دیکھا جن کے منہ میں آگ ڈالی جاتی تھی جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کے مال پر دست درازی کر کے کھا جاتے تھے۔ پھر ایک قوم کو گرفتارِ مصیبت و عذاب میں دیکھا جن کے پیٹ بڑے بڑے تھے اور وہ آلِ فرعون کی طرح جہنم کی بھٹی میں دھکیلے جا رہے تھے جبریل نے بتایا یہ سود کھانے والے لوگ ہیں پھر عورتوں کے گروہ کو عذاب میں گرفتار دیکھا کہ جہنم کے زنجیران کے پستانوں سے بندھے ہوئے تھے اور وہ لٹک رہی تھیں جبریل نے کہا یہ زناکار عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کا وارث حرامزادوں کو بنایا کرتی تھیں پس آپ نے فرمایا خدا کا غضب ہے اس عورت پر جو کسی قوم کی نسب میں ایسے افراد کو داخل کرے جو درحقیقت اس نسب کے نہ ہوں۔ (یعنی زنا کر کے حرامزادہ اولاد پیدا کرے۔)

مقصد معراج تفسیر برہان میں بروایت صفار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضورؐ کو ایک سو بیس مرتبہ معراج نصیب ہوئی اور ہر دفعہ دوسرے فرائض سے بڑھ کر خدا نے آپؐ کو ولایت علیؑ اور ولایت آئمہ اہل بیتؑ کی وصیت تلقین فرمائی۔ چنانچہ عیاشی سے بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے اور معراج کے سفرنامے میں ملائکہ کے سوالات و جوابات میں بھی اس امر کی طرف واضح اشارہ موجود ہے اور صاحب کتاب مجمع النورین شیخ ابوالحسن نجفی نے ذکر کیا ہے کہ معراج کا مقصد دو باتیں تھیں۔ ایک خلافت علی اور دوسری علی و بتول کی شادی اور کہا ہے کہ احادیث مستفیضہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔

بروایت ابن بابویہ ابن عباس سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا اور پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ پر اور وہاں سے حجاب ہائے نور کی طرف بڑھا تو خدا کی جانب سے ندا پہنچی۔ میں تیرا پروردگار ہوں۔ پس میرے لئے خشوع کر صرف میری ہی عبادت کر، مجھ پر توکل رکھ اور میری ہی ذات پر اعتماد کر۔ پس تیری عبدیت، محبت، رسالت، نبوت اور تیرے بھائی کی خلافت میں راضی ہوں وہ میرے بندوں پر میری حجت اور میری مخلوق کا امام ہے۔ اُسی کے ذریعے سے میرے دوستوں اور دشمنوں کی پہچان ہو گی اور اسی کی بدولت شیطان کے لشکر اور میرے لشکر میں تمیز ہو گی اُسی کے ذریعے سے میرا دین قائم، حدیں محفوظ اور احکام جاری رہیں گے۔ تیری اور اُس کی اور اس کی نسل کے آئمہ کی برکت سے میری مخلوق پر میرا رحم و کرم ہو گا۔ تمہارا قائم میری زمین کو میری تسبیح تہلیل تقدیس تحمید اور تکبیر سے آباد کرے گا۔ میں اُسی کے ذریعے سے اپنی زمین کو دشمنوں سے پاک کروں گا اور اپنے دوستوں کو اس کا وارث بناؤں گا اور اسی کی بدولت کفر کا کلمہ پست اور حق کا کلمہ بلند کروں گا۔ اُسی کے وسیلہ سے میں اپنے بندوں اور شہروں کو زندہ کروں گا۔ اسی کے لئے میں زمین کے

خزانوں اور ذخیروں کو ظاہر کر دوں گا اور اس کو اپنے ارادہ سے خفیہ اسرار کی اطلاع دوں گا اور اپنے دین کی سربلندی کے لئے ملائکہ سے اس کی تائید کروں گا وہ میرا برحق ولی ہے اور سچ مچ میرے بندوں کے لئے میرا مہدی ہے۔

نیز بروایت ابن بابویہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے معراج کا مقصد دریافت کیا گیا کہ خدا نے کیوں اپنے نبی کو آسمان پر بلایا پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے حجاب ہائے نور تک اور وہاں باتیں ہوئیں حالانکہ وہ کسی مکان کا پابند نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ واقعی خدا کسی مکان و زمان کا پابند نہیں لیکن اس نے اپنے فرشتوں کو شرف بخشنے کے لئے اور آسمانی مخلوق کو رسولِ خدا کے دیدار سے فیضیاب کرنے کے لئے ایسا کیا نیز اپنی عظمت کے عجائبات ظاہر کرنے کے لئے تاکہ زمین پر پہنچ کر وہ لوگوں کو سمجھائیں۔ الخ

تفسیر برہان میں کافی سے منقول ہے ابو بصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضورؐ کتنی دفعہ معراج پر تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا کہ دو دفعہ (ممکن ہے یہاں دو سے مطلق تعدد مراد ہو یعنی کئی بار پس گذشتہ روایت سے کوئی منافات نہیں ہوگی) پس ایک مقام پر پہنچ کر جبریل نے کہا کہ ٹھہر جایئے چنانچہ آپ ٹھہر گئے پس جبریل نے کہا یہ وہ مکان ہے جہاں آپؐ سے پہلے نہ کوئی فرشتہ پہنچا اور نہ کوئی نبی پہنچ سکا ہے اور کہا کہ خدا نماز میں مشغول ہے آپ نے پوچھا اس کی نماز کیا ہے؟ تو جواب دیا اس کی نماز یہ ہے۔ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ اَنَا رَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ۔ یعنی میں لائق تسبیح و تقدیس ہوں اور میں ہی ملائکہ اور روح کا پروردگار ہوں۔ اور میری رحمت میرے غضب سے آگے ہے۔ (آگے چل کر) آپ نے فرمایا میں نے نورِ عظمت پروردگار کا سوراخِ سوزن کی مقدار سے ملاحظہ کیا۔ پھر ارشاد قدرت ہوا۔ اے محمدؐ! میں نے لبیک کہی تو ارشاد ہوا۔ تیرے بعد تیری امت کا والی کون ہوگا؟ میں نے عرض کی کہ اللہ ہی اس کو جانتا ہے۔ پس ارشاد ہوا کہ علی ابن ابی طالب ہی ہے جو مومنوں کا امیر اور مسلمانوں کا سردار اور نورانیوں کا قائد و رہبر ہے۔ پس امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اے ابو بصیر۔ خدا کی قسم علی کی ولایت زمین سے نہیں آسمان سے اتری ہے۔

بروایت عیاشی ہارون بن خارجہ بیان کرتا ہے مجھ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تم سے مسجد کوفہ کتنی دور ہے میں نے کہا بالکل نزدیک ہے۔ آپ نے فرمایا ایک میل کا اندازہ ہوگا؟ میں نے جواب دیا کہ اس سے بھی قریب ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم سب نمازیں وہاں پڑھا کرتے ہو تو میں نے کہا کہ نہیں۔ پس فرمانے لگے اگر میں ہوتا تو کوئی نماز اس کے باہر نہ پڑھتا۔ پھر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کوئی ملک مقرب نبی مرسل اور عبد صالح نہیں گزرا جس نے مسجد کوفہ میں نماز ادا نہ کی ہو حتیٰ کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ نے بھی شب معراج باذن پروردگار اس میں دو رکعت نماز پڑھی۔ پس آپ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں۔ اس کے دائیں طرف جنت کا باغ ہے اور اس کے بائیں طرف جنت کا باغ ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس میں ایک فریضہ نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں کے

برابر ہے۔ اس کی نافلہ پانچ سو کے برابر ہے اور اس میں خاموش بیٹھنا بھی عبادت ہے۔ پھر انگلی کو گھما کر فرمایا۔ مسجدوں کے بعد کوفہ سے افضل کوئی جگہ نہیں ہے۔

بروایت کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ شب معراج ایک مقام پہنچ کر جبریل ٹھہر گئے آپ نے فرمایا اے جبریل اس عالم تنہائی میں تو بھی مجھے چھوڑ رہا ہے تو اُس نے جواب دیا کہ آپ چلیں خدا کی قسم یہ وہ مقام ہے جہاں آپ کے علاوہ کوئی نہ پہنچ سکا۔

ایک روایت میں ہے جو ذاکرین و واعظین کی زبان پر عام مشہور ہے اور اس وقت میری زیر نظر کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ جبریل رک گئے تو آپ نے پوچھا کیوں رُک رہے ہو تو جواب دیا کہ اس سے آگے میں نہیں بڑھ سکتا حتیٰ کہ اگر ایک انگلی کی مقدار بھی آگے بڑھوں تو میرے پَر جل جائیں گے۔

تفسیر صافی میں کشف الغمہ سے مروی ہے کہ حضورؐ رسالتمآبؐ سے پوچھا گیا کہ خدا نے شب معراج آپ سے کس لہجہ میں گفتگو فرمائی تھی تو آپ نے جواب دیا کہ حضرت علی کے لہجہ میں۔ چنانچہ میں نے عرض کی تھی اے پروردگار تو میرے ساتھ ہمکلام ہے یا علی ہے تو ارشاد ہوا، اے احمد۔ میں وہ ہوں کہ میری مثل کوئی شئے نہیں۔ نہ مجھے لوگوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے اور نہ چیزوں سے میری وصف کی جاسکتی ہے میں نے تجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور علی کو تیرے نور سے پیدا کیا۔ میں تیرے دل کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ تیرے دل میں علی بن ابی طالب سے زیادہ کسی کی محبت نہیں ہے۔ پس میں نے اسی کے لہجہ میں تجھ سے گفتگو کی ہے تاکہ تیرا دل مطمئن رہے اور اسی معنی کی حدیث ینابیع المودۃ سے بھی نقل کی جاتی ہے۔

حضرت علیؑ کی مثال

تفسیر برہان میں ابوبریدہ اسلمی سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ تجھے خدا نے سات مقامات پر میرے ساتھ حاضر کیا ہے۔

پہلا مقام۔ جب میں شب معراج آسمان پر پہنچا تو جبریل نے مجھ سے دریافت کیا۔ اَیْنَ اَخُوْکَ۔ یعنی تیرا بھائی کہاں ہے تو میں نے کہا کہ پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں تو اس نے کہا اللہ سے دُعا مانگو کہ وہ اس کو یہاں حاضر کردے۔ چنانچہ میں نے دُعا مانگی فَاِذَا مِثْلُکَ مَعِیْ۔ پس اچانک تیری مثال میرے ساتھ موجود تھی۔

دوسرا مقام۔ جب میں دوبارہ معراج پر گیا تو جبریل نے پوچھا تیرا بھائی کہاں ہے تو میں نے جواب دیا پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں اس نے کہا اللہ سے دعا مانگو کہ وہ اس کو لے آئے چنانچہ میں نے دعا مانگی تو تیری مثال میرے ہمراہ تھی۔ پس آسمانوں کے پردے اُٹھا دیئے گئے۔ تو میں نے اس کے ساکن آبادیاں اور ہر فرشتہ کی قیام گاہ کا معائنہ کیا۔

تیسرا مقام۔ جب میں قوم جن کی طرف بھیجا گیا تو جبریل نے کہا۔ تیرا بھائی کہاں ہے میں نے کہا پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں۔ پس جبریل کی خواہش پر میں نے دُعا کی پھر دیکھا تو میرے ہمراہ تھا اس کے بعد ان کے ہمراہ جسقدر گفتگو ہوتی

رہی تو سنتا رہا۔
چوتھا مقام۔ لیلۃ القدر میں تو میرا شریک ہے اور کوئی نہیں۔
پانچواں مقام۔ نبوت کے علاوہ ہر بات میں تو میرا شریک ہے۔
چھٹا مقام۔ جب میں نے آسمان پر نبیوں کو نماز پڑھائی تو تیری مثال میرے پیچھے موجود تھی۔
ساتواں مقام۔ احزاب کی ہلاکت ہمارے ہاتھوں پر ہوئی۔

مجالس شیخ سے مروی ہے حضرت علی علیہ السلام خود بیان فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت مآبؐ نے مجھے فرمایا کہ شب معراج ہر آسمان پر فرشتے مجھے مبارکباد کہتے رہے اور جبریل نے ملائکہ کے ایک جم غفیر کے ہمراہ یہ بات کہی: لَوِاجْتَمَعَتْ اُمَّتُكَ عَلٰى حُبِّ عَلِيٍّ مَا خَلَقَ اللّٰهُ النَّارَ۔ یعنی اگر تیری اُمت علی کی محبت پر جمع ہو جاتی تو خدا دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ اے علی خدا نے سات مقامات پر تجھے میرے ساتھ حاضر کیا کہ میں مانوس ہو گیا۔ پس حدیث سابق کی طرح مقامات گنوائے۔ اس میں پانچواں مقام یہ بیان کیا کہ جب میں اللہ سے مناجات کر رہا تھا۔ اس وقت بھی تیری مثال میرے ساتھ تھی اور میں نے تیرے لئے کچھ چیزیں طلب کیں۔ چنانچہ سوائے نبوت کے اس نے سب قبول فرمائیں اور فرمایا کہ نبوت تیرا ہی خاصہ ہے اور تو اس کا خاتم ہے اور چھٹا مقام یہ کہ جب میں نے البیت المعمور کا طواف کیا تو تیری مثال میرے ساتھ تھی۔ پس ساتواں مقام حسب سابق بیان کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ خدا نے دنیا کی طرف نظر کی تو مجھے عالمین کے مردوں پر منتخب فرمایا پھر تجھے چُنا پھر فاطمہ کو تمام عالمین کی عورتوں سے برگزیدہ کیا پھر حسنؑ و حسینؑ و باقی آئمہ کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کیا اے علی میں نے دیکھا ہے کہ چار مقامات پر تیرا نام میرے نام کے ساتھ مسطور و مذکور ہے اور میں اُسے پڑھ کر مانوس ہوا ہوں۔

(۱) میں شب معراج جب بیت المقدس میں پہنچا تو پتھر پر لکھا ہوا دیکھا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَيَّدْتُهٗ بِوَزِيْرِهٖ وَنَصَرْتُهٗ بِهٖ ۔ میں نے پوچھا اے جبریل میرا وزیر کون ہو گا تو وہ کہنے لگا کہ علی ابن ابی طالب۔

(۲) مجمع النورین مصنفہ شیخ ابوالحسن نجفی میں ہے۔ سدرۃ المنتہی پر یہی کلمات تحریر تھے۔

(۳) جب سدرۃ المنتہی سے چل کر عرش کے قریب پہنچا تو ساق عرش پر لکھا ہوا پایا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا اللّٰهُ وَحْدِيْ مُحَمَّدٌ حَبِيْبِيْ وَصَفْوَتِيْ مِنْ خَلْقِيْ اَيَّدْتُهٗ بِوَزِيْرِهٖ وَاَخِيْهِ وَنَصَرْتُهٗ بِهٖ ۔ یعنی میرے سوا کوئی الٰہ نہیں میں اللہ ایک اکیلا ہوں۔ محمد میرا حبیب اور تمام مخلوق سے برگزیدہ ہے میں نے اس کی تائید اس کے وزیر اور بھائی کے ساتھ کی اور میں نے اس کو اس کا مددگار بنایا ہے۔

(۴) میں نے جنت میں شجرۂ طوبیٰ کو دیکھا جس کی اصل علی کے گھر میں ہے اور جنت کے ہر محل میں اس کی شاخیں ہیں۔ اور اس کی اصل سے پانی دودھ شراب اور شہد کی چار نہریں جاری ہیں۔ بروایت مجالس شیخ آپ نے فرمایا۔

اے علیؑ اللہ نے تیرے لئے مجھے سات چیزیں عطا کیں۔
(۱) میں پہلا شخص ہوں جو قبر سے باہر آؤں گا اور تو میرے ہمراہ ہوگا (۲) تو پہلا شخص ہے جو پل صراط پر میرے ہمراہ کھڑا ہوگا اور دوزخ سے کہے گا۔ خُذِیْ فَهُوَ لَكِ وَذَرِیْ فَلَيْسَ هُوَ لَكِ ۔ یعنی اس کو لے لے کہ وہ تیرا ہے اور اس کو چھوڑ دے کہ یہ تیرا نہیں ہے (۳) تو پہلا شخص ہے جس کو میرے ہمراہ لباس پہنایا جائے گا اور میرے ساتھ زندہ ہوگا (۴) تو پہلا شخص ہے جو عرش کے دائیں جانب میرے ہمراہ کھڑا ہوگا (۵) تو پہلا شخص ہے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا (۶) تو پہلا شخص ہے جو جنت کے مقام علّیین میں میرے ہمراہ جاکر سکون پذیر ہوگا (۷) تو پہلا شخص ہے جو رحیق مختوم سے پئے گا جس پر کستوری کی مہر ہوگی۔
امالی شیخ سے مروی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جب میں مقام قاب قوسین پر پہنچا تو ارشاد ہوا تو سب سے زیادہ دوست کس کو رکھتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ علیؑ کو۔ تو ارشاد ہوا کہ مڑ کر دیکھو۔ چنانچہ میں نے جو دیکھا۔ تو میرے بائیں جانب علی موجود تھے۔

کیا حضرت علیؑ شریک معراج تھے

دورِ حاضر کی موشگافیوں میں سے ایک مثال یہ بھی ہے کہ عقیدۂ معراج پیغمبرؐ میں عقیدۂ معراج علیؑ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جس طرح حقیقت عازمیں تصرف کرتے ہوئے شہادت ولایت کو جزو تشہد سمجھ لیا گیا ہے۔ بدلگام مقرر اور بے مہار مولوی عقائد مذہب اور احکام شریعت میں اپنے اختراعات کو داخل کر کے ملّت جعفریہ کے چہرہ کو مسخ کرنا اپنا محبوب مشغلہ سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ اس قسم کی جذباتی جزئیات کو ناعاقبت اندیش عوام سے خراج تحسین حاصل کرنے کے لئے اپنے تفوق علمی کا زینہ سمجھتے ہیں۔ پس شیطان ان کے اذہان میں اس قسم کے خیالات کی وحی کرتا ہے اور وہ بلادریغ ان کا لوگوں میں پرچار کر کے ان کے عقائد و اعمال کا ستیاناس کرتے ہیں۔ ان الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ ۔ الخ
مذہب امامیہ میں معراج کا انکار کفر ہے کیونکہ اس کا وجوب ضروریات مذہب میں سے ہے۔ نیز یہ بھی مسلّمات میں سے ہے کہ معراج پر جانا حضرت رسالت مآبؐ کا خاصہ ہے۔ اور ان کے مختصات میں سے ہے اور یہ شرف سوائے حضورؐ کے اور کسی کو نہیں مل سکا۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ نے جو کلام فرمایا وہ لہجہ علیؑ میں تھا جیسا کہ کتب میں مسطور ہے۔
البتہ مقام اشتباہ وہ احادیث ہیں جن میں حضرت علی کا وہاں ہونا حضرت رسالت مآبؐ نے خود بیان کیا تو ان کا حل یہ ہے کہ اکثر روایات میں مثال کا لفظ موجود ہے۔ جس طرح کہ گذشتہ روایات میں صاف مذکور ہے اور بعض روایات میں بارہ اماموں کے مثالی اجسام کا عرش پر موجود ہونا بھی مذکور ہے کہ فضائے نور میں مشغول عبادت پروردگار تھے چنانچہ تفسیر کی تیسری جلد ص۱۸۵ پر ہم نے بھی ایک روایت ذکر کی ہے۔ نیز ہر آسمان پر حضرت علی کی تمثال کا ہونا بھی نقل کیا جاتا ہے اور یہ کہ خدا نے ہر آسمان پر حضرت علیؑ کی شکل کا ایک فرشتہ پیدا کیا ہے کہ آسمانی فرشتے اس کی

زیارت سے حضرت علیؑ کی زیارت کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ بہر کیف یہ سب ممکن ہے۔ لیکن اس سے نہ تو حضرت علیؑ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ شریک معراج ہونا لازم آتا ہے۔ اور امالی شیخ کی روایت جس میں مثال کا ذکر نہیں۔ اس کا مقصد علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حجابات سماوی کو اٹھا دیا گیا۔ پس آپ نے جہاں باقی ممکنات عالم کا ملاحظہ فرمایا وہاں حضرت علیؑ کو اپنے پاس موجود پایا۔ یعنی حضرت علی اپنے گھر میں اپنے بستر پر سوتے ہوئے حضرت رسالت مآبؐ کو مقام قوسین پر اپنے پاس نظر آرہے تھے۔ چنانچہ بحار الانوار جلد ہفتم کی عمار والی روایت کا صریحی مفہوم یہی ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ وَصِرْتُ کَقَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی اَوْحَی اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنِ الْتَفِتْ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا بِعَلِیٍّ وَاقِفٌ مَعِیْ وَ قَدْ خُرِقَتْ حُجُبُ السَّمٰوٰتِ وَعَلِیٌّ وَاقِفٌ رَافِعٌ رَاْسَهٗ یَسْمَعُ مَا یَقُوْلُ فَخَرَرْتُ لِلّٰهِ سَاجِدًا۔

حضورؐ نے فرمایا جس رات مجھے آسمان پر لے جایا گیا اور میں مقام قاب قوسین پر پہنچا یا اس سے بھی قریب تو خدا نے وحی کی کہ مڑ کر دیکھ جو میں نے مڑ کر دیکھا تو علی میرے پاس کھڑے تھے کہ آسمانوں کے پردے پھٹے اور علی سر بلند کئے ہوئے سن رہے تھے جو خدا کہتا تھا۔ پس میں سجدہ پروردگار میں جھک گیا۔

بہر کیف معراج پر صرف حضرت رسالت مآبؐ ہی تشریف لے گئے اور یہ ان کا مخصوص شرف ہے ورنہ اگر حضرت علی خود بنفس نفیس وہاں موجود ہوتے تو پیغمبر کی تسلی کے لئے لہجہ علی اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ خود ذات علی کا وجود حضورؐ کی مانوسیت کے لئے کافی تھا۔ نیز آپؐ کا یہ فرمانا کہ یا علی تو میرے ہمراہ تھا بے معنی ہو جائے گا۔ کیونکہ ساتھ ہونے والے کو خبر دینا کہ تو میرے ساتھ تھا اس وقت صحیح ہوتا ہے کہ یا تو اُسے یہ سفر فراموش ہو چکا ہو یا کسی خاص دوسرے امر کی طرف اشارہ مقصود ہو۔ حالانکہ یہاں نہ بھول چوک کو دُور کرنا مقصود ہے اور نہ کوئی دوسری چیز محل اشارہ ہے بلکہ خود حضرت علی کی معیت ہی مقصود بیان ہے تو اس کا صاف مقصد یہی ہے کہ پردے ہٹ چکے تھے اور آپ سمجھے میں اپنے ہمراہ ہی سمجھ رہا تھا۔ نیز حضرت علیؑ اگر معراج پر تشریف لے گئے ہوں تو زمین خدا کا حجت خدا سے خالی ہونا بھی لازم آتا ہے جس طرح کہ بعض علماء نے ذکر فرمایا ہے۔ اگر حضرت علیؑ خود ہمراہ ہوتے تو بجائے حضرت علیؑ کو جتلانے کے حضورؐ آتے ہی قصہ معراج بیان کرتے وقت کفار قریش کے سامنے یہی بیان کرتے کہ ہم دونوں بھائی گئے تھے اور اس کی تصدیق کفار دونو سے معلوم کرتے۔ پھر تمام صحابہ کے سامنے جب بیان ہوا تو اسی انداز بیان کو ملحوظ رکھا جاتا۔ نیز حضرت علی نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں شریک معراج ہوں اور یہ کہ میں فلاں فلاں مقام پر پیغمبرؐ کے ہمراہ گیا تھا۔ پس جس طرح حضورؐ اپنے معراج کے چشم دید مناظر بیان فرماتے تھے حضرت

علیؑ بھی پیغمبرؐ سے نقل کرنے کی بجائے اپنا چشم دید واقعہ کہہ کر بیان فرماتے لہٰذا اس طرح نہ فرماتے کہ حضورؐ نے فرمایا یا علی تو میرے ساتھ سات مقامات میں موجود تھا بلکہ فرماتے میں حضورؐ کے ہمراہ میں سات مقامات پر موجود تھا۔ پس یہ سب باتیں اس امر کا قرینہ ہیں کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کی نورانی تمثال دیکھی یا یہ کہ حجابات ہٹے تو حضرت علی کو اپنے مقام پر وہیں سے دیکھا جس طرح باقی ملکوت سماوی کی سیر فرمائی۔ پس اس مسئلہ پر طبع آزمائی کی ضرورت ہے نہ باہمی سر پھٹول کی حاجت معراج پیغمبر کا عقیدہ ضروریات مذہب سے ہے اور تفصیلات کا صحیح علم اللہ جانے یا اُس کا رسولؐ۔

اس میں شک نہیں کہ حدیث معراج میں حضرت علی علیہ السلام کے بڑے بڑے فضائل موجود ہیں۔ اور حضرت علی کی تمثال کا ہر آسمان البیت المعمور پر یا عرش پر یا مقام قاب قوسین پہ ہونا نیز آپ کے لہجہ میں پروردگار کا کلام کرنا ایسی فضیلت ہے جس میں آپ کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح شجرہ طوبیٰ کا علی کے گھر میں ہونا اور ہر جنتی کے گھر میں اسی کی شاخ کا ہونا حضرت علی کی اخروی حکومت کی طرف اشارہ ہے۔ کتاب مجمع النورین صفحہ ۴۵ میں حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ میں نے زیر عرش اونٹوں کی ایک بہت بڑی قطار دیکھی جس کی ابتداء و انتہا معلوم نہ ہوتی تھی۔ ہر ایک اونٹ پر بھار لدا ہوا تھا۔ میں نے جبریل سے دریافت کیا کہ یہ اونٹ کس لئے ہیں اور ان پر بوجھ کس قسم کا ہے تو اس نے جواب دیا یہ سب تیری دختر نیک اختر فاطمہ کا جہیز ہے میں نے پوچھا ان میں کیا چیز بند ہے تو اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ پس میرے حکم سے ایک اونٹ کو بٹھایا گیا جب بھار کھولا تو کتابیں تھیں اور ہر ایک اونٹ پر ایک ہزار کتاب کا بھار تھا اور ہر کتاب میں حضرت علی علیہ السلام کی ایک ہزار فضیلت درج تھی۔

اس سے قبل ایک روایت معصوم سے گذر چکی ہے کہ ایک سو بیس مرتبہ آپ کو معراج ہوئی اور ہر بار حضرت علی کی خلافت و ولایت کی خدا نے تاکید فرمائی۔ چونکہ احکام شرعیہ فرعیہ کی بہ نسبت مسئلہ امامت بقاء اسلام کے لئے بنیادی حیثیت کا حامل تھا۔ اس لئے بعید از قیاس نہیں بلکہ عین قرین عقل ہے یہ بات کہ مسئلہ ولایت و امامت معراج کی گفتگو کا اہم باب ہو اور اسے ہونا بھی چاہیئے اور حضورؐ نے مقام بیان میں جابجا حسب موقعہ و محل اس کا اظہار بھی فرمایا۔ پس نیک بخت لوگوں نے حضورؐ کے فرمان کو واجب الاذعان قرار دیکر علی کو اپنا امام و ہادی تسلیم کر لیا اور بدبخت یا سر پھرے شکی مزاج افراد نے ان باتوں پر کان دھرنے کی بجائے اقتدار کی ہوس پرستی یا صاحبانِ اقتدار کی کاسہ لیسی کو مآلِ زندگی قرار دے لیا۔ بعض لوگ حضرت علی کے معراج پر جانے کو ثابت کرتے کے لئے جناب رسالتمآبؐ کے اس فرمان کو پیش کرتے ہیں کہ نبوت اصل ہے اور امامت فرع ہے پس جب نبی معراج پر تشریف لے گئے تو جو فرع تھی اسے پہلے وہاں پہنچنا چاہیئے۔ ایسے عقل کے اندھوں کو کیا سمجھایا جائے جو ایسی

واضحات کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ نبوت کے علوم وحقائق امامت کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتے ہیں جسطرح درخت کے ثمرات اس کی فرعات کی بدولت حاصل ہوتے ہیں اسی طرح درخت کا سایہ شاخوں کے ذریعہ سے ہوا کرتا ہے۔ بہرکیف نبوت سے فیوض حاصل کرنے کا وسیلہ امامت ہے۔ پس اس کو پیچ مچ درخت قرار دیکر امامت کو نبوت سے آگے بڑھانا کور باطنی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور مقررین کے خطابیات کو عقائد مذہب کا اساس قرار دینا عاقبت نااندیشی ہے۔ کیونکہ کسی تشبیہ میں بھی مشبہ کو مشبہ بہ کی تمام خصوصیات کا حامل نہیں قرار دیا جاتا بلکہ ایک مخصوص واہم عادت وخصلت کو وجہ شبہ قرار دیا جاتا ہے پس اگر کسی کو شیر سے تشبیہ دی جائے تو یہ مقصد نہیں ہوتا کہ شیر کے تمام اوصاف وخواص اس میں موجود ہیں حتیٰ کہ اس کو دُم بھی لگی ہوئی ہے بلکہ مقصد صرف اس میں شجاعت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے اس مقام پر نبوت درخت کی اصل سے اور امامت کو اس کی فرع سے تشبیہ نبوت کے اہم کردار کی ادائیگی کی بنا پر ہے اور وہ ہے تبلیغ وہدایت یعنی امام امت تک وہی احکام پہنچاتا ہے اور ان امور کی تبلیغ کرتا ہے جو نبوت کے مقصد میں داخل تھے۔ پس جس طرح درخت کی شاخیں وہی پھل پیش کرتی ہیں جو اس کی اصل سے مناسب ہو، اسی طرح امامت کی زبان سے یا ان کے عمل سے ایسا امر ظاہر نہیں ہو سکتا جو مقصد بعثت نبوت کے منافی ہو۔ چنانچہ حضرت رسالتمآبؐ نے عمار سے فرمایا تھا۔ اگر تمام لوگ ایک وادی میں ہوں اور صرف علی دوسری وادی میں ہو تو تمام لوگوں کو چھوڑ کر علی کے پیچھے چلنا کہ علی تجھے کبھی ہدایت سے دور نہ کرنے گا اور تجھے گمراہی میں نہ ڈالے گا۔

اگر یہاں درخت اور شاخ کی مثال سے دھوکا کھاکر حضرت علی کا معراج ثابت کیا جائے تو صرف علی کا نہیں بلکہ بارہ اماموں کا معراج ثابت ہو جائے گا اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ تمام سادات اولاد رسول کا معراج بھی ماننا پڑے گا کیونکہ یہ سب اسی درخت کی شاخیں ہیں بلکہ تمام شیعہ بھی اس شرف میں داخل ہو جائیں گے کہ اس درخت کے پتے ہیں بلکہ ان کو تو شاخوں سے بھی اونچا ہونا چاہیئے۔ اسی جلد میں سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۴ کی تفسیر میں كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ ۔ الخ۔ کے تحت حدیث مذکور کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔ بہرکیف اس قسم کے خطابیات مذہب کی اساس نہیں بن سکتے۔ معراج حضرت رسالتمآبؐ کا مخصوص شرف ہے اس میں آپؐ کا کوئی شریک نہیں یہ کہنا کہ وہاں حضرت علی کے ہاتھ کے مشابہ ایک ہاتھ ظاہر ہوا۔ اور انگوٹھی ظاہر ہوئی وغیرہ بالکل غلط اور بے بنیاد باتیں ہیں۔ مذہب شیعہ اس قسم کی بے سروپا حکایات سے مبرا ومنزہ ہے اور حضرت علیؑ کی فضیلت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ لہجہ علی کا تھا اور بولنے والا اللہ تھا اور رسولؐ سے جسقدر باتیں ہوئیں ان میں خلافت علی کا عہد سرفہرست تھا۔ واللہ اعلم

ازجناب فخرالواعظین مولانا محمد بخش خان صاحب جھمکانہ (سائل)

یارب تو اس حقیر کو اب دل کا چین بخش
جس میں ہو تیری معرفت مجھ کو وہ عین بخش
اہل دلا کو پڑھنے کی توفیق کر عطا
تفسیر لکھ رہے ہیں جو قبلہ حسین بخش
پروردگار ہے تیری رحمت کا آسرا
سائل کے سب گناہ بحق حسینؑ، بخش

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوقؒ
۲] علامہ مجلسیؒ
۳] علامہ سید اظہر حسین
۴] علامہ سید علی نقیؒ
۵] بیگم و سید عابد علی رضوی
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی
۷) بیگم و سید رضا امجد
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی
۹) بیگم و سید سبط حسن
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری
۱۱) بیگم و سید سجاد حسین
۱۲) بیگم و مرزا توحید علی
۱۳) سید حسین عباس فرحت
۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی
۱۵) سید انعام حسین زیدی
۱۶) سیدہ ہما زہرہ
۱۷) سیدہ رضویہ خاتون
۱۸) سید نجم الحسن
۱۹) سید مبارک رضا
۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی
۲۱) بیگم و مرزا محمد ہاشم
۲۲) سید باقر علی رضوی
۲۳) بیگم و سید باسط حسین
۲۴) سید عرفان حیدر رضوی
۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲۶) سید ممتاز حسین
۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۲۸) سید محمد علی
۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۳۰) سید مظفر حسنین
۳۱) سید باسط حسین نقوی
۳۲) غلام محی الدین
۳۳) سید ناصر علی زیدی
۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۳۵) ریاض الحق
۳۶) خورشید بیگم